مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناح

حیات و افکار



پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مادر ملت فاطمہ جناح، حیات و افکار

مادرِ ملّتؒ محترمہ فاطمہ جناحؒ
حیات و افکار

پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صُوفی

عِلم و عرفان پبلشرز
34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352332-7232336
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب	مادر ملت فاطمہ جناح، حیات و افکار
مصنف	پروفیسر ڈاکٹر ایم۔اے صوفی
ناشر	گل فراز احمد
	علم و عرفان پبلشرز لاہور
کمپوزنگ	ظفر اقبال، فراز کمپوزنگ سنٹر، لاہور
تعداد	1000
پرنٹرز	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
اشاعت اوّل	جون، 2003ء
قیمت	-/200روپے

ملنے کے پتے

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور فون: 7352332

کتاب گھر
کمیٹی چوک، راولپنڈی
فون:5552929

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک، راولپنڈی
فون:5531610

فہرست



ایک ادارہ' دو معمار.........ڈاکٹر شجاعت علی پرنسپل فاطمہ جناح ؒ میڈیکل کالج
کرنل ایس ایم کے ملک' انسپکٹر جنرل سول ہسپتالز

یہ وہ مایہ ناز میڈیکل کالج فیلڈ کے سپوت ہیں جن کی کوشش' محنت اور لگاؤ سے بالک رام میڈیکل کالج فاطمہ جناح ؒ میڈیکل کالج ۱۹۴۸ء میں ہوا اور ۱۹۴۹ء میں اس کا افتتاح خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان کے ہاتھوں ہوا

انتساب!

یہ کتاب
ڈاکٹر کرنل ایس۔ ایم۔ کے ملک اور پروفیسر شجاعت علی
کے نام

جن کی مثبت سوچ اور سعی جمیلہ کے عوض قائد اعظم محمد علی جناح اور مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے میڈیکل کالج برائے خواتین کی شاندار سکیم کو دوام بخشا تقسیم ہند کے بعد **1948**ء میں بالک رام میڈیکل کالج سے فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی توثیق کی اور فاطمہ جناح اسی خواتین کالج کی سرپرست اعلیٰ ہوئیں۔ ان کی شفقت اور دور رس نگاہ کی وجہ سے اس کالج سے بے شمار خواتین نے گریجویشن کر کے اپنے مستقبل کو نکھار بخشا اور اسی کالج کی ٹریننگ کے دوران خدمت انسانی کا لازوال جذبہ حاصل کر کے لاتعداد نادار اور بیمار لوگوں کی طبی امداد کی خوش قسمتی سے اسی کالج سے راقم کی اہلیہ ڈاکٹر مسز اقبال صوفی نے **1960**ء میں تعلیم و تربیت مکمل کی۔ بہترین خدمت خلق کی حقیقت کو سمجھا۔ اور انہوں نے جون **1961**ء میں میرے ساتھ زندگی کے نئے سفر کا آغاز کیا۔

اظہار تشکر

محترمہ فاطمہ جناح کی خدمات کے عوض نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن نے 2003ء کو مادر ملت کا سال قرار دیا محترم مجید نظامی چیئر مین نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن کی کاوش، دانشمندی کی وجہ سے حکومت پاکستان نے یہ سال فاطمہ جناح کا سال قرار دیا کیونکہ اس وقت وزیر اعظم پاکستان میر ظفر اللہ خان جمالی مادر ملت کے 1964ء کے الیکشن کے دوران باڈی گارڈ تھے۔ اس وقت پنجاب اور مرکز میں حکومت مسلم لیگ (قائد اعظم) کی وجہ سے اس فکر کو تقویت میسر آئی اور نہایت منظم طریقے سے پیش رفت ہوئی۔

ہم نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن کے تمام اکابرین کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ ان کی حوصلہ افزائی سے ہم نے مادر ملت پر کتاب تحریر کرنے کی جسارت کرلی۔ یہ کاوش انفرادی نہیں، اس میں بے شمار لوگوں نے کردار ادا کیا۔ گل فراز احمد سربراہ ادارہ علم و عرفان نے اس اہم موضوع پر کتاب شائع کرنے کی حامی بھر لی۔ ان کے سٹاف ظفر اقبال، آصف حمید نے عملی تعاون کیا۔ محترم ڈاکٹر اختر خان سابق پرنسپل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، ڈاکٹر رفیق احمد سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، محترمہ ڈاکٹر بشارت یوسف سابق پرنسپل فاطمہ جناح میڈیکل کالج، محترمہ ڈاکٹر شاہین منظور چیف پرنسپل ایگزیکٹو آفیسر فاطمہ جناح میڈیکل کالج، محترم اکبر صاحب تپ دق ایسوی ایشن نسبت روڈ، محترمہ ڈاکٹر مسز اقبال صوفی سابق لیکچرار کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج و علامہ اقبال میڈیکل کالج نے اپنی دانش کے بکھیرتے ہوئے مفید تجرباتی، اور تحقیقی مشوروں سے ممانعت کی۔

ان سب احباب نے نہایت دردِ دل سے رہنمائی فرمائی۔ اور اس کتاب کی تحریر میں حوصلہ بڑھایا ہم سب احباب کا دِل کی گہرائیوں سے شکر ادا کرتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی

34۔ لارنس روڈ، لاہور

مصنف کے بارے میں

پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی ایک منجھے ہوئے سکالر ہیں، آپ متعدد معیاری علمی کتب تحریر کر چکے ہیں، تاریخ پاکستان آپ کا محبوب موضوع ہے، آپ قائداعظم محمد علی جناح، فاطمہ جناح اور علامہ اقبال کے بڑے مداح ہیں، قائداعظم کے تو شیدائی ہیں اور نظریہ پاکستان پر بڑا پختہ ایمان رکھتے ہیں۔

ہری پور سکول میں طالب علمی کے زمانہ میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ سے منسلک رہے جب محترمہ فاطمہ جناح گرلز ہائی سکول ہری پور کا افتتاح کرنے 1948ء میں ہری پور تشریف لائی تھیں، اس وقت محمد اسلم صوفی محترمہ فاطمہ جناح کی گاڑی کے باڈی گارڈ تھے۔ ایام جوانی میں بھی وہ مسلم لیگ سے وابستہ رہے دسمبر 1952ء میں جب محترمہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کی سالانہ کھیلوں کی تقریب تقسیم انعامات میں تشریف لائیں تو ایم اے صوفی فرسٹ ایئر سٹوڈنٹ ڈی ماؤنٹ مورنسی کالج آف ڈینٹسٹری و کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور نے اپنے محبت کے اظہار میں نامور پرنسپل ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی اجازت سے انگریزی زبان میں ایک نظم تخلیق کی۔ اسے پرنٹ کرایا اور بڑے جوش اور جرأت سے جھوم جھوم کر اشعار سے خوش آمدید کہا، مادر ملت کے اوصاف بیان کیے جب بعد ازاں ایم اے صوفی انسداد تپ دق ایسوسی ایشن سے منسلک ہوئے، تو محترمہ ٹی بی ایسوسی ایشن کے دفتر واقع نسبت روڈ آئیں تمام ورکروں سے ملاقات کی جب اس خوبصورت مہذب نوجوان کو مادر ملت نے پہچانا اور معلوم کیا کہ یہ ہونہار لڑکا ان ہی کا پیشہ اختیار کرنے کی ٹھان چکا ہے تو

بڑی خوش ہوئیں، اور 1954ء میں ڈینٹل ہیلتھ ویک کے موقع پر محترمہ نے ایک بیان دیا کہ کوئی صحت کا منصوبہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ڈینٹل ہیلتھ اور حفاظتی امور شامل نہ ہوں محمد اسلم صوفی اس وقت کالج یونین کا جنرل سیکرٹری تھا۔

1961ء میں محترمہ ٹی بی کے مریضوں کی وارڈ کا سنگ بنیاد رکھنے شمع سینما کے نزدیک فیروز پور روڈ آئیں تو نوجوان ڈاکٹر ایم اے صوفی محترمہ کے لیے اپنے رگ و پے میں سمائی ہوئی عزت و تکریم اور محبت کا اظہار کرنے کے لیے حاضر تھا۔

محترمہ حسن و وقار کا پیکر تھیں تھیں، نفاست، خوش لباس، اعلیٰ قسم کی مسکراہٹ، بڑی دلکش شخصیت کی مالکہ تھیں، خوش اخلاقی اور شفقت سے بھرپور تھیں، بے شمار عقیدت مند موجود تھے۔

1964ء میں جمہوریت کے سفر کی گاڑی نے لاہور سے کراچی کا سفر ایوب خان کے خلاف الیکشن میں کرنا تھا، ڈاکٹر ایم اے صوفی کو اعزاز ہے کہ وہ اس گاڑی میں موجود تھے، انہوں نے اپنی آنکھوں سے لوگوں کی بے پناہ محبت دیکھی جو انہوں نے پیکر شجاعت ذی وقار محترمہ فاطمہ جناح کے لیے نچھاور کی، محترمہ کا یہ ریل گاڑی کا سفر بڑی اہمیت کا حامل اور تاریخی اعتبار سے منفرد تھا۔ حکومت وقت کی مرضی کے خلاف، لاتعداد انسان ٹڈی دل کی طرح ہر سٹیشن پر موجود تھے اور محترمہ کی جھلک کو ترستے۔ ایم اے صوفی کا ڈبہ محترمہ کے ڈبہ کے ساتھ تھا، جونہی گاڑی اسٹیشن پر رکتی پلیٹ فارم پر بیٹری والا مائیک فٹ کیا جاتا جوں ہی محترمہ ڈبے سے باہر آتیں تو لوگ ان کی دید کو ترستے کئی گھنٹوں انتظار کر کے یہ نظارہ حاصل کرتے۔

مادر ملت جب پلیٹ فارم پر آتی ان کی آنکھوں میں عقابی چمک اور شیر جیسا حوصلہ اعتماد ہوتا وہ نہایت بچے تلے انداز میں قائداعظم کے پاکستان کو جمہوریت کی راہ پر لانے کا ذکر کرتیں۔

شاعر حبیب جالب مائیکروفون پر آتے نہایت پرسوز، عقیدت کے ساتھ کہتے۔

''یہ ماں ہے اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے ادھر آؤ''

لوگوں کی دعائیں نکلتیں، نعرے لگتے بے پناہ محبت کا اظہار کیا جاتا۔

ڈاکٹر صوفی کی یوں بھی خوش قسمتی ہے کہ 1956ء میں گریجوایشن کرنے کے بعد بلوچستان کے لیے پہلے ڈینٹل سرجن مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر محمود کوئٹہ میں پیتھالوجسٹ تھے وہ ڈاکٹر صوفی کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ تھے، وہ ان سے دیگر ملازمین سے انفارمیشن حاصل کرتے رہے کہ قائد اور فاطمہ جب 1943-1945ء کوئٹہ آئے تو کہاں کہاں ٹھہرے۔ ڈاکٹر ایم اے صوفی ان دنوں جوان تھے، ان سے بھی تبادلہ خیالات ہوا، ڈاکٹر صوفی کا نکاح لیڈی ڈاکٹر اقبال جہاں سے 3 جون 1961ء کو کوئٹہ سول ہسپتال میں ہوا۔ ڈاکٹر ایم اے صوفی کو اس بات پر بہت فخر ہے کہ ان کا پیشہ محترمہ فاطمہ جناح کی طرح ڈینٹسٹری ہے۔

ڈاکٹر صوفی اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر اقبال جہاں کو دوبارہ حکومت مغربی پاکستان نے زیارت ہسپتال میں (1964-67ء تک) لگا دیا۔ ان کی خواہش کی تکمیل ہوئی۔ چنانچہ ڈاکٹر صوفی کی تحقیق و جستجو نے کیسے راز پائے۔ زیارت میں رہ کر ڈاکٹر ایم اے صوفی نے اس ریذیڈنسی سے خوب لگاؤ رکھا جہاں بابائے قوم حضرت قائد اعظم محمد علی جناح اور مادر ملت نے آخری ایام گذارے۔

ڈاکٹر صوفی کو اس بات پر فخر ہے کہ انہوں نے اپنی ملازمت کے چند سال اس جگہ کوئٹہ/زیارت میں گزارے جہاں 20 ویں صدی کے عظیم رہنما قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کی ہمشیرہ مادر ملت نے اپنی عمر کے کچھ ایام بسر کیے ان کے آخری دنوں کے معالج کرنل الٰہی بخش، ریاض علی شاہ، غلام محمد ایس ایس عالم ڈاکٹر ایم اے صوفی کے استاد تھے، لہٰذا ڈاکٹر صوفی کو ان سے قائد اعظم کی قائدانہ صلاحیتوں کو جاننے کا زیادہ موقع ملا۔ جنہوں نے مسلمانان برصغیر کو الگ مملکت کا تحفہ دیا۔

یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ایم اے صوفی کی پہلی تصنیف ''جناح سے قائد'' معمار قوم تھی۔ پھر ''آزادی کا سفر'' قائد کی قیادت اور قائد کے آخری لمحات ان کی تحریر ہے۔ ہم ڈاکٹر صوفی کو اس نئی کاوش پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نسیم حسن شاہ

چیف جسٹس (ر) سپریم کورٹ آف پاکستان، لاہور

16 جون 2003ء



بہن بھائی (مادر ملت فاطمہ جناح اور قائداعظمؒ)

پیش لفظ

مادر ملت اور قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا مشن

خدائے برتر رحمٰن و رحیم نے ہمیں ایک خطۂ زمین جو حسین مناظر اور قدرت کی فیاضیوں سے مالا مال ہے جہاں بلند پہاڑ اور ان کی سفید برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں تیز و تند دریا، زرخیز میدانی علاقے، معدنی دولت سے بھر پور ہیں اور کئی جگہوں میں خشک پتھریلے پہاڑ اور وسیع ریگستانی علاقے ہیں آسمانی ماحول چاند ستارے سیارے سب کے سب جگ مگ کرتے ہیں، اور سورج کی روشنی فصلوں اور صحت کو فیضیاب کرتی ہے، قدیم تہذیبی، ثقافت لاثانی ہے، اور خطہ زمین ذہانت اور قلبی لگاؤ کا ثبوت ہے، کہ یہاں بزرگان دین مشعل اسلام بن کر آئے اور اسلام کا یہ خطہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی بڑی کاوشوں، لگاتار جدوجہد، سیاسی قوت، آل انڈیا مسلم لیگ کی رہنمائی میں حاصل ہوا، اس سفر آزادی میں بے شمار رفقاء نے قائد اعظم کے ساتھ حصہ لیا، تکالیف اٹھائیں، قربانیاں دیں اور ایثار کی مثالیں قائم ہوئیں۔

اس سفر آزادی میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی خدمات بے شمار اور ان گنت ہیں کس طرح انہوں نے تحریک پاکستان میں برصغیر کی مسلمان خواتین میں سیاسی شعور بیدار کیا، مادر ملت نے ہندوستان کی مسلم خواتین کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کیا ان کو تعلیم حاصل کرنے، سماجی خدمت کے لیے راغب کیا ساتھ ہی خواتین کو ان کے حقوق کا احساس دلایا

آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورت کا معاشرہ میں اعلیٰ و ارفع مقام بتلایا کہ کس طرح عورت معاشرہ میں، خاندان میں خوشیاں بکھیر سکتی ہے، اور پاکستان بن جانے کے بعد مادر ملت نے خواتین کو استحکام پاکستان اور فروغ اقتصادیات کے لیے تیار رہنے کے لیے ترغیب دی اور کہا کہ عورتیں ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ سماج کی خدمت کے لیے آگے آئیں، محترمہ نے قائداعظم کے سیاسی مشن اور جمہوریت کے فروغ کے لیے فیلڈ مارشل ایوب خان کا مقابلہ کیا کہ عسکری آمریت اس ملک کی تخلیق کے جذبہ کے خلاف ہے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد محترمہ نے نہایت بہادری اور خلوص کے ساتھ تحریک پاکستان کے جذبوں، ولولوں اور مقاصد کو عملی شکل دینے کے لیے پاکستان کو جدید اسلامی جمہوری ریاست بنانے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا اور جمہوریت کے تصور کی بڑی خوبی سے وضاحت کی، ان کا پیغام، کام عزت نفس تھا کہ پسے ہوئے مسلمان خوشحالی اور بلندی حاصل کریں۔ انہوں نے صحت اور سماجی کاموں میں بڑا حصہ لیا۔ تپ دق، ڈینٹسٹری نرسنگ میڈیکل کی مجالس کانفرنس سیمینار میں شرکت کی اور بڑی رقم ان اداروں کی بہتری کے لیے دی وہ دکھی انسانیت کی مشکلات کو کم کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے ایک اعلیٰ درجہ کی ماں کا کردار ادا کیا اور نئی نسل کے لیے بے شمار کارنامے چھوڑ گئیں۔

پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوا، ہندو اور انگریز نہیں چاہتے تھے کہ انڈیا کی تقسیم ہو، انہوں نے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے خلاف ایک بڑی سازش کی اور جنگ کی تھی، قائداعظم محمد علی جناح سیاسی بصیرت، جذبہ ایمان، یقین محکم اور خلوص کے ساتھ ڈٹے رہے، آل انڈیا مسلم کے اکابرین نے اعلیٰ کردار ادا کیا اور خدا کی مدد کے ساتھ 3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا، اور 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی مملکت کا پرچم لہرانے لگا، ہماری کوتاہیوں سے پاکستان علیحدہ ہوا، دوقومی نظریہ اس خطہ زمین میں موجزن تھا اور باقی رہا۔ لاکھوں مسلمان ہجرت کے وقت شہید ہوئے ہزاروں عورتیں بچے مارے گئے، گھر جلائے گئے، بے شمار مسلمان بھارت میں رہ گئے، اب اس خطہ (بنگلہ دیش، بھارت، پاکستان) میں اندازاً ۴۵ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں، گویا قائداعظم

کی ولولہ انگیز قیادت محترمہ فاطمہ جناح کی رفاقت کے نتیجے میں 30 کروڑ بنگلہ دیش کے مسلمان آزادی اور خود مختاری کی زندگی گزار رہے ہیں اور پاکستان نے محدود وسائل کے باوجود ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی قوت کا درجہ حاصل کرلیا۔ یہ قوم کی ترقی کا بڑا ثبوت ہے۔ قائد اعظم کی خواہش تھی۔

> ''آپ اتنے طاقتور ہو جائیں کہ دشمن تمہاری طرف آنکھ اٹھانے کی خواہش تک نہ کر سکے'' ایٹمی ٹیکنالوجی میں ترقی ہمارے سائنس دانوں کی اہلیت اور صلاحیت کا ثبوت ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح نے پاکستان کے بعد اپنی حکمت عملی میں تعلیم کے فروغ، پاکستان کی خوشحالی اور صحت مند معاشرے کی تشکیل کو بنیاد بنایا۔

آپ نے ہر وہ کام کیا جس میں مسلمان عورتوں کی زندگی کے سفر کو خوشگوار بنایا جائے اور مشرقی روایات کے شایانِ شان سماجی کاموں میں حصہ لینے کی تدابیر سے آگاہ کیا وہ چاہتی تھیں ہر فرد اصول کی زندگی بسر کرے تاکہ حسین ترین پاکستان کا خواب پورا ہو، آپ نے ہر ایک کی اعانت کی اور خدمت کی، خدمت کا شرف حاصل کیا، آپ نے قابل قدر خدمات کی وجہ سے قوم کی ماں، کا لقب پایا۔ اللہ آپ کو غریق رحمت کرے۔ ''آمین''

پاکستان ایک نظریاتی اساس ہے، اس کو کمزور نہیں ہونا چاہیے اگر قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے پاکستان اور نظریہ کا تحفظ نہ کیا گیا تو نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیل سکتی ہے جو اس اسلامی جمہوریہ پاکستان کے امن اور استحکام کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے۔ اب کئی جگہوں پر قتل فرقہ واریت کے نام پر جاری ہے اسلامی مملکت میں انصاف اور اخلاقی امن رہنا چاہیے عام آدمی کی الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں کو دور کیا جائے۔

میں خصوصی طور پر کتاب کے پبلشر گلفراز احمد، صابر نواز اور ظفر اقبال کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ جنہوں نے کتاب کی تیاری میں معاونت کی۔

پروفیسر ڈاکٹر ایم۔اے صوفی

34۔ لارنس روڈ۔ لاہور

MISS FATHMA JINAH

Welcome to Khatoon-i-Pakistan

At the annual sports function of K.E. Medical College on 20th Dec. 1952

With my riad delights ; numerous welcome to you
With matters pride ; arrogants welcome to you
With humblest words ; thousands honours to you
With grateful heart ; million thanks to you.

Students are over whelming with excellent pride ?
The highiest lamp, is happiest with a little hide
The atmosphet is gaiest and rejoicing one
To Receive thy Honour as a glorious sun

Thee, the Pole star of the state
Thee, the real image of the late
Thee, the lover of Noblest worth
Thee, the patriot of the Holliest earth.

Thy enthusim feelings of glorious deed
Thy vendicated deeds in History we shell read.
Thy cultural schemes of highiest success
Thy inlellectual views of lasting progress.

Oh ! the heroin of the verdent with important fame
Oh ! energetic brave of latents : here you came
Oh ! benevolent to each, with command of real heal
Oh ! real proficent, thy brother's celebrity is firm as steel.

May you live long, accelerating the enterprises
Lo, your's brother's state ; how stately to zenth arises ?
May you healthy with profound everlasting gey
May our state leading one Do my heart this say

What else, can make happy to Ilahi Haq & me ?
At the annual fuction thousand face we see
The fuction at which you will distribute the prizes
It self an example to acelerate the enterprises.

All thanks, honours, vivids to Khatoon-i-Pakistan
How can we forget the lesson, who founded Pakistan ?
Whose natural endowments were moving factor
Who throughout his life proved as real benefactor.

M. A. Soofi
B. D. S. Student
de'montmorency College of Dentistry.

Ilahi — Col. Ilahi Baksh Esq. Principal K.E.M.C.
Haq — Dr. Ahlal Haq Esq. Principal de'M.C.D.

پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی کی انگریزی نظم جوانہوں نے طالب علمی کے زمانہ بطور فرسٹ ائیر طالب علم ڈینٹل کالج لاہور ۱۹۵۲ء نے محترمہ فاطمہ جناح کے اعزاز میں تحریر کی اور سالانہ سپورٹس ڈے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پڑھی اور شائع شدہ نظم تقسیم کی گئی

مادرِ ملت کے مختصر حالاتِ زندگی

31 جولائی 1893ء میں اپنے آبائی مکان نیو نہم روڈ میں پیدا ہوئیں۔
1895ء میں اپنے والد پونجا جناح کے ہمراہ بمبئی منتقل ہو گئیں۔
1901ء میں جب آپ عمر 8 سال تھی تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔
1902ء میں آپ کو باندرہ کانونٹ بورڈنگ اسکول بمبئی میں داخل کرایا گیا۔
1906ء میں آپ کو سینٹ پیٹرک ہائی اسکول کھنڈالا میں داخل کرایا گیا۔
1910ء میں اسی سکول سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔
1913ء میں پرائیویٹ سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔
1919ء میں آپ نے ڈاکٹر احمد ڈینٹل سکول کلکتہ میں داخلہ لیا۔
1922ء میں آپ نے ڈینٹسٹری کا سرٹیفکیٹ حاصل کی۔
1923ء میں آپ نے عبدالرحمان اسٹریٹ بمبئی میں ڈینٹل کلینک کھولا۔
1929ء میں کلینک بند کر کے قائداعظم کے ہمراہ مستقل رہنے لگیں۔
1937ء میں آپ نے پہلی بار مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔
7 اگست 1947ء کو قائداعظم کے ہمراہ دہلی کو سے کراچی تشریف لے آئیں۔
مارچ 1948ء کو پہلی بار قائداعظم کے ہمراہ مشرقی پاکستان تشریف لے گئیں۔
1948ء کا بیشتر حصہ زیارت میں قائداعظم کی خدمت اور تیمارداری میں گزرا۔
28 فروری 1954ء سے مشرقی پاکستان کا طوفانی دورہ مسلم لیگ کی حمایت میں

عام انتخابات کے دوران کیا۔ وہ تقریباً دو ہفتہ تک مشرقی پاکستان میں مقیم رہیں۔
اگست 1961ء میں علاج کے سلسلہ میں دو ماہ کے لیے یورپ پر تشریف لے گئیں۔

1964ء میں صدر ایوب کے مقابلے میں صدارتی انتخابات میں حصہ لیا اور پیرانہ سالی کے باوجود ملک کے دونوں حصوں کا دورہ کیا۔

8 اور 9 جولائی 1967ء کی درمیانی شب قصر فاطمہ کلفٹن میں 74 سال کی عمر میں وفات پائی۔



محترمہ فاطمہ جناحؒ اجلاس کی صدارت کر رہی ہیں

محترمہ فاطمہ جناح کے ذاتی اوصاف

محترمہ فاطمہ جناحؒ بڑی صفائی اور نفاست پسند تھیں، خوش پوش، جسم مناسب، شخصیت میں وضع داری نرم گفتار، پر مغز سوچ، جھوٹ سے سخت نفرت، خوددار اور عزت نفس کی حفاظت کرنے والی درجہ اوّل کی خاتون تھیں۔ پردہ نہیں کرتی تھیں مگر غیر محرم مردوں سے بے تکلفی سے بات نہیں کرتی تھیں۔ تاہم قدرت کی طرف سے ذوقِ جمال کا وافر حصہ پایا تھا، گھر میں نفاست تھی اُن کو لان میں پھولوں کی کاریاں بھاتی تھیں، سٹیج پر جب تشریف لاتیں عقابی چمک آجاتی، جوانی سے تادم مرگ پاکیزہ زندگی بسر کی، زندگی بھر شادی نہ کی، بھائی کی محبت، فرمانبرداری، خلوص، چاہت، عقیدت پر سب کچھ قربان کر دیا۔ نہ سفارت کار بنیں، نہ اعلیٰ عہدہ قبول کیا، بھائی نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ یہی ان کی متاعِ حیات تھی۔ بڑوں کا ادب، احترام جزو ایمان تھا، روپیہ تھا، مگر کوئی فضول خرچی نہیں کی، روپیہ پیسہ، وقت کا اور توانائی کا ضیاع نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کو ایسی حرکت پسند تھی۔ نازک اندام تھیں۔ مگر نظم وضبط کی سختی سے پابند تھیں ان کی تربیت اعلیٰ ترین سکولوں اور ماحول میں ہوئی، وہ غلط کام اور بدکلامی، یا تکرار ناپسند کرتی تھیں۔

اُن کو انگریزی زبان پر بڑا عبور تھا۔ انہوں نے میٹرک کے بعد خود پرائیویٹ سینئر کیمرج کا امتحان پاس کیا۔ وہ ہوسٹل میں اچھی طالبہ تھیں، درسی تعلیم، ڈینٹسٹری کے فن و سائنس کے علاوہ اپنی ذات پر اعتماد سیکھا۔ وہ لطافت پسند کرتی تھیں۔ ترقی کے کاموں میں وہ گرم دمِ جستجو تھیں۔ محترمہ بڑی مہذب اور علم دوست تھیں۔ ان کی زندگی پر اسلامی اثرات تھے رہن سہن اور روزمرہ زندگی میں محتاط تھیں۔ وہ فضول خرچی سے پرہیز کرتی تھیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔اے صوفی)



قائداعظم محمد علی جناح کی باغبانی میں دلچسپی کا منظر

مادرملت محترمہ فاطمہ جناح

بچپن کے حالات

مادرملت کے آباؤ اجداد براعظم ہند کے جنوب مغربی ساحل (آنرت) کاٹھیاوار میں آباد تھے جسے ہندی زبان میں سورتھ، سوراشٹر اور کاٹھیاوار کہتے ہیں۔ اس حصہ میں زندگی کا انحصار کاشتکاری تھا، جن کو کاٹھی کہا جاتا ہے، بعد میں بنتے بگڑتے کاٹھیاوار ہوگیا کاٹھیاوار جزیرہ نما قسم کا علاقہ ہے۔

علاقہ سرسبز شاداب ہے، کھیتی باڑی کرنے سے لوگ خوشحال ہیں، صنعت وحرفت تجارت اس لیے اچھی ہے کیونکہ علاقہ میں ذرائع آمدورفت اچھی ہیں، بندرگاہوں کی وجہ سے تجارت کوفروغ تھا، دور دراز کی کشتیاں جہاز یہاں آ کرٹھہرتی تھیں۔

فاطمہ جناح کے دادا جناح پونجا بھائی کے والد ماجد پونجا میگھ گوندل اسٹیٹ کے گاؤں راجکوٹ کے پاس پانیلی میں آباد تھے، جہاں محمد علی جناح کا عقیقہ کیا گیا تھا، ان کو کاروبار میں دشواری اور خسارہ ہوا معاشی حالات آہستہ آہستہ بگڑتے گئے لہٰذا پورے خاندان نے مشورے کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا چنانچہ اپنے سارے سامان کے ساتھ کراچی کا عزم سفر کیا۔ کراچی اُن وقتوں میں آج کی طرح بڑا شہر نہ تھا آمدورفت پیدل یا بذریعہ گدھا اونٹ گاڑی ہوتی تھی، صرف کراچی بڑی بندرگاہ تھی۔ جناح پونجا اور میگھ سارا خاندان کراچی آگیا یہاں پہنچ کر کاروبار کوترتیب دیا تاہم ہرنئی جگہ



آزادی سے قبل قائداعظم محمد علی جناح کو محترمہ فاطمہ جناح اور لاہور
کے مسلم لیگی مرد وزن کارکن۔حوالہ روزنامہ جنگ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۲۔

میں کاروبار کا جمنا اتنا آسان نہیں ہوتا پھر کراچی میں برہمن تھے کاروبار صنعت و حرفت ان کے قبضے میں تھا اور سندھ میں انگریز قابض ہو رہے تھے تعلیم کم تھی جب یہ لوگ کراچی شفٹ ہوئے چار سکول تھے دو برہموں کے قبضہ میں تھے، مسلمانوں کا تعلیم کی طرف رجحان کم تھا انگریز اپنے پاؤں جما رہے تھے، اور مسلمان لڑکیاں تو سکول جاتی ہی نہیں تھیں۔ کلچر ایسا تھا کہ عورت کی تعلیم بڑا عیب اور بے حیائی سمجھی جاتی تھی۔ تاہم جب پونجا میگھ کے تمام بچے اور رشتہ دار کراچی سے واقف ہونے لگے تو سب سے چھوٹے بیٹے جینا بھائی کو تعلیم دینے کا شوق پیدا ہوا وہ تجارت سے ہٹ کر تدریس کے شعبہ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اس وقت یہ بڑی عجیب بات تھی کہ تجارتی گھر کا بچہ تعلیم و تدریس کے شعبہ کو اپنا لے۔ اور اپنی خوبی کو علم کے میدان میں بڑھائے۔ روپیہ کی لگن جینا بھائی کو زیادہ نہ تھی، وہ سوسائٹی میں مختلف کردار ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس طرف لگ گئے قدرتی امر ہے ایسے اوصاف والے شخص کی سوسائٹی میں عزت ہوتی ہے۔ ہر ایک ان سے مشورہ لیتا اور وہ صاحب علم جانے گئے۔ شادی کا وقت آیا تو ان کی شادی آغا خان کے وزیر موسیٰ جمعہ کی صاحبزادی شریں سے ہوئی وہ بھی عربی اور فارسی زبان میں مہارت رکھتی تھیں، "جینا بھائی" نے اپنے نام کو "جناح" سے بدلا۔

کراچی سندھ مدرسۃ السلام کی بنیاد **1885**ء میں رکھی گئی اسی سکول میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنی جائیداد کا **1/3** حصہ اسی سکول کے نام **1939**ء کی وصیّت میں کیا۔ سید آفندی صاحب نے اس سکول کی بنیاد رکھی جس میں جناح پونجا بھائی نے معاونت کی۔

محترمہ فاطمہ جناح 31 جولائی **1893**ء میں کراچی انہام میں پیدا ہوئیں۔ یہ کل سات بہن بھائی تھے۔ یہ سب سے چھوٹی تھیں، ان کی ولادت ان دنوں میں ہوئی، جب کہ محمد علی جناحؒ 17 سال بڑے تھے لیکن اِن لندن میں بیرسٹری کا کورس کر رہے تھے۔ ابھی فاطمہ نے دودھ پینے کی مدت ڈھائی سال مکمل نہیں کی تھی کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ گویا دو برس کی عمر میں فاطمہ شفقت ماں سے **1895**ء میں محروم ہو گئیں۔ اسی اثنا میں چھوٹی دلہن (محمد علی جناح کی پہلی بیوی) جناح بائی بھی وفات پا گئیں۔ گویا محمد علی جناحؒ کی ابتدائی

زندگی میں خاندانی حادثے ہوئے والدہ فوت ہو گئیں۔ وہ ان کا چہرہ نہ دیکھ سکے او رپہلی دلہن کو (والدہ نے کم عمری میں ان کی شادی کر دی تھی۔) اس کو دوبارہ نہ دیکھ سکے۔ فاطمہ کی پیدائش کی خوشی، ننھی کا مسکرانا، ہنسنا، حرکتیں کرنا، رینگنا، کھڑے ہونا، پھر گرنا یہ سب کچھ نہ دیکھ سکے اور چھوٹی معصوم پیاری، پیاری بہن اپنی والدہ کی گود کھو بیٹھی تھی، اس زمانے میں آمدو رفت بڑی مشکل تھی۔ اطلاع آنے جانے میں دشواری تھی۔ خط و کتابت، ٹیلی فون کی آج والی سہولتیں نہ تھیں۔ سوائے صبر وشکر اور دعاؤں کے کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔

بڑا بھائی اور بڑی بہن ہمارے معاشرہ میں بڑا مقام رکھتے ہیں، ہمارے کلچر میں بڑا بھائی ''باپ'' اور بڑی بہن آپا ''والدہ'' کی بجائے ہوتی تھیں، لہٰذا اس سلسلہ میں بڑی بہن مریم نے والدہ کا کردار ادا کیا، اور بڑے بھائی محمد علی جناحؒ نے باپ کا کردار ادا کیا فاطمہ کو تعلیم دلوانے میں مدد کی۔ بڑی بہن نے نہایت اعلیٰ طریقے سے محترمہ کی تربیت کی۔ ایسی تربیت کی اور آداب سکھائے کہ وہ نہایت شان اور سلامتی کے ساتھ مادرملت کا درجہ پا گئیں۔ بھائی نے تعلیم پر اسی لیے توجہ دی۔ ان کے وقار کو بلند کیا اور ایک وقت آیا کہ سارے پاکستان کے مرد لیڈرز صاحبان نے فیلڈ مارشل کے مقابلے میں نحیف، کمزور، دبلی پتلی خاتون کو کھڑا کیا اور وہ مکمل جمہوریت کی آواز بن گئیں۔ اس الیکشن میں اتحاد اور اعتماد ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ محترمہ کی شخصیت میں قائد اعظم کی ماہرانہ صلاحیت سے نکھار پیدا ہوا۔ محترمہ لباس کے معاملہ میں بالکل اپنے بھائی کی مانند تھیں دونوں لباس کو اہمیت دیتے تھے لباس استطاعت کے مطابق ہوتا تھا، محترمہ کے ذہن میں انتشار نام کی کوئی چیز نہ تھی، وہ نہایت عمدہ جمہوریت کے لیے ڈھال بن گئیں۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی جذبات میں سلسلہ کلام اسی طرح ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے، تو میں عرض کر رہا تھا کہ ننھی فاطمہ جب چار برس کی ہوئیں۔ ابھی والدہ کی جدائی کو دو برس ہوئے تھے کہ خوبصورت ترین بھائی لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے واپس آگئے۔ محمد علی جناح لباس میں یکتا تھے۔ شستہ عادات تھیں، عمدہ انگریزی بولتے تھے۔ سب کا حال پوچھا۔ والدہ کی علالت موت کے حقائق سے واقفیت حاصل کی اور دیگر معاملات کو

سنوارنے میں سوچ و بچار کیا، چار سال کی فاطمہ بڑی پیاری حرکتیں کرتی، کھیل کود کے علاوہ کتابیں دیکھتی تھیں ابھی فاطمہ 8 برس کی ہوئی تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا، بڑے بھائی محمد علی جناح چونکہ تعلیم کے میدان میں سرفرازی حاصل کر کے لندن سے واپس آئے تھے فاطمہ کی تعلیم کا بیڑا اٹھانے کا ذمہ لے لیا، اسی زمانے میں مسلمان مرد کی تعلیم کا اہتمام نہیں ہوتا تھا چہ جائیکہ لڑکی کی تعلیم معاشرہ لڑکیوں کی تعلیم کے حق میں نہ تھا، نہ ہی مسلمانوں کی استطاعت ہوتی تھی، کہ بچوں کو عام تعلیم دلوائیں انگریزی تعلیم لڑکیوں کے لیے مشکل کام تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم پر لوگ والدین کو طعنے دیتے تھے کہ اب بیٹی کی کمائی کھائے گا۔ عزیز و رشتہ دار سب کے سب مخالف ہو جاتے تھے، اور لڑکیاں خود بھی تعلیم کی طرف رخ نہیں کرتی تھیں۔ بس لڑکی کا کام گھر میں چولہا جلانا، روٹی اور سالن تیار کرنا شادی کر دینا اور بچے پیدا کرنا تھا۔

قائد اعظم محمد علی جناح لندن سے کئی سال کے بعد آئے انہوں نے دنیا کے اعلیٰ ترین اداروں کو دیکھا، اور عورتوں کو مردوں کے برابر تعلیم، کھیل اور کاروبارِ زندگی میں برابر حصہ لیتے ہوئے دیکھا، وہ فاطمہ سے بڑا پیار کرتے تھے، وہ سب سے چھوٹی تھی، ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت ناپید تھی، لہٰذا ینگ بیرسٹر نے بہن کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے دلیل سے، مثال سے قائل کرنا شروع کر دیا، باندرہ سکول کراچی کا اچھا سکول تھا، اس سکول کی طالبات نہایت خوبصورت کپڑے پہنتی تھیں اور صاف ستھری با اخلاق نظر آتی تھیں۔ قائد فاطمہ کو بگھی میں بٹھا کر لڑکیوں کے سکول لے جاتے۔ فاطمہ کو رغبت دلاتے، لہٰذا ایسے طریقے سے فاطمہ ہانڈی روٹی چولہے کے چکر سے نکل کھڑی ہوئیں اور انہیں کانونٹ سکول باندرہ میں 1902ء میں داخلہ دلایا گیا۔ اس سکول میں انگریزی زبان کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ تلفظ، گرائمر، وکیبلری زیادہ سکھائی جاتی، ساتھ مغربی طرز کے گھر کے طریقے، کھانے کے آداب، بات چیت کرنے چلنے پھرنے بیٹھے اٹھنے کے بتاتے جاتے۔ فاطمہ میں قدرتی نفاست موجود تھی، اور رکھ رکھاؤ میں وہ لاثانی بنتی گئیں۔ چنانچہ 1906ء میں ان کو سینٹ پیٹرک سکول کھنڈالہ میں داخلہ مل گیا اور فاطمہ نے 1910ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا،

فاطمہ کو کتاب بینی، محنت کرنے کا شوق زیادہ تھا، وہ فارغ نہیں بیٹھتی تھیں، پڑھائی میں مگن رہتی تھیں۔ چنانچہ گھر میں رہ کر پرائیویٹ طالبہ کی حیثیت سے سینئر کیمرج کا امتحان 1913ء میں پاس کرلیا۔ فاطمہ کو کتاب کی کیڑی کہا جاتا تھا۔ اپنے خاندان کی لائبریری کے علاوہ محمد علی جناح کی بے شمار کتب مختلف موضوعات پر تھیں وہ زیادہ وقت لائبریری میں گزارتی، نہ کھانا پکانے کی رغبت نہ زیادہ کھانے کا شوق، اس قدر وسیع مطالعہ ہوگیا انگریزی زبان پر ایسا عبور ہوگیا کہ ان کی انگریزی زبان کے سیاسی بیان کا عام لوگوں کے لیے ترجمہ کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ ادب اور سیاست پر برتری اور گرفت حاصل کرلی۔

خدا جانے ڈینٹسٹری کا کیسے خیال آیا؟ چنانچہ احمد ڈینٹل سکول کلکتہ میں داخلہ لیا اور ڈینٹسٹری کا کورس ختم کر کے بمبئی آئیں۔ 1923ء میں عبدالرحمٰن سٹریٹ میں ڈینٹل کلینک ترتیب دیا۔ 1929ء تک ڈینٹل سرجری کی پریکٹس کے ساتھ غریبوں کے لیے ڈینٹل کلینک دھوبی تلا ڈھیر میونسپل کلینک میں مفت علاج معالجہ کرتی رہیں۔

محترمہ کے دل میں خدمت خلق کی چنگاری پوشیدہ تھی اور وہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا چاہتی تھیں، وہ لوگوں کا نہ صرف علاج کرتی تھیں، بلکہ عورتوں کو دانتوں کی حفاظت اور تعلیم حاصل کرنے کی نصیحت بھی کرتی تھیں۔ ہمدردی کا جذبہ دل میں آخری وقت تک رہا۔ ظاہر کم کیا، مگر کام اس میدان میں بہت کیا۔ وہ اپنی ''ماں'' جیسی محبت لوگوں میں بکھیرنا چاہتی تھیں، تاکہ آسانیاں پیدا ہو جائیں اور اپنے اعلیٰ عمل سے عورتوں اور مردوں کی رہنمائی کرسکیں۔ وہ قابل رشک اس لیے تھیں کہ وہ معتدل مزاج تھیں ان میں عجز و انکساری موجود تھی، اور مسلمانوں کی مصیبتوں کو کم کرنے میں انہماک سے دلچسپی لیتیں۔ محمد علی جناح اور فاطمہ جناح سفارش کی قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے دونوں نے محنت سے فلاح پالی اور بقا والی زندگی میسر آئی۔ خدا کے کرم سے بے شمار دنیاوی آلودگیوں سے بچے رہے، وہ عاقل رہے۔ محنت کی، اللہ سے ڈرتے رہے۔ قومی خدمت اور مسلمانوں کی بھلائی ان کی ترجیحات تھیں۔ وہ مخملی مسند پر نہ بیٹھے۔ سادہ رہے اور اپنی مراد پا گئے، وہ کھانا بہت کم کھاتے جو بدن کے لیے ضروری ہوتا، صاف ستھرا کھانا پسند کرتے، آسودہ حال تھے، ہر قسم

کی آسائشیں میسر تھیں، مگر فضول خرچی نہ کی اور رقم بچا کر رفاہ عامہ کے منصوبوں میں صرف کی۔ کسی قسم کی فلک بوس، شیشے والی عمارت کھڑا کرنے کی سعی نہ کی۔

فاطمہ جناح نے ڈینٹسٹری کو پروفیشن (Profession) اس لیے بنایا تھا کہ ان کے ہاتھوں کی انگلیاں آرٹسٹ جیسی تھیں، ڈینٹسٹری میں فن تعمیر میں مہارت رکھنے والا انسان بڑا کامیاب ہوتا ہے ان کے اندر اچھے مصنوعی دانت لگانے کی خاص صلاحیت تھی اور لوگ ان سے خوش تھے۔ بچپن سے وہ بڑی عقل مند تھیں گھر سنوارنا، سجانا، اور مقصد کی وضاحت کرنا ان کا شیوہ تھا، جب بھائی پر مشکل یا دشواری کا وقت آیا، ان کی اہلیہ مریم جناح کو موت کے بعد 22 فروری 1929ء دفن کر دیا گیا، تو فاطمہ کے لیے یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی، بڑے بھائی محمد علی جناح نے پیار، اور لگن سے اپنی بہن کو تعلیم دلوائی، معاشرہ میں عزت دار بنایا۔ اب اس کی آزمائش کا وقت آ گیا کہ وہ بھائی کی مدد کرے۔ فاطمہ نے فیصلہ کر لیا کہ بھائی کے ساتھ وہ حسن سلوک کرے گی جس کے وہ مستحق ہیں ان کے گھر کو سجائے گی۔ سنبھالے گی۔

مریم جناح کی وفات کے وقت اور بعد میں محمد علی جناح سیاسی افق پر بڑے مشہور ہو چکے تھے۔ ان کو پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس نومبر 1930ء میں برطانیہ کے وزیر اعظم ریمزے میکڈونلڈ (Ramsy-Mac-Donald) نے مدعو کیا تھا۔ مسٹر گاندھی اس کانفرنس میں موجود نہ تھے۔ اس کانفرنس میں قائداعظم نے بڑا کردار ادا کیا۔ ساتھ ہی لندن میں ان کو علم ہوا کہ ان کا بمبئی کا حریف لارڈ ولنگڈن انڈیا کا وائسرائے مقرر ہو گیا، چنانچہ 21 مارچ 1931ء کو فاطمہ کی مشاورت سے محمد علی جناح روڈ (Abhay) لندن ان کے گھر گئے اور انڈیا کے مسلمانوں کا نظریہ اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں سٹینڈ (Stand) بتایا۔

لارڈ میکڈونل نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر جناح انگریز نظریات سے راؤنڈ ٹیبل میں تعاون کریں تو انہیں انڈیا کے کسی صوبے کا گورنر لگایا جا سکتا ہے۔ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ستمبر 1931ء میں ہوئی اور تیسری 1932ء میں ہوئی اس میں نہ گاندھی نے شرکت کی نہ جناح نے۔

محمد علی جناح ان دنوں لندن کے مشہور اور مہنگے علاقے ہمیسٹیڈ ہیلتھ (Hampstead Heath) میں رہائش پذیر تھے ان کے ہمراہ ہمشیرہ فاطمہ، بیٹی دینا، اور مریم کی والدہ، لیڈی پیسٹ کبھی کبھار آجاتی تھیں۔ وہ اپنی اعلیٰ زندگی گزار رہے تھے بیرسٹر جناح بڑے قابل لندن کے پریوی (Privy) کونسل کے رکن تھے، اور بڑی شاہانہ اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔

مگر محترمہ فاطمہ جناح آہستہ آہستہ بھائی کو انڈیا واپس لوٹنے کے لیے ترغیب دیتی رہیں لیاقت علی خان اور ان کی بیگم اور علامہ اقبال کے خطوط یا کچھ روحانی اشاروں کی وجہ سے محمد علی جناح اکتوبر 1935ء لندن سے واپس آ گئے اور سیاست کی پر خار زندگی میں داخل ہو گئے وہ مسلم لیگ میں شمولیت 10 اکتوبر 1933ء لندن میں کر چکے تھے، واپس آ کر ان کو مسلم لیگ کی صدارت 1938ء میں ملی۔

اب محترمہ نے سیاسی پلیٹ فارم سے بھائی کی مدد شروع کر دی اور خواتین کو مسلم لیگ میں شامل ہونے اور کام کرنے کی رغیب دینی شروع کر دی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنو 1937ء میں شریک ہوئیں یہ ان کی مسلم لیگ کے اجلاس میں پہلی شرکت تھی، چنانچہ وہ 1938ء میں بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی رکن بن گئیں یہ دور ان کی سیاسی بیداری کا تھا انگلستان میں انگریزوں کی چالاکیاں، سیاسی افکار سے واقفیت حاصل کر چکی تھیں۔ سیاسی سرگرمیوں اور محترک خیالات کی بناء پر 10 جولائی 1938ء کو بمبئی مسلم لیگ عہدیداروں کی کمیٹی کی رکن منتخب ہو گئیں جب سیاسی عمل میں ان کا کردار مزید سامنے آیا وہ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 18 اکتوبر 1938ء کو ہوا اس میں فاطمہ جناح بڑی فعال خاتون تھیں۔ ان کی کارکردگی کی وجہ سے اکثر عورتیں مسلم لیگ میں شامل ہوئیں چنانچہ فاطمہ جناح 1939ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی مستقل رکن بنیں۔

فاطمہ جناح کا بچپن میں اپنی لائبریری کا مطالعہ تھا، انگلستان کی زندگی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور بھائی کی مسلم لیگ میں شمولیت، کام، ہندو کی چالاکی نے خاتون پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ سیاسی عمل سے ہندوستان بھر کی مسلمان عورتوں کو متحرک کریں۔ فاطمہ جناح نے

ہندوستان بھر کے دورے کئے۔ مسلم لیگ کی تحریک پر بے شمار عورتوں کی کمیٹیاں تشکیل دیں مسلمان خواتین کا اس زمانے میں گھر سے باہر نکلنا سیاست میں حصے دار ہونا بڑا مشکل کام تھا رہنما نہیں چاہتے تھے کہ عورتیں سیاست میں آئیں چونکہ فاطمہ کی تعلیم اعلیٰ طریقے، ماڈرن سکولوں میں ہوئی تھی۔ ان کو ہندوستانی مسلمانوں کے نظریات، خیالات سے اختلاف تھا اب محترمہ فاطمہ جناح نے جلسوں میں خطاب شروع کیا خواتین کا ہجوم ہوتا، انہوں نے عورتوں میں جذبہ اور آزادی کی روح (سپرٹ) ایسی پیدا کی۔ کہ تین چار سال کی مسلسل محنت، کوشش سے عورتوں میں اتنی بیداری پیدا ہوگئی دو من کو (1943ء میں) آل انڈیا مسلم لیگ میں کل ہند کی بنیاد پر نمائندگی دی گئی اور ان نامزد خواتین میں محترمہ فاطمہ جناح کا اسم گرامی ان کی مقبولیت اور لیڈرشپ کی خصوصیات پر تھا۔

لہٰذا 1943ء میں محترمہ فاطمہ جناح نے دھلی کے اجلاس میں خواتین کمیٹی میں بڑی مدلل تقریر کی کہ عورتوں کو اس سیاسی عمل میں مشکلات کا سامنا ہے اور آئندہ بھی رہے گا مگر عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس تحریک میں حصہ لیں کیونکہ مسلم ہندوستان کی تعمیر میں عورتوں کے سامنے ایک وسیع میدان ہے ہم سب کا اس سے تعلق رکھنا اور اس جدوجہد میں شامل ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے فاطمہ جناح نے عورت کی برتری کا ان کو احساس دلایا کہ عورت کی وسعت نظر، شفقت اور دھیان ہی سے آج کا بچہ کل ڈھلیلی بن سکتا ہے آپ نے کہا عورت میں بڑی خوبیاں ہیں۔ لہٰذا عورتوں کو تعلیم کے میدان کے علاوہ سیاسی عمل میں حصہ لینا چاہیے اور عورتوں کو چاہیے کہ عوام میں جماعتی شعور اور سپرٹ پیدا کریں، اور اپنے رہنما کی اطاعت کریں اور ایک ہو جائیں۔

محترمہ جب سیاسی عمل میں متحرک ہوگئیں وہ سیاست کے رسم و رواج اور عوام سے تعلقات میں آگے بڑھیں۔ حکمت اور مصلحت کے ساتھ انہوں نے وہ کام شروع کیے جو عورتوں کو وقتی طور پر مائل کر سکتے تھے۔ عورتوں کا گھر سے نکلنا مشکلات کا مقابلہ کرنا عزیز رشتہ داروں کا طعن و ملامت برداشت کرنا بڑا کام تھا فاطمہ جناح نے اپنے علم اور دیانت خلوص کے اوپر قدرت رکھتے ہوئے چارہ سازی کی اور غلامی کے اندھیروں کو ختم کیا۔ چنانچہ

1944ء میں خواتین لاہور کی جانب سے مینا بازار کا افتتاح کیا اور ساتھ 1944ء میں لاہور کے انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی اور محمد علی جناح کی قیادت کی وجہ سے پنجاب اسمبلی میں انتخابات میں کامیابی حاصل کر لی اور مبارک باد وصول کی لاہور کی دو نشستیں اور پنجاب کی 89 نشستیں حاصل کر لیں محترمہ بڑی خوش لاہور آئیں۔ ان کا شاندار استقبال کیا گیا لاہور کی عورتوں میں بڑا جذبہ تھا اسی طرح 1946ء کے انتخابات میں بھی لاہور کی خواتین کو محترمہ نے خراج تحسین پیش کیا اور ان کے کام کی تعریف کی۔

محترمہ فاطمہ جناح کی اپنی ایسی جاذب شخصیت تھی کہ وہ خواتین میں بڑی مقبولیت پا چکی تھیں، کیونکہ ان کی شکل وصورت شباہت اور ذہنی مماثلت قائد سے تھی اکثر خواتین جو قائد اعظم کی ملاقات سے محروم ہو جاتی ان کا سہارا محترمہ فاطمہ جناح ہوتیں وہ بھائی سے خواتین کی ملاقات کراتیں۔

جیسا کہ میں نے قریب سے محترمہ فاطمہ جناح کو دیکھا وہ اپنے بھائی بیرسٹر محمد علی جناح کا عکس جمیل تھیں۔ گفتار، سوچ اور ذہانت میں یکساں تھیں، ان کا خلق اور قائد اعظم کا ایک جیسا تھا اور وہ بھائی کے اصولوں کا بڑی سختی سے اتباع کرتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ وہ سیاست کی صفت کمال بن گئیں کیا عظمت اور شان پائی کہ الیکشن میں سب لیڈروں نے تعظیم کرتے ہوئے فاطمہ جناح کی رہنمائی کو ایوب خان کے خلاف اعزاز سمجھا اور بڑے بڑے لیڈرز ان کو صدر پاکستان منتخب کرانے میں کوشاں ہو گئے کسی کو ندامت کا احساس نہیں ہوا کہ وہ ایک نحیف خاتون کا پیروکار بن گیا یہ محترمہ کے فکر و عمل اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ محترمہ نے جمہوریت کا راستہ سب کو دکھایا اور فیلڈ مارشل کے سامنے آ گئیں۔ ایوب خان نے دھاندلی سے ان کو ہرایا تمام سیارے، ستارے، چاند سورج زمین انسان گواہ ہیں کہ ایوب خان ہارے ہوئے تھے محترمہ جیتی ہوئی تھیں۔ محترمہ کی حفاظت آسمانوں نے کی اور دنیا کی لعنت و ملامت ایوب خان نے حاصل کی۔

3 جون 1947ء تقسیم ہند فارمولا آزادی کی تاریخ میں بڑا اہم دن ہے اس روز قائد اعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے تقسیم ہند فارمولا قبول

کرنے کا اعلان کیا۔ ساتھ شرط رکھی، کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اس کی منظوری دے گی تبؒ اور آخر میں ''پاکستان زندہ'' باد کا نعرہ پہلی بار لگایا اس دن قائد اور فاطمہ جناح بڑی خوش تھیں، دینا جناح نے اپنے والد کو مبارک باد کا خط لکھا بے شمار عورتوں نے فاطمہ جناح کو مبارک باد دی اور مادرِ ملت نے خواتین کو زبردست مبارک دی اور فرمایا۔

> ''خدا کے فضل سے ہم سب کی کوشش، مسلمانوں کی قومی جدوجہد جو گزشتہ کئی برسوں سے جاری تھی۔ اب ایک شاندار کامیاب منزل کے قریب آ پہنچی ہے اب مملکت پاکستان 15 اگست 1947ء کو قائم ہونے والی ہے، اس میں مسلم خواتین کا بڑا کردار ہے بے شمار عورتوں نے اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ ہو کر قدم اٹھائے اور منزل قریب آ پہنچی اُن سب مسلمان عورتوں کو مبارک باد دیتی ہوں جن کی قربانیوں سے ہم یہ آزادی حاصل کر پائیں گے۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے بڑے متحرک طریقے سے 1940ء، 1947ء تک قائد اعظم محمد علی جناح کے دوش بدوش تحریک آزادی میں حصہ لیا خواتین کو بیدار کیا ساتھ آپ نے قائد اعظم کی گرتی ہوئی صحت کا خیال کیا ڈاکٹروں سے مشورہ، علاج، خوراک، اپنے آرام کا خیال تک نہ تھا گویا ان کی زندگی کا محور پاکستان اور قائد اعظمؒ تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند ایک پیغام لے کر ہندوستان آئے تھے کہ ہندوستان کو جغرافیائی طور پر ایک رکھا جائے۔ 5 سے 10 اپریل 1947ء دونوں رہنماؤں کی میٹنگ ہوتی رہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کی یہی خواہش تھی کہ جناح کیبنٹ (Cabinet) مشن پلان مان جائیں اور ہندوستان ایک فیڈرل سسٹم میں آزاد ہو کر کامن ویلتھ کا رکن ہو سکے، اور جناحؒ پاکستان کی رٹ سے ہٹ جائیں۔ وائسرائے ہند اپنی ڈائری میں لکھتا ہے ''میں نے وائسرائے ااج میں مسٹر جناح اور مس فاطمہ جناح کو ڈنر پر مدعو کیا کہ کسی طرح پاکستان بنانے کی آواز نہ لگائیں مگر دونوں بڑے ذہین ہوشیار نکلے میری بیوی ایڈوانا، دونوں کو پسند کرتی تھیں۔ تبادلہ خیالات ہوا مگر دونوں اپنے نظریہ پاکستان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ

ہوئے، یہ قوت اور جرأت، یقین و ایمان کی بدولت انسان کو حاصل ہوتی ہے۔

وائسرائے کی بیٹی پامیلا نے مسٹر جناحؒ اور مس فاطمہ سے ڈنر پر ملاقات کی تاہم نہ تو میری بیوی نہ بیٹی اور نہ میں جناحؒ اور فاطمہ جناح کو پاکستان سے ہٹ جانے پر قائل کر سکے۔"

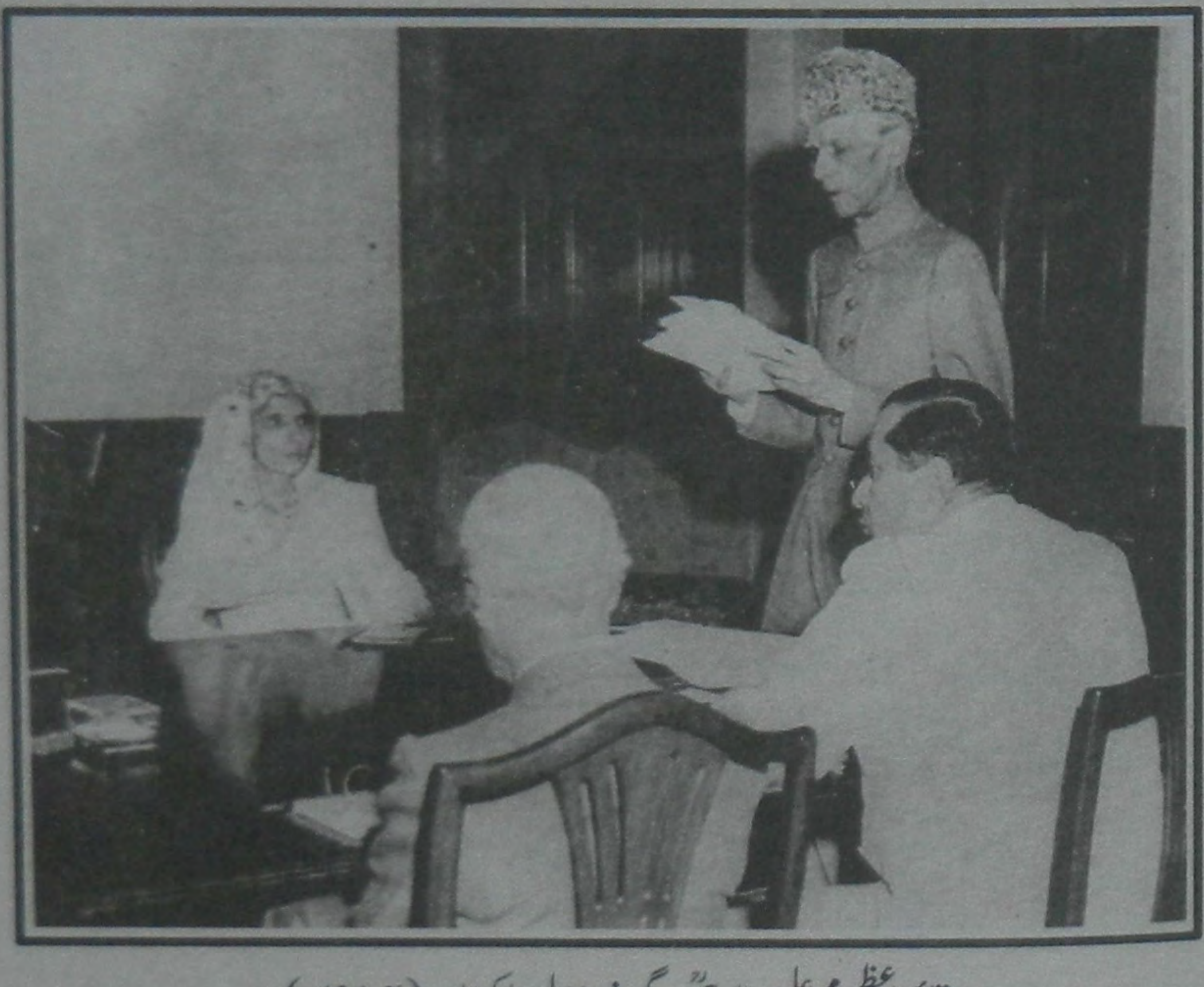
(حوالہ جناح اینڈ پاکستان قطب الدین عزیز ص 70)

محمد علی جناحؒ اور مس فاطمہ جناح کسی صورت میں ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا حصہ بننے کے لیے تیار نہ تھے ماؤنٹ بیٹن اپنی ڈائری میں تحریر کرتے ہیں اگر ہم پاکستان سکیم قبول کرتے ہیں تو بنگال اور پنجاب بھی تقسیم، اکثریت اور اقلیت کے اعتبار سے ہوگا بے شمار مشکلات کا ذکر کیا۔ مگر جناحؒ ٹس سے مس نہ ہوئے گویا قائد اعظم کو اپنے اصول و ضوابط پر قائم رکھنے میں محترمہ کا بھی بڑا حصہ ہے بہن بھائی کا مشورہ ہی آج کا پاکستان ہے۔

قائد اعظمؒ کی رفیقۂ حیات 20 فروری 1929ء کو وفات پا گئیں جس شخص نے محبت کی ہو اور اسکی بیوی بمبئی کے گلاب کے پھول سے پہچانی جاتی ہو وہ ذہین بھی تھی سوشل بھی تھی مشورہ بھی دیتی تھی ان دنوں قائد اعظم سیاست میں اُبھر رہے تھے اپنا مقام بنا رہے تھے سارے ہندوستان کی شخصیات کی نظریں اُن پر تھیں ان کے دوست اور مخالفین تقریباً سب کے سب بیرسٹرز تھے۔ ان میں منفرد مقام پانا تھا۔ مثلاً سرحد میں سر صاحب زادہ عبدالقیوم خان تھے، آغا خان تھے، مسٹر گاندھی، پٹیل، نہرو سب کے سب بیرسٹر تھے، چنانچہ 13 مارچ 1928ء سائمن کمیشن کے لیے سامنا تھا۔ 13 مارچ 1928ء کو صوبہ سرحد میں آئینی دستور اصلاحات پر گفتگو کرنی تھی۔ 22 دسمبر کل جماعتی قومی کانفرنس کو خطاب کرنا تھا۔ ان ہی دنوں مریم جناح بڑی علیل تھیں۔ پھر ملاقاتیں اور پیشہ کی مصروفیت بیگم کی وفات سے ایک ماہ قبل 28 مارچ 1928ء کو تاریخی 14 نکات پر مشتمل قرارداد پیش کی۔ اور مریم جناح کی وفات کے بعد 19 جون ہند کے اہم رہنماؤں سے ملاقاتیں۔ کچھ آسان کام نہ تھا۔ دفتری کام، تبادلہ خیالات کے لیے بڑے حوصلہ کی ضرورت تھی پھر بیوی کی وفات کے مسائل۔ لہٰذا محترمہ نے اپنے پیشہ کو قربان کرکے ان تمام واقعات میں بھائی کا حوصلہ

بڑھایا۔ مشورہ دیا، صدمہ کو کم کرنے کے لیے انکو گھریلو آرام بہم پہنچایا لہٰذا فاطمہ جناح نے 1929ء سے لے کر 1947ء تک ساتھ دیا گویا بڑی بھاری سخت، مشکل ڈیوٹی دی۔

مادر ملت فاطمہ کا ایک بڑا کارنامہ آزادی کے سفر میں یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو راغب کرتی رہی۔ کہ ہماری مستقل رہائش ہندوستان میں ہونی چاہئے چنانچہ 24 اکتوبر 1935ء کو فاطمہ جناح بھائی کے ہمراہ لندن سے واپس ہندوستان آئیں، ہندوستان کی سیاست مسلمانوں کے لیے بڑی مخدوش تھی، مسلم لیگ اتنی مسلمانوں میں مقبول نہ تھی کانگریس کا زور تھا مسلم لیگ کے ممبران نے شکر کیا کہ بیرسٹر محمد علی جناح واپس ہندوستان آگئے، چنانچہ صدارت کا بھاری بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا گیا۔ محمد علی جناح نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے چنانچہ لکھنؤ کے اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ 1937ء میں پہلی بار محترمہ فاطمہ جناح نے شرکت کی اور 1939ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی رکن بن گئیں۔



قائداعظم محمد علی جناح" گورنر جنرل پاکستان (۱۹۸۴ء)

ریڈ کراس سوسائٹی میں تقریر فرما رہے ہیں' محترمہ فاطمہ جناح تشریف فرما ہیں۔



شاہی دربار سبی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کو خطاب کر رہے ہیں اور محترمہ فاطمہ جناح بیٹھی ہیں

محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت

مادر ملت کی شخصیت میں پر وقار قسم کا نکھار تھا، ان کو دیکھ کر انسان کو تسکین میسر آتی، ان کی طبیعت میں فرحت اور خوش مزاجی تھی۔ ان کے چہرے میں ٹھہراؤ اور بارعب رہنما تھیں تاہم گھبراہٹ اور بے چینی طبیعت میں نہ تھی البتہ ڈسپلن اور اصول کے خلاف عمل سے وہ نالاں ہو جاتی تھیں۔ وہ جذبات پر قابو پا سکتی تھیں۔ اور مزاج میں گہرا پن تھا اہم بات یہ ہے کہ ان کو اپنی ذات پر اعتماد تھا وہ ترقی کے کاموں میں عزم رکھتی تھیں عمدہ مقررہ تھیں اور گہرا مطالعہ کی وجہ سے ان کی مدبرانہ صلاحیتیں بہت زیادہ تھیں جس بات کا فیصلہ کر لیتیں اس پر ڈٹ جاتیں کیونکہ اُن کا فیصلہ بڑی سوچ و بچار کے بعد ہوتا تھا یہ عادت اُنہوں نے اپنے بڑے بھائی محمد علی جناحؒ سے حاصل کی۔

اُن کو مسلمانوں کی غربت اور معاشی بدحالی پریشان کرتی تھی۔ ان کا زاویہ فکر یہ تھا۔ کہ غربت سے قومی خودداری ختم ہو جاتی ہے ناخواندگی کو کم کرنے کے لیے وہ بے تاب رہتیں۔ پست صحت جرائم میں اضافہ، غیر معیاری رہن سہن سے وہ پریشان رہتی تھیں وہ قوم کو ذہنی طور پر خود مختار اور خوشحال دیکھنا چاہتی تھیں تاہم وہ اپنی اور گھر کی تزئین میں محتاط رہتی تھیں۔

محترمہ مشرقی روایات کی حامی تھیں تاہم اچھا صاف ستھرا لباس ان کا وطیرہ یہ تھا شاید خاندانی ذوق بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ کیونکہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ اپنے زمانے کے اعلیٰ لباس کا ذوق رکھنے والے انسان تھے۔ محترمہ نے کچھ عرصہ بمبئی میں ساڑھی بھی استعمال کی۔ کئی تصاویر میں وہ ساڑھی میں ملبوس تھیں، غرارہ بھی اس زمانے کا لباس تھا بحیثیت

عورت کے زیورات پسند کرتی تھیں مگر جنون نہ تھا تاہم بعد میں سفید شلوار قمیض دوپٹہ پہننا پسند کرتی تھیں قائداعظم کی وفات پر ان کا لباس سیاہ تھا۔

قائداعظم نے 1945ء میں فلیگ سٹاف ہاؤس خریدا تھا اور دونوں بہن بھائی اسی فلیگ سٹاف ہاؤس میں رہتے تھے جب پاکستان بن گیا تو گورنر جنرل ہاؤس میں قائد شفٹ ہوئے۔ قائد کی وفات کے بعد محترمہ دوبارہ سٹاف ہاؤس آگئیں اور قائداعظمؒ نے اپنی وصیت میں یہ گھر، اشیاء اور کار بھی بہن کے نام کر دی تھیں۔ قائداعظم کی وفات کے بعد کچھ عرصہ وہ خاموش رہیں۔ کبھی کبھار اخبارات میں بیان دے دیتیں۔ صحت خراب ہونے لگی۔ 1961ء میں یورپ کا سفر علاج کے لیے کیا۔ زندگی ساری بلند کردار، اعلیٰ اوصاف سے گزاری، اُن کا مذہب سے لگاؤ اور گہرا مطالعہ تھا۔ کسی فرقے کے ساتھ انہوں نے اپنے آپ کو منسلک نہیں کیا۔

مذہبی عقیدہ

محمد جعفر پاکستان بینکنگ کونسل کے چیئرمین تھے۔ جو خود شیعہ عشری تھے اور محترمہ سے تعلقات بمبئی کے زمانے سے تھے۔ وہ 1964ء میں فلنگ سٹاف ہاؤس گئے محترمہ سے یوں بات چیت ہوئی تم شیعہ ہو، کیا تم دوران محرم ماتم کرتے ہو؟ فاطمہ جناح نے پوچھا، جواب دیا ہاں پھر جعفر نے محترمہ سے عرض کیا، آپ بھی تو پیدائشی شیعہ ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا:

> ''میں شیعہ یا سنی نہیں ہوں میں مسلمان ہوں'' پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمیں فرقہ ورانہ مذہب نہیں بلکہ مسلم مذہب دیا۔''

(قائداعظم کے خاندانی تنازع از خالد احمد۔ص 143)

اسی طرح قائداعظمؒ خود بھی مسلکی جذبات، احساسات اور عقائد سے بالاتر، ایک سچے مسلمان تھے، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ ان کے نزدیک مثالی شخصیت تھی وہ کہا کرتے تھے ایک مسلمان کے لیے قرآن زندگی کے ہر پہلو میں ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

مولانا احتشام الحق تھانوی ایک سنی عالم دین تھے انہوں نے بیان دیا 1947ء

میں عید گاہ میدان میں قائد اعظم نے عید کی نماز پڑھی۔ جو سنی عقیدہ کے مطابق ادا کی گئی اور قائد اعظم کی نماز جنازہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے پڑھائی اور کوئی رسم شیعہ مذہب کے مطابق نہیں دیکھی گئی۔

اسی طرح محمد حنیف نے بیان دیا تھا کہ قائد اعظم کے تعلقات ان کے والد صاحب سے تھے کہا کہ قائد اعظم بمبئی میں عیدین کی نماز عام مسلمانوں کے میدان میں ادا کرتے تھے جو سنی طریقہ سے پڑھائی جاتی تھی۔

عدالت میں بیان

کہ انہوں نے نہ کبھی قائد اعظم کو نہ فاطمہ جناح کو محرم کے دنوں میں کالے لباس میں دیکھا اور 1945ء کے بمبئی کے انتخابات میں قائد اعظم کے مخالف اُمیدوار شیعہ تھے اسی مرزا اختر حسین نے بھی بتایا میں نے قائد اعظم کو شیعہ مسلک کے مطابق نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور محترمہ بھی کوئی مجلس نہیں کراتی تھیں نہ شمولیت کرتی تھیں، قائد اعظم نہ تو شیعہ مسلک کے رکن تھے نہ سرپرست تھے۔

جی آلانہ کو تقریباً 10 سال تک محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ بطور پرائیویٹ سیکرٹری منسلک رہنے کا اعزاز ہے، اُنہوں نے سندھ ہائی کورٹ کی عدالت میں نمبر 11، 1968ء میں یوں بیان دیا:

محترمہ نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتی ہیں یا سنی سے ان کو بے شمار خطوط آتے تھے کہ شیعہ مسلک کی سرپرستی قبول کریں وہ ایسے خطوط پسند نہ کرتیں، رکنیت یا سرپرستی کا خط موصول ہوتا تو ان کی طبع مکدر ہو جاتی اور مجھے خط ایک طرف ڈالنے کا کہہ دیتی ''یہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟''۔

مزید کہا میرے علم میں مس فاطمہ جناح نے کبھی اہل تشیع کی طرح محرم نہیں منایا۔ قائد اعظم کی برسی پر وہ مولویوں کو بلواتیں اور ان میں اہل سنت کی تعداد زیادہ ہوتی، اہل تشیع کم ہوتے مسٹر فخر الدین کی ملاقات قائد اعظم سے 1936ء میں ہوئی اپریل 1936ء لاہور میں پہلی پارلیمانی بورڈ مسلم لیگ کی میٹنگ تھی اس میٹنگ میں قائد اعظم نے کہا:



قائداعظم محمد علی جناح محترمہ فاطمہ جناح، لیاقت علی خان ملیر چھاؤنی کراچی ۱۹۴۸ء



مشرقی پاکستان ......۱۹۶۴ء الیکشن مہم

کہ وہ اول و آخر مسلمان ہیں" میرا خیال ہے کہ فاطمہ جناح کے بھی
یہی جذبات تھے۔"

(قائداعظم کے خاندانی تاریخ از خالد احمد)

تعلیم نسواں

مادرِ ملت ہمیشہ اپنی تقریر میں رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں نوجوان بچیوں کو تلقین کرتی تھیں، تعلیم پر بڑا زور دیتی تھیں وہ ناخواندگی کو ختم کرنے کی سوچ رکھتی تھیں۔ آپ نے ہری پور پائلٹ گرلز ہائی سکول کی بنیاد 1948ء میں رکھتے ہوئے فرمایا۔ اب آپ کا سکول قائم ہو گیا، آگے بڑھو، علم حاصل کرو، اور علم اُن تک پہنچاؤ، جن کے پاس علم نہیں علم ہی سچائی کی راہ دکھاتا ہے اور اسی سے عاقبت کا راستہ ہموار ہوتا ہے علم ایک ایسی کنجی ہے جو صحرا کے دروازے کھول سکتی ہے علم تنہائی میں ساتھ دیتا ہے۔ علم مسرت کا راستہ دکھاتا ہے علم بڑا ہتھیار ہے آپ نے مزید کہا اسی علم سے ہم نے مسلمانوں کی آزادی حاصل کی اور اب ہم سب پر فرض ہے کہ ہم سماج کی فلاح و بہبود کے لیے عورتوں میں تعلیم کو عام کریں۔

محترمہ نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا قوم کی تعمیر میں عورت کا حصہ نہایت اہم ہوتا ہے کیونکہ بچہ تو عورت کی گود سے تربیت حاصل کرتا ہے اگر عورت تعلیم یافتہ ہے تو اس گھر میں نئی نسل کی تربیت اچھی ہو گی۔ آپ نے نہایت عمدہ سفید رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ اور جسم نہایت عمدہ سمارٹ تھا اُس زمانے میں سارے ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کا اہتمام نہیں تھا سرحد تو پس ماندہ خطہ زمین تھا ہماری تحصیل ہری پور میں کوئی گرلز ہائی سکول نہ تھا صرف پرائمری سکول تھے، محترمہ کو تعلیم سے بڑا لگاؤ تھا۔ آپ نے 1943ء مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن دھلی کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

تعلیم ایک اعلیٰ ترین ستون اور بنیاد ہے جس پر قوم کی تعمیر کی جا سکتی ہے آپ نے رجعت پسندانہ اور قدیم خیالات کے طلسم توڑنے کا درس دیا اور آپ نے رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق جہالت کے خلاف جہاد کرنے کا درس دیا۔

مادر ملت ہمیشہ عورتوں کو نصیحت فرماتی تھیں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے عورت کو اونچا درجہ دیا ہے اور ہماری عورتوں کے لیے قابل فخر بات یہ ہے پہلی ہستی جو رسول ﷺ پر ایمان لائیں وہ ایک خاتون تھیں۔

محترمہ عورتوں کی تعلیم کے لیے بے قرار رہتیں وہ چاہتی تھیں، گلیوں محلوں میں بچوں اور خواتین کے سکول کھولیں جائیں جہاں ان کو تعلیم دی جائے اور ایسے کام سکھائے جائیں جن سے وہ آئندہ زندگی میں اپنا پیٹ پال سکیں، دستکاری، پر آپ بڑا زور دیتی تھیں اسی طرح انہوں نے 30 جون 1949ء کو مدرسہ بنات الاسلام کا افتتاح کیا اور بعد میں اسی سکول میں تقریر کرتے ہوئے تعلیم نسواں پر زور دیا آپ نے کہا ''قوم کی ترقی میں عورتیں اس وقت حصہ لے سکتی ہیں جب وہ تعلیم یافتہ ہوں قومی ترقی کے شعبوں میں معاشرتی بہبود، طبی امداد بہبود اطفال، حفظان صحت وغیرہ میں دلچسپی لے کر وہ بڑی خوش ہوتیں جہاں کہیں نیا گرلز سکول کھولا جاتا اور فرماتیں اب سارے پاکستان میں تعلیم میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔

فکری شخصیت

محترمہ فاطمہ جناح اپنے بھائی محمد علی جناح کی طرح تعمیری ذہن رکھتی تھیں انہیں مسلمان عورتوں کو تعلیمی سماجی اور سیاسی میدان میں لانے کی فکر تھی انہوں نے دیکھا کہ مسلمان اور مسلمانوں والے علاقے تعلیم کے اعتبار سے بڑے پسماندہ ہیں چنانچہ انہوں نے عقل انسانی کو ترغیب دی، نصب العین اور مقاصد زندگی کو پیش کیا۔ مٹھی بھر عورتوں کو ساتھ لیا اور قوم کی تعمیر میں مصروف ہو گئیں۔

چنانچہ کراچی میں ایک سکول خاتون پاکستان کھولا گیا اور محترمہ نے اس سکول کو چلانے کے لیے بڑی بھاری رقم ایک لاکھ روپیہ قائداعظم سٹیٹ سے دیا جو 1962ء میں کالج کا درجہ اختیار کر گیا۔

اس وقت کراچی کے کئی ہزار سکولوں میں ٹیچرز نہیں صفائی نہیں، چار دیواری نہیں، نظام تعلیم ٹھیک نہیں، تو اس وقت کیا ہوگا محترمہ کی فکری شخصیت نے ہر طرف نئے سکول تعلیم نسواں کو فروغ دینے کے لیے کھولے۔

جب پاکستان معرض وجود میں آیا کثیر تعداد میں مہاجر اپنا وطن چھوڑ کر قتل و غارت سے بچ کر کراچی آئے مادر ملت نے 13 ستمبر 1945ء کو اپنی رہائش گاہ پر مہاجرین کی امداد کے لیے کمیٹی بنائی۔ شروع میں امداد دینے والے لوگ کم تھے مزید ورکر آ گئے۔ پھر ریلیف آفس، سٹاف لائین میں قائم ہو گیا مہاجر کیمپ میں خدمت کرنا، دُکھے ہوئے، لٹے ہوئے لوگوں کی امداد کرنا بڑا صحت مند عمل تھا۔ آپ نے پنجاب کے مہاجرین کے لیے مشرقی پنجاب کے مصیبت زدگان کے لیے 30 ہزار روپیہ بھجوایا۔ روپیہ اکٹھا کرنے کا طریقہ بھی نرالا تھا خیراتی سینما شو، مینا بازار، ورائٹی پروگرام، لہٰذا ورائٹی شو سے آمدنی پانچ ہزار روپے ہوئی ریلیف کمیٹی نے کل رقم ایک لاکھ تیس ہزار چھ سو آٹھ روپے اکٹھے کیے۔ ساتھ ہی جاڑے سے بچنے کے لیے کمبل لحاف گیارہ ہزار اکٹھے ہوئے خود آباد کاری کا کام دیکھنے کے لیے 2 نومبر 1947ء کو لاہور آئیں اور سارے کام کو دیکھا گائیڈ لائین دی اور ریڈیو پاکستان لاہور سے خطاب فرمایا:

"میں نے لاہور آ کر ان کیمپوں کا معائنہ کیا جہاں مہاجرین ہیں ہسپتالوں اور زنانہ دستکاری مراکز کا معائنہ کیا تکالیف بہت ہیں بے شمار دل ہلا دینے والی کہانیاں ہیں ان لوگوں پر بڑی مصیبت آئی ہے ہم اپنی نئی مملکت کی تاریخ کے نئے دور سے گزر رہے ہیں آیئے ہم عہد کریں کہ اس مملکت کی بقا کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔"

آپ نے مسلم صنعتی گھریلو خواتین کے لیے گورننگ باڈی مقرر کی اور بیگم محمد علی کو اس کا چیئرمین مقرر کیا اسی طرح اس فکری شخصیت نے فروری 1948ء میں مسلم خواتین انڈسٹریل ہوم کراچی کا افتتاح کیا اور دسمبر 1948ء مہاجرین کے لیے میڈیکل ڈسپنسری اور مہاجرین کے آرام کے لیے بڑے کام کیے۔

اکتوبر 1949ء میں آپ نے فرمایا: جب تک تمام بے گھر افراد آباد نہیں ہو جاتے تب تک ہمارا مقصد پورا نہیں ہو گا عین ممکن ہے ان میں سے اسلام اور پاکستان نے سچے خادم پیدا ہوں۔

شاہراہِ حیات میں کامیابی

محترمہ فاطمہ جناح اور قائداعظم ''شاہراہ حیات میں کامیاب اس لیے تھے کہ اللہ نے ان دونوں بہن بھائیوں کو عقل سلیم اور معیاری سوچ عطا کی اور ساتھ اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی محبت تھی۔ ذہانت فہم اس قدر تھی کہ وہ معاملات حل کرنے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے وہ بات کو بڑی تیزی سے سمجھ جاتے اور پختگی سے اس کا حل تلاش کرتے عاقل وہ یوں بھی تھے کہ اپنے بڑوں سے تواضع سے پیش آتے گفتگو میں کسی کو حقیر نہیں سمجھا معاشرتی آداب کو ملحوظ رکھا، خدا اور رسول ﷺ کے تعلق کو مضبوط رکھا۔ کبر و غرور سے دور رہے مزاج میں نرمی اور بلند ہمت تھے۔

قائداعظم اور محترمہ میں مثبت انداز فکر موجود تھا یہی ان کے حسن عقل کی دلیل تھی ان کا مشن تعمیر و ترقی تھا مثبت انداز فکر مایوسی سے بچاتا ہے اور مسئلہ کے حل کے لیے توانائی بخشتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے نہ ہونے والے کام یا عنصر کو پکڑ لیا ہندوستان کی تقسیم ضروری ہے ہر مشکل کا مقابلہ مثبت فکر اور قوت عمل سے، اندھیرے میں سے روشنی، پاکستان کا راستہ نکالا اور ان کے اوصاف، تعمیل، سوچ یقین محکم نے مسئلہ حل کر لیا۔

جس روز 3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا قائداعظم نے پاکستان زندہ باد آل انڈیا ریڈیو سے پہلی بار کہا دوسری صبح نور الصباح بیگم کے ہمراہ دہلی مسلم لیگ خواتین قائداعظم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے 10 اورنگ زیب روڈ پر پہنچیں کوئی پندرہ ہزار خواتین کا جلوس تھا پچاسوں سبز پرچم فضا میں لہرا رہے تھے تل دھرنے کی جگہ نہ تھی قائداعظم محترمہ فاطمہ جناح کو لے کر باہر لان میں آئے پاکستان زندہ باد کے نعرے فلک شگاف تھے کہ ایک شور مچ گیا دھلی کی خواتین ایک دوسرے سے آگے بڑھیں قائداعظم کے گلے میں پھولوں گجرے اور زری کے بے شمار ہار ڈالے۔ محبت کرنے والی بہن فاطمہ بھائی کے گلے کو پھولوں سے آزاد کرنے کے لیے ہار اتار کر ملازم کو پکڑاتیں، ہار اتنے زیادہ تھے کہ محترمہ ہار اتارتی مزید آجاتے۔

(قائداعظم چند یادیں چند ملاقاتیں از آفتاب احمد)

فاطمہ جناح نے اس قدر بھائی کا ساتھ دیا کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اتنی بڑی خوشی کا دن اتنی عورتوں کا جلوس کی شکل میں آنا بڑی بات ہے محترمہ نے عورتوں کے لیے بڑا کام کیا تھا۔ فرنٹیئر کی خواتین بھی محترمہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، آپ پشاور 1945ء میں گئیں اور مردان بھی گئیں سردار محمد اورنگ زیب خان ڈیرہ اسماعیل کے تھے وہ پہلے مسلم لیگ تھے جو وزیر اعلیٰ بنے تھے وہ 1940ء کے لاہور کے اجلاس میں موجود تھے اور سرحد سے لوگ ان کی قیادت میں قرارداد لاہور میں شریک ہوئے ان کی قائد اعظم سے خط و کتابت بھی تھی یہ پہلا موقع ہے 18 اگست 1941ء کہ قائد اعظم نے اورنگ زیب خان کو خط کا جواب دیا اور آخر میں تحریر کیا ''میری اور مس جناح کی جانب سے آپ کو سلام'' گویا مس جناح فرنٹیئر کی سیاست میں کس قدر دلچسپی لیتی تھی اور سرحد کے لوگ خواتین ان کی عزت کرتے تھے۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)



۱۹۴۶ء بمبئی قائداعظم محمد علی جناح ؒ اور محترمہ فاطمہ جناح والینگٹن پیپولین سے باہر آ رہے ہیں

تحریک پاکستان میں

فاطمہ جناح اور دیگر خواتین کا کردار

صدر آل انڈیا مسلم لیگ قائداعظمؒ محمد علی جناح نے 1938ء میں پٹنہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے سیشن میں وومن سب کمیٹی تشکیل دی اور پورے ہندوستان کی مسلم خواتین سے اپیل کی کہ وہ تمام شہروں، گاؤں میں مردوں کے شانہ بشانہ مسلم لیگ کے لیے کام کریں۔ لہٰذا قائداعظمؒ کی اس پر اثر اپیل پر ہندوستان کے مختلف حصوں میں وومن مسلم لیگ کی برانچیں قائم ہونے لگیں۔

23 مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور میں عورتوں کی سب کمیٹی بنانے کے لیے تجاویز پیش ہوئیں۔ بیگم مولانا محمد علی جوہر نے قرارداد کی تائید کی اور پاکستان کا لفظ استعمال کیا۔ اجلاس میں محترمہ فاطمہ جناح، بیگم وسیم، بیگم نواب اسماعیل خان، بیگم شاہنواز بیگم سلمیٰ تصدق حسین، لیڈی نصرت عبداللہ ہارون، بیگم حسین ملک اور لیڈی حاکم کے علاوہ بے شمار خواتین موجود تھیں۔

قرارداد لاہور کے دوسرے روز تین ہزار سے زائد عورتیں حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اکٹھی ہوگئیں۔ یہ وہ خواتین تھیں جو ہندوستان کے طول و عرض سے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے آئی تھی بیگم شاہنواز نے قائد کو مستقل مندوبین سے تعارف کروایا جن میں محترمہ فاطمہ جناح، بیگم حفیظ الدین (سوات)، لیڈی نصرت ہارون (سندھ)، بیگم اسماعیل خان (میرٹھ)، بیگم حبیب اللہ و بیگم اعجاز رسول

(لکھنؤ)، بیگم رحمٰن اور بیگم رضاء اللہ (دہلی)، مس نادر جہاں، خورشید آرا صدیق علی خان (ناگپور) اور بیگم وسیم (بلوچستان) شامل تھیں جبکہ سرحد سے اس وقت تک کوئی خاتون نہ تھی۔

بیگم محمد علی جوہر نے نہایت پر زور تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان عورتوں کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہیے اور آئندہ نسل کے لیے کام کیے جائیں۔ ہمارے مذہب اور قوم کے لیے عورتوں کی خدمات ضروری ہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور ہر ایک کی خاص ڈیوٹی ہے کہ وہ اس کی ترقی کے لے منظم ہو کر کام کریں اور تمام عورتیں جو قرار داد لاہور میں شرکت کر چکی ہیں، ان کو حالات سے آگاہی حاصل ہوئی ہے وہ جا کر اس تقریب، قائداعظمؒ کی شخصیت اور مسلم لیگ کے افکار کو اجاگر کریں تا کہ مسلمان ہندو بنیا کی چالاکی کا شکار نہ ہوں اور برطانیہ کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ بیگم محمد علی نے کہا اب وقت آ پہنچا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا علیحدہ وطن ہو جس میں وہ اپنی روایات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ اب وقت نہیں رہا کہ کانگریس سے اُمیدیں وابستہ کریں۔ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے اور مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہے جس کی قیادت نہایت فہیم، اور دیانت دار محمد علی جناح کے ہاتھ میں ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ فرنٹیئر (صوبہ سرحد) سے نوجوان طالبہ زری سرفراز اپنے باپ کے ساتھ موجود تھی۔ تاریخی تقاریر اور مسلمانوں کے جوش نے اس نوجوان خاتون کو متاثر کیا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ صوبہ شمال مغربی سرحد کی عورتوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے اور کام کرنے کے لیے ترغیب دے گی تا کہ انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل ہو اور اپنا ملک قائم ہو۔ جب نوجوان جوشیلی، ذہین اور مستحکم دماغ والی لڑکی واپس مردان گئی تو کئی خواتین اور نوجوان لڑکیوں کو ترغیب دی کہ آپ ارادہ کریں تا کہ مسلمان عورتیں بھی آزادی کی شمع کو جلانے میں حصہ دار ہوں۔ مگر صوبہ سرحد کی خواتین کے لیے ایسا عمل کرنے کے لیے مشکلات تھیں۔ صوبہ سرحد میں خواتین کا باہر نکلنا کلچرل اطوار کے خلاف تھا اور عورتوں میں تعلیم کم تھی، صوبہ سرحد میں عورتیں پردے میں ہوتی تھیں لہٰذا ان کا باہر نکلنا بڑا مشکل عمل تھا۔ دوسرا کانگریس کی وزارت تھی، عبدالجبار یعنی ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت تھی۔

ادھر قائداعظمؒ نے فاطمہ بیگم، بیگم سلمٰی تصدق حسین اور بیگم زبیدہ شاہ کو صوبہ سرحد مسلم لیگ وومن کمیٹی کی تشکیل کے لیے بھجوایا۔ ان خواتین نے پشاور کی خواتین سے ملاقات کر کے انہیں سمجھایا اور تحریک پاکستان میں حصہ لینے پر آمادہ کیا بیگم امیر احمد آل انڈیا مسلم لیگ وومن کمیٹی کی صدر اور ان کی بیٹی شیریں وہاب سیکرٹری جنرل مقرر ہو گئیں، پہلی میٹنگ میں تقریباً 30 خواتین شامل ہوئیں۔ فاطمہ بیگم جو بڑے جوشیلے انداز سے تقریر کرتی تھیں، انہوں نے خواتین سرحد سے اپیل کی کہ وہ باقی خواتین کی طرح آزادی کی شمع کو جلانے کے لیے آگے آئیں۔ لہٰذا بیگم زری سرفراز، بیگم قاضی میر احمد، شیریں وہاب، بیگم نذیر نیاز (نذیر طلا محمد)، بیگم کمال الدین نے گروپ تیار کیے اور کام کرنے لگیں۔ بیگم کمال الدین نہایت ذہین، پڑھی لکھی، تہذیب یافتہ اور مقرر خاتون تھیں۔ ایبٹ آباد اور ہری پور میں مسلم لیگ کے شعبہ خواتین کی میٹنگ ہونے لگی۔ ہری پور میں ہماری والدہ کریم جان کی دلچسپی بھی ان کے ساتھ تھی۔

اب تقریباً سارے صوبہ میں مسلم لیگ کا شعور پیدا ہو گیا۔ یکم مارچ 1942ء کو قائداعظمؒ نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے گراؤنڈ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ”مسلمانوں نے اب تک قرار داد لاہور کو قرار داد پاکستان کا نام نہیں دیا۔ مگر ہندوؤں نے قرار داد پاکستان کا شور مچایا ہے۔ لہٰذا اب مسلم لیگ کی جانب سے اعلان ہے کہ قرار داد لاہور کا نام قرارداد پاکستان ہے۔ اب کیا تھا؟ ہندوستان کے اخبارات نے اس اعلان کو شائع کیا اور طول و عرض میں ”بن کے رہے گا پاکستان“ کی صدا گونجنے لگی۔

قائداعظمؒ نے عورتوں کی کمیٹی کو خراج تحسین پیش کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ہندوستان کی خواتین نے نہایت جوش کا مظاہرہ کیا۔ لہٰذا اب قائداعظمؒ نے عورتوں کی کمیٹی کو خراج تحسین پیش کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ہندوستان کی خواتین نے نہایت جوش کا مظاہرہ کیا، لہٰذا اب قائداعظم نے محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ سارے ہندوستان کا دورہ کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے خواتین کے کئی اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اور عورتوں کو منظم ہونے کی تلقین کی۔ اگست 1942ء میں کوئٹہ کی خواتین کو جگایا۔ 1943ء میں دہلی میں مسلم

لیگ سب کمیٹی کا اجلاس قائد اعظمؒ کی صدارت میں ہوا اور فیصلہ ہوا کہ عورتوں کو آل انڈیا سطح پر نمائندگی دے دی جائے تا کہ تمام بڑی جید خواتین کی جو سب کمیٹی پٹنہ میں تشکیل ہوئی تھی وہ موجود تھی اور پنجاب سے بیگم عبدالعزیز، فاطمہ بیگم، سلمیٰ تصدق حسین اور بیگم رحمان کی کمیٹی تشکیل ہوئی۔

صوبہ سرحد سے بیگم شیریں وہاب، بیگم کمال الدین شامل کی گئیں۔ مسلم لیگ کے پاس اتنے فنڈز تو نہ تھے۔ لہٰذا بیگم زری سرفراز نے سرحد خواتین مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے لیے اپنی طرف سے کافی رقم امداد کے لیے پیش کی۔ 1945ء کے لگ بھگ عورتوں کی نیشنل گارڈز تیار ہو گئی، بہت ساری بچیاں یتیم ہو گئیں لہٰذا بہار میں ریلیف فنڈز بھجوائے گئے اور سرحد کی عورتوں نے بھی فنڈز دیئے۔ خان عبدالقیوم خان نے محمد یوسف خان خٹک کی قیادت میں ورکر بہار بھجوائے۔ بیگم زری سرفراز انچارج سرحد مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے تین ہزار روپیہ، کمبل اور دیگر سامان قائد اعظمؒ کو مردان کی جانب سے بھجوایا۔

بیگم زری سرفراز نے ساتھ ہی قائد اعظمؒ کو تحریر کیا کہ یہ تحفہ مردان کی خواتین کی جانب سے ہے اور ہم بہار کی فسادات میں مسلمان عورتوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ کی قیادت ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ جلد ہی ہمارے صوبہ سرحد میں پاکستان کا ہلالی پرچم لہرائے گا۔ ہمارے صوبہ کی عورتوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر ہم اس سے قبل مر بھی جائیں تو ہماری روح اور بہتا ہوا خون بھی پاکستان کا لہراتا ہوا جھنڈا دیکھیں گے۔

قائد اعظمؒ نے نوجوان خاتون کو اپنے خط مورخہ 20 دسمبر 1946ء میں پاکستان کے لیے جذبات کا شکریہ ادا کیا۔ قائدؒ نے ایمان، اتحاد، تنظیم پر زور دیا کہ خواتین ان پر عمل کریں اور ساتھ یقین دلایا کہ پاکستان کا مقصد حاصل ہونے کے قریب تر ہے۔ اس دوران عورتوں کے لیے شعراء نے کلام تحریر کیا مثلاً مسرت جہاں صدیقی نے 1946ء کے الیکشن کے قریب عورتوں کو یوں مخاطب کیا!

کہو اور مسلم عورتو اور کہتے چلو
ہم پاکستان حاصل کریں گے۔

پاکستان حاصل کریں گے۔
ہماری بہنو، خدارا جاگو، خوابیدہ مت رہو
اب قوم پر مشکل وقت آ پہنچا، ہر طرف طوفان آ پہنچا
ہم پاکستان پائیں گے پاکستان پائیں گے
او مسلم خواتین اپنا حوصلہ پیدا کرو۔ یہ امداد کا وقت ہے
باہر آئیں شاندار وقت ہے ہم پاکستان حاصل کریں
پاکستان ہمارا مرکز۔ پاکستان ہمارا گھر۔ پاکستان ہماری شان
ہم سب کو جان سے عزیز جب یہ بن جائے گا
ہم پاکستان بنائیں گے۔

اور اسی طرح کی کئی نظمیں تحریر ہوئیں۔

1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگی خواتین کی ہندوستان بھر میں کامیابی

سنٹرل اسمبلی

کل نشستیں مسلمانوں کی 30 مقرر تھیں۔ سنٹرل اسمبلی میں عورتوں کی نشست نہ تھی لہٰذا مسلم لیگ نے ساری مسلم نشستیں جیت لیں۔

یو پی اسمبلی

کل نشستیں 60 تھیں، ایک ایک دیہی آبادی اور اربن وومن سیٹ تھی۔ مسلم لیگ نے 54 نشستیں حاصل کیں۔ دیہی سیٹ پر بیگم محمد علی بلا مقابلہ منتخب ہوئیں اور تیسری سیٹ پر خواتین میں مقابلہ ہوا جو کہ نیشنلسٹ نے جیت لی۔

نام امیدوار	جماعت	ووٹوں کی تعداد
بیگم عبدالواحد	(نیشلسٹ)	4321
بیگم شاہد حسین	(آزاد)	2023
بیگم منظور احمد	(مسلم لیگ)	1900

اڑیسہ اسمبلی

کل 30 نشستیں اور شہری آبادی کے لیے ایک خاتون نشست تھی۔ مسلم لیگ نے ساری نشستیں حاصل کیں۔ عورتوں کی سیٹ پر بیگم خدیجہ شفیع طیب جی بلا مقابلہ منتخب ہو گئیں۔

بہار اسمبلی

40 مسلم نشستیں اور ایک سیٹ شہری خواتین کے لیے تھی۔ 34 نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں اور عورتوں کی سیٹ بھی مسلم لیگ کی نمائندہ امیدوار بیگم زہرہ نے حاصل کی۔

مدراس اسمبلی

39 ٹوٹل مسلم نشستیں تھیں، مسلم لیگ نے سب پر فتح حاصل کی۔ ایک شہری نشست بیگم سلطان امیر الدین نے حاصل کر لی۔

سی پی اسمبلی

14 مسلم نشستیں تھیں جن میں سے مسلم لیگ نے 13 حاصل کر لیں جبکہ عورتوں کی نشست کوئی نہ تھی۔

پنجاب اسمبلی

عورتوں کی دو نشستیں تھیں۔ ٹوٹل 86 مسلم نشستوں میں سے 73 نشستیں مسلم لیگ نے حاصل کیں۔ ایک بیرونی عورت کی سیٹ تھی وہ بھی مسلم لیگ نے حاصل کر لی۔ تین امیدوار تھیں۔

نام امیدوار	جماعت	ووٹوں کی تعداد
بیگم شاہنواز	(مسلم لیگ)	2282
خورشید بیگم	(احرار)	72
زینب لطیف	(آزاد)	1

دو خواتین امیدوار اندرون شہر سے تھیں۔ بیگم سلمیٰ تصدق حسین (مسلم لیگ)

2073 ووٹ لے کر کامیاب قرار پائیں جبکہ باجی رشیدہ لطیف (آزاد) 536 ووٹ لے کر ہار گئیں۔

آسام اسمبلی

34 مسلم نشستیں تھیں، ایک شہری آبادی کے لیے عورت کی مخصوص نشست تھی۔ مسلم لیگ نے 26 نشستیں حاصل کیں۔ شہری آبادی کی نشست سے مسلم لیگ کی بیگم جنوبائی غلام آلا نہ جیت گئیں۔

سرحد اسمبلی

38 مسلم نشستیں تھیں 17 مسلم لیگ اور 21 کانگریس نے حاصل کیں جبکہ عوروں کی کوئی نشست نہ تھی۔

بنگال اسمبلی

ٹوٹل مسلم نشستیں 119 تھیں، 112 مسلم لیگ نے حاصل کر لیں۔ عورتوں کی نشست حسن آراء بیگم نے شہری آبادی سے حاصل کی جبکہ دیہی نشست سے بیگم انور بلا مقابلہ منتخب ہوگئیں۔

گو کہ 1946ء میں عورتوں کی نشستیں بہت کم تھیں پھر بھی عورتوں نے بڑا کردار ادا کیا اور قائد اعظمؒ کے مصمم ارادہ، نیت اور حوصلے نے 1946ء میں اپنی نشستیں حاصل کیں اور قیام پاکستان کی راہ ہموار ہوئی۔

1946ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر جناب محمد علی جناحؒ نے نومنتخب ممبران اسمبلی کا کنونشن منعقد کیا۔ کیونکہ سارے ہندوستان میں مسلم لیگ نے تقریباً 90فیصد سے زیادہ مسلم سیٹوں پر کانگریس کو شکست دی۔ لہٰذا 7/8 اپریل کو دہلی میں اینگلو عربک کالج میں بڑی چہل پہل کے ساتھ کنونشن منعقد ہوا۔ تاکہ لوگ اپنے اپنے خیالات سے آگاہ کریں۔

عورتوں کے لیے مخصوص راستہ اور بیٹھنے کی جگہ ایسے تزئین کی گئی کہ وہ میٹنگ کی کارروائی کو آسانی سے دیکھ سکیں۔ پہلے سیشن کی صدارت قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے کی۔

محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ جونہی قائد اعظمؒ داخل ہوئے ''نعرہ تکبیر، قائد اعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، ہم لے کے رہیں گے پاکستان'' کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

اسی طرح قابلِ احترام بیگم محمد علی جوہر، بیگم شاہنواز، بیگم ایاز رسول بھی موجود تھیں۔ نواب زادہ لیاقت علی خان سیکرٹری مسلم لیگ سٹیج سیکرٹری تھے۔ سبجیکٹ کمیٹی کی میٹنگ 8اپریل کو ہوئی جس میں بیگم شاہنواز، بیگم ایاز رسول (یو پی) نے خیالات کا اظہار کیا۔ تمام عورتوں نے اپنی تقاریر میں قائدؒ کی قیادت پر یقین اور اپنے مضبوط ارادوں کا ذکر کیا۔ آخری سیشن میں قائدؒ نے خطاب کیا اور زری سرفراز کی قیادت میں سرحد کی عورتوں نے قائدؒ سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ صوبہ سرحد کی عورتیں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ہیں اور ہر ایک قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ قائدؒ نے تسلی کا اظہار کیا۔

صوبہ سرحد میں کانگریس کی وزارت تھی۔ ڈاکٹر خان صاحب (عبدالجبار خان) وزیر اعلیٰ تھے۔ کانگریس نے سرحد اسمبلی کی 38 نشستوں میں سے 21 حاصل کی تھیں اور 17 نشستیں مسلم لیگ نے جیتی تھیں۔ 17 میں سے 10 سیٹیں ضلع ہزارہ کی تھیں وار باقی 7 سیٹیں ضلع پشاور، مردان، کوہاٹ، بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان سے تھیں گویا ہزارہ مسلم لیگ کا گڑھ تھا۔

ڈاکٹر خان صاحب نے الیکشن میں ہندو ایشر داس سے مل کر انتخابات کو متاثر کیا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب مسلم لیگ اور قائد اعظمؒ کے بڑے خلاف تھے۔ وہ غصہ کرتے تھے اور مسلم لیگ کے ورکروں سے سختی برتتے تھے۔ لوگ بڑے تنگ تھے۔ اکثر مسلم لیگ کے ورکرز اور لیڈر جیلوں میں بند کر دیئے جاتے۔

لہٰذا 28 فروری 1947ء کو ڈاکٹر خان صاحب کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔ سارے صوبہ میں بڑے بڑے جلسوں، جلوسوں کا اہتمام، بڑے بڑے جھنڈے، ایک قافلہ، ایک زور، ایک جوانی کصورت میں ہر چھوٹے بڑے شہر سے نکلنے لگے۔ ہم ہری پور سے بڑ بڑے جلوس نکالتے۔ کانگریس وزارت کے خلاف نعرے لگاتے۔

پولیس پکڑ کر لے جاتی اور دور دراز ویران جگہ پر چھوڑ دیتی کہ جیل میں جگہ نہ تھی۔ کبھی جیل لے جاتی، کبھی کسی جگہ۔ مرد، عورتیں اور بچے سب بیدار ہو چکے تھے۔

13 مارچ کو بیگم کمال الدین کی اعانت میں عورتوں نے جلوس کا اہتمام کیا۔ یہ فیصلہ بیگم آغا سردار علی خان کی رہائش گاہ پر ہوا۔ عورتوں کے اجلاس کے دوران چیئر مین بیگم کمال الدین نے خواتین سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا ''عورتوں کے لیے جہاد کا وقت آن پہنچا ہے۔ آپ گھروں سے باہر آئیں اور آزادی کے سفر میں شریک ہوں۔'' چنانچہ عورتوں نے مصمم ارادہ کر لیا اور ہر جگہ برقعہ پوش عورتیں موجود تھیں۔ فرنٹیر میں عورتوں کا گھروں سے باپردہ باہر نکلنا بڑا مشکل مسئلہ ہے کیونکہ سرحد کے لوگ عورت کو اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی عزت سڑکوں پر جلوس کی شکل میں آئے۔ مگر جذبۂ ایمانی عورتوں میں بیدار ہو گیا۔ وہ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر ہر جگہ چھپ کر میٹنگ کرتیں اور پھر جلوس کی صورت میں باہر آ جاتیں۔ ان برگزیدہ خواتین کی بدولت کوئی پانچ سو کے لگ بھگ عورتوں نے پشاور میں جلوس نکالا۔ لوگوں نے قائدؒ کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی ماؤں، بہنوں اور بیویوں کے جلوس پر حکومت نے سختی کی۔ ان پر لاٹھی چارج کیا، آنسو گیس کے شیل پھینکے اور سول انتظامیہ کی مدد کے لیے فوج کو طلب کر لیا۔ یہ رویہ آل انڈیا کانگریس پارٹی کی لیڈر شپ کا عورتوں کے لیے تھا جو جمہوریت پسند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عورتوں نے نعرہ لگایا۔

''بن کے رہے گا پاکستان۔ بٹ کے رہے گا ہندوستان۔''

جلوس پر لاٹھی چارج کے بعد عورتیں ریلوے سٹیشن اور اردگرد جگہوں پر بکھر گئیں۔ اس وقت پشاور ریلوے سٹیشن پر بمبئی ایکسپریس تیار تھی۔ عورتیں پٹری پر بیٹھ گئیں اور کانگریس گورنمنٹ کے آرڈر پر ریلوے ٹرین عورتوں پر چلا دی گئی۔ اس سانحہ میں 46 عورتیں شدید زخمی ہو گئیں۔ کئی ایک کی پسلیاں ٹوٹ گئیں، ٹانگیں اور بازو زخمی ہوئے۔ بیگم نذیر نیاز (طلا محمد) حسن آرا بہادر خواتین تھیں جنہوں نے سیکرٹریٹ پشاور کی چھت پر جا کر یونین جیک جھنڈا اتارا اور مسلم لیگ کا جھنڈا ہوا میں لہرایا۔

سرحد کی عورتوں کا یہ جذبہ سارے ضلعوں میں تھا۔ ہمارے ہاں ہری پور میں حکیم

چغتائی کی دختر ان بیگم جلیل، بیگم سیٹھ عبدالحمید نے جلوس کا اہتمام کیا۔ ہمارے محلہ کی، ہماری رشتہ دار عورتیں باہر نکلیں اور مظاہرہ میں شرکت کی۔ یہ قائد اعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت کا نتیجہ تھا۔ لہٰذا صوبہ سرحد کی خواتین نے ثابت کر دیا کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی جدوجہد کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے پاکستان حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بے شمار عورتوں نے اپنے زیورات مسلم لیگ کی نذر کیے اور اپنے بچوں کو کردار ادا کرنے کے لیے کھلی چھٹی دے دی۔

اگر ہمیں والد یا والدہ روکتے اور کسی جلسے میں نہ جانے دیتے، تو نہ ہم نعرے لگاتے نہ ہماری عورتیں باہر آتیں۔ لہٰذا ہمارا نعرہ تھا ''مسلم لیگ ہے تو مسلم لیگ میں آ'' بے شمار مرد و زن شامل ہوئے۔ عورتیں گھروں میں بچوں کو سبز کپڑے کے جھنڈے بنا کر دیتیں اور نعرہ بتاتیں۔ جب ہمارا جلوس نکلتا تو ہماری والدہ چھت پر چڑھ کر دیکھتیں، شاباش دیتیں اور دعا کرتیں۔ صوبہ سرحد کی عورتوں نے دھیمے دھیمے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور سرحد پاکستان میں شامل ہوا۔ الحمد اللہ! گویا سرحد کا پاکستان میں شامل ہونا عورتوں کا بھی مرہون منت ہے۔

حوالہ

☆ پاکستان ریزولیوشن ریوائزڈ، نیشنل انسٹی ٹیوٹ اینڈ ہسٹاریکل کلچر پاکستان اسلام آباد 1992ء

☆ پاکستان موومنٹ اور خواتین وومن ....سلطانہ بخش

☆ پاکستان کی نامور خواتین پشاور...........عزیز جاوید 1992ء

☆ تحریکِ پاکستان میں خواتین کا کردار......بیگم سلمیٰ تصدق حسین

☆ تحریک پاکستان اور ہماری خواتین......نور الصباح 1970ء

محترمہ فاطمہ جناحؒ کی سماجی زندگی

محترمہ فاطمہ جناح کے رفاہِ عامہ اور سماجی کام اتنے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے، گویا وہ عوام کو غربت، بیماری اور بے علمی سے نجات دلانا چاہتی تھیں، محترمہ لوگوں کی طرح طرح کی تکالیف، غربت، جہالت، اعصابی کمزوری، مایوسی کو مٹانا چاہتی تھیں وہ ایک اچھا ماحول شفاف حالات کی متمنی تھیں انہوں دولت اکٹھی کرنے سے دامن بچا کر رکھا تھا وہ بچوں، بڑوں کی کی تکالیف کو بہت محسوس کرتی تھیں انہوں نے تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں پر ہندوؤں کے ظلم و ستم دیکھے، لرزہ خیز خون ریزی ان کے سامنے ہوئی جو قلم سے بیان کرنا مشکل ہے۔ ہندو کی غلامی سے وہ نجات حاصل کرنے کے لیے دن رات قائد کے ساتھ کام کرتی رہیں۔

کشمیری بھائیوں کی امداد

کشمیر کی جنگ میں لا تعداد انسان مارے گئے گھر جلائے گئے عورتوں کی بے حرمتی ہوئی راقم خود کشمیر کی جنگ 1948ء میں بطور دسویں کلاس طالبعلم کے محاذ پر تھا اپنی آنکھوں سے تحصیل باغ، ریاست پونچھ کے گاؤں تباہ دیکھے عورتوں کی جنسی بے حرمتی کی کہانیاں اور دیگر دردناک حالات دیکھے لہٰذا محترمہ نے 5 نومبر 1948ء کو کشمیری بھائیوں کے لیے اپیل کی کہ وہ کمبل، رضائیاں عطیہ دیں تاکہ مہاجرین کشمیر کی امداد ہو سکے، چنانچہ 8 دسمبر 1948ء کو گوردھن داس مارکیٹ کلاتھ مرچنٹ کراچی نے کشمیر فنڈ کے لیے دو لاکھ روپے



قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان ہمراہ محترمہ فاطمہ جناح
آزادی کی تقریب میں تشریف لا رہے ہیں۔ راجہ غضنفر علی خان ساتھ ہیں



سماجی تقریب
آل انڈیا مسلم لیگ ورکرز قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ہمراہ نوابزادہ لیاقت علی خان،
سردار عبدالرب نشتر، اسماعیل چندریگر، رعنا لیاقت علی خان/ محترمہ فاطمہ جناحؒ، راجہ غضنفر علی خان و دیگر کارکن

اکٹھے کیے اور مادر ملت کی خدمت میں 14 دسمبر 1948ء کو پیش کیے یہ انکی عزت تھی جب وہ قوم کو آواز دیتیں قوم جواباً حکم کی تعمیل کرتی وہ کشمیر کی آزادی کے لیے تڑپ رہی تھیں کیونکہ آخری ایام زیارت میں قائداعظم کشمیر کی بات کرتے تھے۔

چنانچہ آپ نے 24 مئی 1949ء کو کشمیری محاذ پر مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ہم اس وقت تک ہرگز چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہم کشمیر حاصل نہ کرلیں۔"

قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا شہ رگ کے بغیر کیسے پاکستان رہ سکتا ہے مادر ملت نے قائداعظم کی وفات کے بعد ہمیشہ کشمیر کی آزادی کے لیے آواز اٹھائی۔ ۱۱ ستمبر 1950ء کو اپنے بیان میں کشمیر کی آزادی پر زور دیا۔

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے نومبر 1948ء کو ارشاد فرمایا تھا "آج سب کی آنکھیں کشمیر پر لگی ہوئی ہیں جہاں کے عوام اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے سخت مصائب کا سامنا کر رہے ہیں۔ قائداعظم خود آخری دنوں میں زیارت کے مقام پر کشمیر کے باشندوں کے مصائب کا ذکر کرتے تھے، اور خوبصورت سرزمین کی آزادی کے لیے کوشاں تھے، وہ کشمیر کی آزادی کو عزیز رکھتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ کشمیریوں کا حق ان کو ملے اور کشمیر کے لوگوں کو فیصلہ کرنے کی اجازت ہو کہ وہ اپنی مرضی کا اظہار کر سکیں کہ آیا وہ ہندوستان کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔

بچوں کی بہبود

محترمہ کے دل میں بچوں کی فلاح و بہبود بڑی اہمیت کی حامل تھی وہ کہتی تھیں کہ صحت مند بچے ہی اچھا معاشرہ بنا سکتے ہیں بچے مستقبل کے منصوبے ہیں اور عمدہ سوسائٹی نظام چلانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو جائیں اور باصلاحیت بن جائیں سوسائٹی ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے وہ ایک عمدہ ممتاز معاشرہ چاہتی تھیں جہاں کے اساتذہ، وکلاء، مصنف، جج صاحبان، انسانی حقوق کا خیال کریں وہ چاہتی تھی، کہ مہذب سوسائٹی تیار کی جائے بچوں کے ساتھ رواداری اور تربیت پر ان کا زور تھا اور بچوں کو غربت کے خوف سے نجات دلانا چاہتی تھیں ان کی سوچ صاف تھی کہ وطن کی تعمیر میں، خوشحالی میں

سب نے مل کر بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے کام کرنا ہے۔

چنانچہ مادر ملت نے بہبود اطفال کے لیے تین ضروریات پر زور دیا ایک مرکزی بہبود اطفال ہونی چاہیے زچہ خانے ہونے چاہئیں اور نوخیز بچوں کے مراکز ہونے چاہئیں یہ آپ نے نیشنل کمیٹی برائے اطفال کو 28 فروری 1948ء کو کہا کیونکہ شرح اموات زچہ بچہ بہت زیادہ تھی۔ آپ نے بہبود اطفال کے لیے چندہ جمع کرنے کی اپیل 24 مئی 1948ء کو کی اور ہر شخص سے کہا کہ وہ اپنی آمدنی سے کچھ نہ کچھ رقم چندہ دے تاکہ بدنصیب بچوں کے لیے فنڈز اکٹھے کیے جائیں اور ان بچوں پر خرچ کیے جائیں محترمہ ان بچوں کے لیے تڑپتی تھی جن کو ہندوؤں کے ہاتھوں دردناک مصائب سے دوچار ہونا پڑا کسی کا ہاتھ کٹ گیا کسی کی آنکھ نکال دی گئی کسی کی ماں غائب تھی کسی کا باپ نہ تھا ان اطفال کے لیے محترمہ نے 10 جنوری 1949ء ہفتہ اطفال منایا اور لوگوں سے اپیل کی کہ ہمیں چاہیے کہ ان بچوں کی نشوونما کے لیے بہتر سے بہتر کام کریں یہ بڑی قومی خدمت ہے نونہالوں کے لیے ان کا عقیدہ بڑا پختہ اور حقیقت پسندانہ تھا بچے خاندان کے فرد تھے خاندان لٹ گئے لوٹ مار منظم طریقے سے کی گئی اب ان بچوں کو ہسپتالوں میں سہولت ملنی چاہئے اور سکولوں میں تعلیم کا بندوبست ہونا لازم ہے جن کے والدین بہن بھائیوں کا پاکستان کے لیے خون بے دردی سے بہایا گیا ہو۔ ان کی لرزہ خیز داستانیں اور مظالم سننے چاہئیں۔ جو قتل و غارت کا شکار ہوئے تاکہ دل تڑپ جائیں، ہر فرد کو احساس ہو۔ کہ اب ان کو محبت اور اچھے سلوک کی ضرورت ہے ایک تنظیم کے ذریعہ ان کی مدد کی جائے خوش اخلاقی سکھائی جائے توحید اور رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات سکھائی جائیں۔

انسداد تپ دق

جب پاکستان معرض وجود میں آیا اس وقت تپ دق کا موذی مرض موجود تھا علاج معالجہ، ڈاکٹر اور ادویات ناپید تھیں لوگ ہلکے ہلکے بخار، کمزوری میں مبتلا ہوتے اور کھانستے کھانستے دوسروں لوگوں کو بیماری سے دوچار کرتے، موت کے منہ میں چلے جاتے کوئی پرسان حال نہ تھا حتیٰ کہ قائداعظم جیسے باشعور، تعلیم یافتہ، خوشحال انسان اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور پاکستان کے بن جانے کے ایک سال بعد وہ ہم سے جدا ہو گئے محترمہ

نے پاکستان بننے کے بعد انسداد تپ دق کانفرنس کا افتتاح 12 دسمبر 1947ء لاہور میں کیا۔ کیونکہ اس وقت ڈاکٹر ریاض علی شاہ میو ہسپتال میں چسٹ سپیشلسٹ پروفیسر تھے۔

آپ نے ڈاکٹروں سے اپیل کی کہ پاکستان ایسا ہونا چاہئے جو تپ دق کے مرض سے پاک ہو جس میں صحت مند اور خوشحال لوگ بستے ہوں آپ نے طب کے شعبہ کی افادیت اور ضرورت پر بڑا ضرور دیا۔ بغیر ڈاکٹروں، نرسوں، سٹاف، ادویات فارمیسی کے کیسے ممکن ہے کہ علاج یا حفاظتی امور پر عمل کیا جا سکے آپ نے 28 مارچ 1948ء ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا پاکستان کو بڑی تعداد میں سماجی کارکنوں اہلکاروں، لیڈی ڈاکٹرز نرسوں کی ضرورت ہے جب پاکستان بنا تو مغربی پاکستان میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور، دو میڈیکل کراچی اور ڈھاکہ میڈیکل کالج تھا اسی طرح ڈینٹسٹری کی تعلیم ناپید تھی۔ تعلیمی ادارے بہت کم تھے۔

نرسنگ پیشہ

محترمہ فاطمہ جناح نے خود ڈینٹسٹری کی تعلیم حاصل کی اور اس کی اہمیت کو سمجھا اس کے ساتھ (آلائیڈ) مضامین اور میڈیسن کی افادیت کا احساس کرتے ہوئے ہر مرد و زن کو اس طرف راغب کیا اس زمانے میں امراض بے شمار تھے معالج، نرسز کم تھیں، زیادہ تر معالج انگریز، ہندو اور سکھ تھے نرسز تو بہت کم تھیں زیادہ تر نرسنگ پیشہ میں اینگلو انڈین اور دیگر غیر مسلم خواتین تھیں نرسنگ کا پیشہ بڑا خدمت کا جذبہ چاہتا تھا پاکستان سے قبل اور بعد میں مسلمان لڑکیاں اس طرف کم تھیں میڈیکل فیلڈ میں بھی شاذ و نادر لیڈی ڈاکٹر مسلمان ہوئیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد ہمارے ساتھ ڈینٹل کالج میں دو خواتین، 56-1952ء میں پڑھتی تھیں اسی طرح کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کی کلینیکل میڈیسن کلاس میں دو لیڈی ڈاکٹرز تھیں 1948ء میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج کا اجراء پروفیسر شجاعت علی نے کیا چند لڑکیاں داخل ہونے آئیں ڈاکٹر پروفیسر شجاعت علی مرحوم محلوں میں جاتے جہاں کہیں این ایس سی لڑکی تھرڈ ڈویژن میں ہی میسر آتی اسے سمجھا کر داخل کر لیتے مسلمان لڑکیاں تعلیم کی طرف بہت کم آتی تھیں والدین نہیں پڑھاتے تھے لوگ طعنہ دیتے تھے کہ اب لڑکیوں کی تعلیم سے روزگار کمائے گا نرسنگ پیشہ میں تو مسلمان لڑکی کا آ جانا گالی کے برابر تھا حالانکہ

یہ پیشہ انسانیت کی خدمت کرنے کا بڑا ذریعہ ہے چنانچہ اس کو محسوس کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناح نے اس تعصب کے خلاف جنگ شروع کی۔

آپ نے جنوری 1949ء میٹرنٹی ہوم کراچی کے افتتاح پر ایک بڑی پر مغز تقریر فرمائی آپ نے فرمایا ''نرسنگ ایک شریفانہ اور معزز پیشہ ہے اس اعزاز کو حاصل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں اپنی عوام کی مدد کا جذبہ موجود ہے یہ خدمت انسانیت کے اس مشن کی تکمیل بھی ہے جس پر ہمارے مذہب اسلام نے بہت زور دیا ہے الحاصل ہمیں پاکستان میں نرسنگ کے خلاف ذرا سا بھی متعصب نہیں ہونا چاہئے۔

گویا انہوں نے اسلام کی تبلیغ کتنے اچھے اخلاق سے کی کہ ترقی یافتہ اور مہذب و پاکیزہ معاشرے کی بچیاں نرسنگ پیشہ اپناتی ہیں اور اہل وطن کے بیمار مرد و زن بچوں کی صحت کے عمل میں مدد کرتی ہیں جس سے قوم کی صحت اچھی ہو گی صحت اچھی ہو گی تو خوشحالی آئے گی ان کے لیے خواتین اور بچے امید کی کرن تھے ان کا منشور خوشحالی اور صحت مند پاکستان تھا۔

وہ کوئی منطقی فلاسفر، یا فلسفہ کی ماہر نہ تھیں وہ سماج کی الجھنیں سلجھاتی تھیں تاکہ پست ماندگی دور ہو جائے ان کا ہر عمل سوچ تخیل رفعت کی جانب تھا وہ جہالت کے خلاف تھیں خدا نے ان کو سوچ ایسی عطا کی کہ وہ دنیاوی عیش و عشرت سے ناواقف تھیں ان کو بھلائی کے کاموں میں خوشی ہوتی حدیث مبارک ہے۔

''خیر الناس من ینفع الناس'' بہتر لوگ وہ ہیں جو دوسرے لوگوں کی بھلائی کا سوچتے ہیں ان کے تصور تخیل میں بھلائی و رہنمائی ہوتی ہے لہٰذا مادر ملت کا وصف اور عمل دوسروں کی خدمت کرنا تھا۔

میڈیکل پیشہ سے محبت

جہاں کہیں میڈیکل فیلڈ میں ترقی ہونی ہوتی محترمہ اس کی افتتاحی تقریب سے خطاب فرماتیں، ہمارے زمانے 56-1952ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں میڈیسن اور سرجری کی وارڈ تھیں سرجری کے پروفیسر تمام آپریشن خود ہی کیا کرتے تھے آرتھوپیڈک شعبہ تقریباً 1964ء میں جناب محمد ایوب خان نے تیار کیا تھا۔ گردوں کی سرجری بعد میں آئی

شعبہ آنکھ ناک اور گلہ کے لیے ایک پروفیسر تھا بچوں کے امراض کی علیحدہ ٹریننگ نہ تھی پروفیسر واسطی صاحب شاید 1961ء میں شعبہ اطفال کا آوٹ ڈور بنایا جلد اور امراض مخصوصہ ایک علیحدہ شعبہ تھا پروفیسر ڈاکٹر غلام شبیر باہر سے ایم آر سی پی کر کے میو ہسپتال آئے تو آوٹ ڈور میں علیحدہ میڈیکل آفیسر امراض جلد 1962ء کے بعد قائم کیا گویا سارے کام فزیشن اور سرجن کرتے تھے معالجین کم تھے۔ اکثر ڈسٹرکٹ یا تحصیل میں صرف ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہوتے، یہی لوگ آپریشن کرتے، میڈیکل سرجیکل اور بچوں کے امراض کا علاج کرتے۔

مادرِ ملت کوشاں تھیں کہ کسی طرح معالج، نرسز تیار کیے جائیں عورت گھر کی چار دیواری سے باہر آئے اور فن میڈیسن سرجری نرسنگ حاصل کرے تاکہ مرض کے خلاف جنگ لڑی جا سکے۔

چنانچہ 22 جنوری 1949ء سینٹی ٹوریم دیکھا اور سینٹی ٹوریم کی ترقی کے لیے تجاویز پیش کیں اور امداد کا طریقہ طے کیا 3 دسمبر 1949ء کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں نمائش کا افتتاح کیا، اور 15 جنوری 1950ء لیڈیز کلب حیدر آباد کو میڈیکل فیلڈ میں آنے کی دعوت دی مادرِ ملت نے پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی کے سالانہ عشائیہ میں ڈاکٹروں کو دیہات میں جانے کی ترغیب دی کیونکہ دیہات میں ڈاکٹر بالکل ناپید ہیں آپ کو تعجب ہو گا کہ میری اہلیہ 66-1964ء تک سبی/زیارت میں واحد لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ جو آپریشن سے لے کر وارڈ، بچوں کی پیدائش پیچیدہ اور غیر پیچیدہ امراض کی ماہر معالج تھیں میں واحد ڈینٹل سرجن تھا جب مجھے انگلستان سکالر شپ پر جانے کا موقع ملا تو ان کا تبادلہ میری جائے پیدائش تحصیل ہری پور (جواب ضلع ہو گیا ہے) ہو گیا 68-1966ء تک وہ واحد لیڈی ڈاکٹرز تھیں جو سب کام کرتی تھیں، عموماً اس وقت بھی رورل سنٹرز اور دور دراز علاقوں میں نہ تو میڈیکل ڈاکٹرز اور نہ ہی لیڈی ڈاکٹرز ہوتے تھے۔ لوگ ڈاکٹروں کو ترستے تھے اس وقت مادرِ ملت گاؤں کے بہن بھائیوں اور بچوں کی تکلیف سے آگاہ تھیں۔

آپ نے ہومیو پیتھک یونانی علاج اور تعلیم کو فنی تعلیم تعبیر کیا گویا وہ سراپا دکھی انسانیت کے دکھ کو دور کرنا چاہتی تھیں میرے نزدیک محترمہ ایک اونچے پایہ کی سوشل ریفارمر تھیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)



۱۹۵۵ء پہلی مجلس عاملہ کمیٹی ویسٹ پاکستان تپ دق ایسوسی ایشن

صدر ڈاکٹر ریاض علی شاہ دائیں سے بائیں سرپرست اعلیٰ محترمہ فاطمہ جناح حوالہ تصویری خبرنامہ لاہور ڈسٹرکٹ ٹی بی ایسوسی ایشن



۱۹۵۷ء ٹی بی ایسوسی ایشن نسبت روڈ لاہور کی رسم افتتاح کے موقع پر چیئرمین ڈاکٹر شفیق الرحمٰن خان
سے کلینک کی کارکردگی پر مادر ملت گفتگو کر رہی ہیں۔ ساتھ ڈاکٹر ریاض علی شاہ کھڑے ہیں

محترمہ فاطمہ جناح کا تپ دق کے خلاف کردار

مادر ملت بڑی شفیق قدروں کی مالکہ تھیں، ان کو دوسروں کے دکھ کم کرنے میں مسرت آتی تھی۔ اور رضا کارانہ انداز سے وہ غریبوں، بیماروں کا شدت سے احساس رکھتی تھیں۔ اور ایسی انجمنوں کی مالی اعانت کے علاوہ سرپرستی فرماتی تھیں۔ وہ انسان دوست تھیں اور اس طرح انہوں نے سماجی بہبود کے کاموں مں منفرد خدمات سرانجام دیں۔ جہاں کہیں سے مدد کی آواز آتی، یا جو ان کو ڈھونڈتا وہ بغیر دیر کے ان راستوں پر آجاتیں اور ایک متبرک آواز بن کر لوگوں کے رنج وغم کو دور کر دیتیں۔

برصغیر ہند کے مسلمانوں، مردوں اور عورتوں کی ملی، سماجی، معاشرتی تنظیموں کی رہنمائی فرماتیں اور ایسے فلاحی کاموں اور منصوبوں کو سہارا دیتیں، کفالت، بے سہارا عورتوں کی کرتی رہتیں، اور وہ لوگوں کے غموں میں برابر کی شریک ہوتیں۔ غم زدہ کو تسکین کا سبق سکھاتیں اور لوگوں سے دعائیں لیتیں۔

جن کے دامن میں دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں
ان غریبوں کی دعاؤں میں اثر بھی چاہیے

لاہور میں چند سابق تپ دق کے مریضوں نے ایک مہم کا آغاز 25 ستمبر 1955ء کے قریب میو ہسپتال ٹی بی وارڈ سے کیا اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب ماہر امراض

سینہ و تپ دق میو ہسپتال پہلے صدر ہوئے، اور تپ دق کے خلاف مہم کا آغاز کیا اس مہم میں راقم متکلم تھرڈ ایئر اور میڈیکل طالب علم خالد فورتھ ایئر شامل ہوئے محترمہ کو دعوت سرپرستی دی گئی۔ آپ نے سر پرستی قبول کی اور نفس نفیس خود نومبر 1957ء لاہور تشریف لائیں۔ ٹی بی سپیشلسٹ ویلفیئر ایسوسی ایشن لاہور کے سرکردہ ممبران کے ساتھ تصویر کھنچائی اور اس کام کو مزید بڑھانے کا مشورہ دیا اور ساتھ پانچ ہزار روپیہ عطیہ عنایت کیا اور قابل تحسین مشوروں سے نوازا۔

اس وقت میڈیکل ریلیف کمیٹی کے چیئرمین ڈاکٹر شفیق الرحمٰن خان تھے۔ وہ دل محمد روڈ پر پرائیویٹ پریکٹیشنر تھے، آپ چیسٹ کلینک پر تشریف لائیں، عملہ کے ساتھ گفتگو کی ڈاکٹر ریاض علی شاہ معالج قائد اعظم ساتھ تھے، تو لوگ آپ کے دیدار کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ کی شخصیت پر اثر جاذب نظر تھی۔ آپ اراکین انجمن چوہدری عبدالحمید، محمد اکرم منہاس، مسٹر زاہد علی خان، مسٹر اکبر کھوکھر، شیخ بشیر احمد، مسٹر جمیل قریشی، حافظ محمد حنیف، مسٹر اشفاق مسٹر اسلم ملک، مسٹر عبدالرحمٰن، اکرم ڈار کے ساتھ گروپ فوٹو بنوایا۔ یہی لوگ تھے جن کو تپ دق سے میو ہسپتال کی وارڈ سے فائدہ ہوا اور انجمن کی تشکیل کی۔ یہ ایسا منظر تھا، کہ سارے لوگ جذبات سے معمور تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر اے اعوان شامل ہوئے اور ہم ساتھ رہے۔ عبدالحمید خان دستی، اس وقت مغربی پاکستان کے وزیر صحت تھے وہ سرپرست چنے گئے۔ شروع میں ایسوسی ایشن کے پاس دفتر نہ تھا۔ میو ہسپتال کے لان میں میٹنگ ہوا کرتی تھی۔ بعد میں کرنل الٰہی بخش پرنسپل کنگ ایڈورڈ کالج کی چھٹی کے بعد پروفیسر نے کمرہ میں میٹنگ کی اجازت دی۔

دوسری بار محترمہ فاطمہ جناح 1959ء میں تپ دق سیمینار کے افتتاح کے لیے کنگ ایڈورڈ کالج میں تشریف لائیں اور آپ (نیشنل ٹیوبرکلوسز) قومی تپ دق ایسوسی ایشن کی سرپرست اعلیٰ ہوئیں اور اپ نے 25000 روپیہ قومی تپ دق ایسوسی ایشن کو دیا ساتھ ایک پیغام دیا۔ اس وقت کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طلباء اور سماجی کارکنوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ نے اس ایسوسی ایشن کے اکابرین

کی حوصلہ افزائی کی۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ تپ دق کے خلاف جہاد لاہور سے شروع ہو چکا ہے، اور اس کے متحرک ممبر سابق تپ دق کے مریض ہیں اور ان کو ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی قیادت حاصل ہے اور یہ تحریک ایک مکمل قومی سطح کی ہو چکی ہے۔ کام کریں، کام کریں، کام کریں۔ تپ دق کے مریضوں کی بہبود اور علاج میں دلچسپی لیں۔ آپ بہت عمدہ قسم کی خدمت سر انجام دے رہیں ہیں۔ اللہ آپ کو جزا دے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے کہ آپ ایک بڑے کار آمد، ذہین ڈاکٹر کی سربراہی میں نیک کام کر رہے ہیں۔ تپ دق ایسوی ایشن کے ارکان کی مخلصانہ کاوش مشعل راہ ہے، کہ آپ لوگوں کے دکھ درد اور غموں کو دور کر رہے ہیں۔ لہٰذا مادر ملت کی سرپرستی میں قابل تحسین کام ہوتے رہے۔

آخری بار محترمہ فاطمہ جناح تپ دق ایسوی ایشن کے دفتر اور وارڈ کے افتتاح کے لیے 1961ء میں لاہور تشریف لائیں۔ تپ دق ایسوی ایشن نے زمین کرنل بشیر حسین سید سے اچھرہ شمع سینما کے قریب خریدی تھی تا کہ دفتر قائم کیا جائے۔ اس وقت اچھرہ ایک بستی تھی، شمع سینما کے پاس سب کی سب زمین کاشتکاری کے لیے تھی۔ کچھ لوگوں نے تعاون کا وعدہ کیا تھا کہ دفتر تیار کرنے میں مالی مدد کریں گے۔ وہ اقدام نہ ہو سکے۔ لہٰذا تپ دق ایسوی ایشن نے یہ جگہ فروخت کر کے گلبرگ میں جگہ خرید کر دفتر بنا لیا۔

جب محترمہ اچھرہ تشریف لائیں راقم موجود تھا، محترمہ کا چہرہ روشن، لباس عمدہ، وقت مقررہ پر تشریف لائیں۔ جس جگہ پتھر رکھنا تھا، وہ کھیت قسم کی جگہ تھی، ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب، ڈاکٹر اے ایچ اعوان، ڈاکٹر مسز اعوان اور ارکان موجود تھے، محترمہ نے پتھر رکھا، دعا کی اور کہا کام کریں، یہ کار خیر ہے، اور بڑی دولت ہے، یہ انسانیت کی بڑی خدمت ہے اور مریض اور آپ کے درمیان بڑا مضبوط رشتہ ہے۔ آپ حوصلے سے کام کریں، پھر مشکلات پر قابو پا لیں گے۔ دوسروں کے دکھ کا احساس بڑا سرمایہ حیات ہے اور تپ دق کے مریضوں کو سہولت پہنچانا بڑا ثواب ہے۔

تقسیم ہند سے قبل تپ دق، ملیریا بہت زیادہ تھی۔ ہر گھر میں تپ دق کا مریض موجود ہوتا اگر وہ مرجاتا تو کم از کم سات مریض پیچھے چھوڑ دیتا۔ مسلمان زیادہ مریض تھے۔ مسلمانوں کی مالی حالت کمزور تھی، خوراک کم تھی، ماحول تنگ تھے، لہٰذا اس مرض کا ڈیرہ

غریب گھروں میں عام تھا، کہا جاتا ہے کہ تپ دق غریبوں کی دوست ہے۔ اس کا حملہ غریب لوگوں پر ہوتا ہے۔ اگر امیر کے گھر داخل ہو جائے تو اسے بھی غریب کر دیتا ہے۔ تپ دق کے پھیلنے کے دو طریقے تھے۔ حیوانی دودھ یا جانور، اور انسانوں سے، یہ تپ دق کا جرثومہ، سانس کے ذریعہ انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے اس کا سرمایہ، یا پھیلنے کی جگہ پھیپھڑے ہوتے ہیں۔ اگر چیک نہ کیا جائے تو مرض بڑھتا جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔

1955/56ء میں راقم پڑھائی کے دوران اس مہم میں شامل ہو گیا اور میٹنگ میں شرکت کرتا، اصل میں ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب کے ہاں میکلوڈ روڈ پر گھر پر میٹنگ ہوتی۔ اس میں امجد ریاض کے ساتھ راقم اور خالد میڈیکل سٹوڈنٹ شرکت کرتے لہٰذا شاہ صاحب نے ہمیں بھی ٹی بی ایسوسی ایشن میں شامل کر لیا۔ راقم اس مرض کے خلاف جہاد سے اتنا متاثر ہوا کہ گریجوایشن ڈینٹل سرجری کرنے (1956ء) کے بعد ویسٹ پاکستان ٹی بی سپیشلسٹ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے سارے ویسٹ پاکستان آرگنائز اور ساتھ انجوکیٹر چنے گئے۔ میرا کام ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر سے ملنا، بار میں تقریر کرنا، سکولوں کالجوں میں تھوک کے خلاف مہم جاری کرنا تھا۔

اتفاق سے وزیر صحت خداداد خان مغربی پاکستان جو ہزارہ کے رہنے والے تھے تحریک پاکستان میں وہ میری خدمات سے واقف تھے۔ انہوں نے جب اخبارات میں تپ دق مہم کے بارے، میں میری تقریروں کو پڑھا تو آپ بڑے متاثر ہوئے۔ مجھے بلایا کہ برخودار ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب نے تپ دق میں نام کمایا۔ رمضان علی سید نے آنکھ کے علاج میں نام کمایا، تم ڈینٹل سرجن ہو تم ڈینٹل سرجری میں نام پیدا کرو، ہم نے کہا فاطمہ جناح بھی تو ڈینٹسٹ تھیں۔ وہ تپ دق ایسوسی ایشن کی سرپرست اعلیٰ ہیں وہ ہماری سرپرستی کرتی رہتی ہیں۔ انہوں نے کہا بھائی وہ قائداعظم کی عظیم بہن ہیں، انہوں نے پاکستان کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ آپ پہلے نام پیدا کریں۔ پھر یہ کام کریں، کیونکہ تپ دق ہر سال کئی ہزار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے، اور ہر سال کئی ہزار لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ٹی بی مہم کے دوران عید کے موقع پر ٹکٹ تپ دق کے بیچے جاتے ہیں جگہ جگہ تھوکنے کی عادت کے خلاف تقریریں کرتے، عام لوگوں کو مفت علاج دیا جاتا، اشتہار لگائے

جاتے، تپ دق ہمارا قومی دشمن ہے۔

تپ دق ایک جرثومے ماکیروبٹیو برکلوبیز (MTB) (Mycobactrium
Tuber Closis) کے ذریعہ پھیلتی ہے۔ گویا مرض کا یہ جرثومہ بیماری کا باعث ہوتا ہے۔ اگر جسم کی مدافعت، میربان کے دفاعی نظام میں مخالف جرثومی حملہ ناطاقتی کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ تو انسان بیمار پڑ جاتا ہے، اس جرثومے کی تشخیص ماہر پیتھالوجسٹ خورد بین کی مدد سے میڈیکل لیبارٹری میں کرتا ہے، ایکسریز مزید تشخیص میں علاج میں بڑی مدد دیتی ہے، اس مرض کا علاج جدید اینٹی بائیوٹک اور اینٹی تپ دق ادویات سے کامیابی سے کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی مریض کی قوت مدافعت کو بڑھایا جاتا ہے۔ تاہم آج کل ٹی بی کے بیکٹریا (جرثومے) کے خلاف قوت مزاحمت پیدا ہوگئی ہے۔ دوائیاں بے اثر ہوتی جارہی ہیں تاہم سائنسدان امریکہ میں مصروف عمل ہیں کہ راز معلوم کریں کہ ٹی بی بیکٹریا اپنے اندر دواؤں کے خلاف قوت مزاحمت کیسے پیدا کرتا ہے۔ ڈی این اے بیکٹیریل (D N A
Bacterial) خامروں (Enzymes) کے ذریعہ درستگی بحال کی جا سکتی ہے۔ اس خطرناک اور متعدی بیماری نے سابق صدر امریکہ کے دو بھائیوں کو لقمۂ اجل کیا تھا۔ ہمارے قائد اس مرض سے ہم سے جدا ہوئے، لہٰذا اس بیماری کے علم، پھیلنے کی وجوہات، روکنے کی ترکیبیں اور علاج میں محترمہ بڑی دلچسپی لیتی تھیں۔ پرانے زمانے میں امراض قلب، ذیابیطس، کینسر، اور ایڈز نہیں تھے یا تشخیص ناپید تھی۔ اس وقت طاعون، ملیریا، تپ دق انسانی دشمن تھے اور محترمہ کی دلچسپی ان بیماریوں کی روک تھام کے لیے عیاں تھیں۔ اس بیماری کے علاوہ آپ کو زچگی کے دوران ہلاک ہونے والی خواتین کی بڑی فکر لاحق رہتی۔ اس مرض سے دوران حمل بے شمار پیچیدگیاں پیدا ہوئیں بے شمار عورتیں مر جاتی، بچے رہ جاتے، اس زمانے میں صحت کی سہولتیں ناپید تھیں۔ اضلاع کے اضلاع میں بنیادی مراکز طب کے نہ تھے۔ بیماریوں سے بچاؤ کیسے ممکن تھا۔

لہٰذا محترمہ کی خدمات صحت کے میدان میں بڑی تعداد میں ہیں۔ آپ کو انسانیت سے لگاؤ تھا۔ ابھی تک لوگوں کے لیے طبی سہولتیں ناکافی ہیں۔ ڈاکٹرز اور نرسیں، ہسپتال ناکافی ہیں۔ کلینیکل سروسز اور تدریسی مراکز کم ہیں، لہٰذا محترمہ کی غرض یہ تھی کہ کسی طرح حفاظتی اعتبار سے تپ دق کو روکا جائے۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)

DENTAL HEALTH WEEK FROM TOMORROW

Miss Fatima Jinnah's message

۱۴ نومبر ۱۹۵۴ء ڈینٹل ہیلتھ کے موقع پر
محترمہ فاطمہ جناح نے ایک اہم پیغام دیا
"کسی قسم کا ہیلتھ پروگرام اس وقت تک
مکمل نہیں ہوسکتا۔ جب تک ڈینٹل ہیلتھ
اس میں شامل نہ ہو

اسی ہفتہ دن کے دوران ایم اے
صوفی سیکرٹری جنرل ڈینٹل سٹوڈنٹس
یونین اردو نے مضمون نویسی میں
اول اور سیکنڈ انگریزی انعام حاصل کیا

Miss Fatima Jinnah has, in a message for the Dental Health Week, stressed the importance of dental hygiene. "No health programme is complete that does not include the dental phase" she says in her message.

The Dental Health Week will be observed by the Pakistan Dental Association from November 14 to 20, 1954. An exhibition will be held at the Punjab Dental Hospital where cinema shows have also been arranged for November 15 and 16.

The week will be inaugurated at the Punjab Dental Hospital by the Chief Justice of Pakistan, Mr Mohammad Munir, on November 14 at 3-30 p.m.

Result of essay competition:

The Pakistan Dental Association has announced the result of the essay competition held in connection with the Dental Health Week.

Miss Nargis Parveen, a student of the Lahore College for Women, has been awarded a special prize of Rs. [illegible] for the best essay. Mr. M. A. Sofi, Dentistry College, and [illegible], Government College, Montgomery, have won the first and second prizes in the Urdu essays for college students. The winners in English essays are Miss Salma Tareen (Kinnaird College, Lahore), Muzaffar Mahmood Qureshi (Village Ghondna, Gujrat) and M. A. Sofi (Dentistry College).

The first and second prizes for school students have been awarded to Miss Mahmooda Abbas (Government Girls' High School, Chauburji, Lahore), and Tariq Mian (Islamia High School, [illegible] Gate, Lahore).

The prizes will be distributed by the Chief Justice of Pakistan at the inauguration of the Dental Health Week, on November 14, 1954.

فاطمہ جناح نے ڈینٹیسٹری پیشہ طب کیوں اختیار کیا؟

اگر ہم محترمہ فاطمہ جناح کی حیات پر ایک نظر ڈالیں تو آپ 31 جولائی 1893ء میں کراچی میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی جناح پونجا تھا۔ آپ دو برس کی عمر میں اپنی ماں کی شفقت، اور محبت سے محروم ہو گئیں۔ محمد علی جناح ان کے بڑے بھائی لندن میں قانون کی تعلیم بیرسٹری کر رہے تھے۔ فاطمہ جناح کی پرورش اسلامی ماحول میں گھر میں ہوئی۔ والد بڑے محسن اور محبت کرنے والے تھے، ان کا وہ بہت خیال کرتے تھے فاطمہ جناح بچپن میں بڑی پیاری تھیں اور معصومانہ عادات سب کو بھاتی تھیں۔ ان کا بچپنا، اٹھنا کھڑا ہونا، پھر گرنا، سنبھلنا، ہاتھ پاؤں سے چلنا، بھاگنا سب کو اچھا لگتا تھا۔ وہ چھوٹی تھیں والدہ کی محبت سے محروم ہو چکی تھیں۔ سب لوگ فاطمہ کو بڑی محبت سے دیکھتے تھے۔ جب ذرا بڑی ہوئیں تو آپ کو پرائمری سکول میں ڈال دیا۔ 8 برس کی تھیں کہ والد انتقال کر گئے۔ اتنے میں محمد علی جناح بیرسٹر ہو کر آ گئے۔ اس قسم کے ماحول اور ذاتی تجربات اور محرومی نے ان کے دل و دماغ میں ہمدردی انسان کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اس زمانے میں ماڈرن طب یا میڈیسن نا پید تھی، تاہم بنیادی مسئلہ ان کے ذہن میں ایک اصول بن کر چھا گیا کہ انسانی زندگی کو بچانا ہی اصلاح ہے۔

بڑے شفیق بھائی محمد علی جناح لندن جانے سے قبل ہی اسلامی روایات سندھ مدرسہ اسلام کی تعلیم و تربیت سے آشنا تھے۔ ان کو تعلیم کا بڑا شوق تھا۔ بیرسٹری کر کے واپس آئے بہن کی تعلیم پر توجہ دی۔ اعلیٰ اور معیاری سکول کانونٹ میں داخلہ حاصل کیا۔ اس سے

قبل بمبئی کے کئی سکولوں میں داخلہ لیا۔ میٹرک 1910ء میں کیا اور سینئر کیمبرج 1917ء میں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح کی انگریزی زبان بڑی مضبوط تھی اور ان کے سیاسی بیان جب آتے تو اخبارات میں ترجمہ کرنا دشوار ہو جاتا۔

طبیعت میں بے چینی رہی۔ ان کے ذہن میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگی، مسلمانوں کی زبوں حالی، علاج معالجے کی کمی، زچہ و بچہ کی اموات اور دیگر طبی سہولتیں نہ تھیں۔ ان کو اپنی صلاحیت کو کمیونٹی ویلفیئر میں استعمال کرنا مقصود تھا۔ طبی تربیت گاہیں ماڈرن میڈیسن میں نہ تھیں۔ ہر جگہ ایلو پیتھک سسٹم کی ٹیچنگ کم تھی۔ مثلاً کنگ ایڈورڈ میڈیکل لاہور کا 1860ء میں معرضِ وجود میں آیا۔ ڈی مورنسی کالج آف ڈینٹیسٹری لاہور 1934ء میں تیار ہوا۔ بمبئی میں ایسی تعلیمی درسگاہیں نہ تھی، لہٰذا انہوں نے کلکتہ احمد ڈینٹل سکول پرائیویٹ ادارے میں ڈینٹیسٹری سیکھنے کے لیے 1922ء میں داخلہ لیا اور کورس پاس کر کے ڈینٹیسٹ ہو گئیں۔

پس منظر

انڈیا کی طبی تعلیم کی کیفیت

ایوروویدک سسٹم آف میڈیسن انڈیا کا مقدر تھا، چونکہ آبادی زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ ہندو اس سسٹم آف میڈیسن کو اپناتے تھے، ہندو مذہب کا یقین ہے کہ یہ قدرت کا طریق علاج ہے اور طریق علاج دیسی ہے۔ اس علاج میں دریائے گنگا کا غسل (اشنان) صحت کا روحانی ذریعہ علاج ہے۔ جب ہندوستان میں مسلمان وارد ہوئے انہوں نے یونانی سسٹم کا استعمال کیا۔ اس وقت یونانی علاج کے سکول دھلی، آگرہ اور حیدر آباد میں تھے۔ جب انگریز آئے، یہ سسٹم آہستہ آہستہ مدھم ہو گئے۔ برہمن کا علاج مشہور تھا، مگر آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا۔ آبادی کم تھی۔ مگر شرح اموات بہت زیادہ تھیں۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے پاؤں ہندوستان میں جما لیے۔ بنگال پر قبضہ 1753ء میں کر لیا مغربی حصہ پر قبضہ 1848ء میں کیا۔ باقی ہندوستان پر برٹش کا قبضہ ان

ادوار کے درمیان ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1666ء میں ہسپتال چند جگہ کھولے تا کہ کمپنی کے ملازمین کا علاج کیا جا سکے۔ 18 ویں صدی کے آخر میں کلکتہ میں پہلا ہسپتال انڈین کے علاج کے لیے ایلوپیتھک سسٹم کا قائم کیا۔ اس وقت کے رجسٹر سے پتہ چلتا ہے 1794ء میں 115 انڈین مریضوں کا علاج کیا گیا۔ جن میں 101 آؤٹ ڈور تھے۔ صرف چار مریضوں کو داخلہ میسر آیا۔ اگلے سال 218 مریض دیکھے گئے اور 1803ء میں 4433 مریض دیکھے گئے۔ اسی طرح بمبئی اور مدراس میں 1800ء کے قریب انگریزی طرز کے ہسپتال کھولے گئے جوں جوں انڈین کو اس سسٹم کا پتہ چلتا وہ آتے جاتے۔ آرام جلدی آتا تھا۔ لہٰذا لوگ پرانے سسٹم کو چھوڑ کر نئے سسٹم کی طرف راغب ہو گئے۔ ڈھاکہ میں مفصل ہسپتال 1804ء میں قائم ہوا قریباً 1840ء تک کئی ہسپتال کھل گئے 1822ء میں ویسٹرن میڈیسن کے میڈیکل سکول کلکتہ میں اور مدراس میں 1827ء میں کھلے یہ سکول نہایت محدود سطح کے تھے۔ مقامی زبان میں تعلیم دی جاتی۔ اس وقت اردو زبان، بنگال میں بھی عام تھی، اور کلکتہ میڈیکل کالج 1835ء میں قائم ہو گیا۔ انسانی جسم کی ڈائی سیکشن کرنے سے بڑا شور برپا ہوا بعد میں مدارس لاہور میں میڈیکل کالج تعمیر ہوئے ویکسی نیشن شروع ہوئی اور پہلا سینٹری کمشنر 1880ء میں بنگال، مدراس، بمبئی، پنجاب، سرحد اور اودھ میں مقرر ہوا۔ 1814ء میں سینٹری پالیسی بنائی گئی۔[1]

1935ء میں زیادہ اموات پیچش اور اسہال، ہیضہ، پلیگ، چیچک، پھیپھڑوں کے امراض دیگر بخار سے ہوتی تھیں۔ مقامی سطح پر نہ تو صفائی کا اہتمام تھا نہ خوراک نہ صاف پانی، شرح پیدائش بہت زیادہ، شرح اموات زیادہ، کم عمری کی شادی، نشہ افیون اور چرس، زچہ بچہ کی دیکھ بھال کا اہتمام نہ تھا۔

تمام امراض اور بخار کے علاوہ اس زمانے میں ہندوستان میں تپ دق عام تھی۔ کچھ کا خیال تھا کہ تپ دق شہر کی بیماری ہے۔ دیہاتی جو شہر میں کام کرتے ہیں۔ اسے دیہات میں ساتھ لے جاتے ہیں۔ گاؤں اور شہر میں پردہ تھا، لہٰذا اس مرض کو عورتوں میں پھیلنے کا

1۔ سوشل سروس ان انڈیا 1938ء ص 189-181

موقع زیادہ میسر آیا۔ اس مرض کے جرثومے مائیکروسکوپ کے ذریعہ رابرٹ کوش (Koch) نے 1880ء میں دریافت کیا۔ اکثر یہ جرثومہ سانس لینے سے انسانی جسم میں داخل ہو کر پھیپھڑوں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ دوسرے انسان کے تھوک کے ذریعہ صحت مند انسان میں داخل ہو جاتا ہے۔

چونکہ اس وقت میڈیکل کی تعلیم عام نہ تھی لہٰذا محترمہ کو ڈینٹسٹری کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے احمد کلکتہ ڈینٹل سکول سے سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور بمبئی میں ڈینٹل کلینک 1923ء سے 1929ء تک جاری رکھا، آپ نے غریبوں کے علاج کے لیے فری ڈینٹل کلینک کا اجراء کیا۔ اس پیشہ میں ان کو اپنی خواہشات مدد انسانیت کا سکون میسر آیا اور وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنے لگیں۔ آپ سوچ نہیں سکتے کہ اس زمانے میں ایک خاتون ڈینٹسٹ لوگوں کے دکھ درد کم کرنے میں مصروف ہو گئی۔

برصغیر کا واحد دانتوں کی تعلیم کا ادارہ ڈی ماؤنٹ مورنسی کالج آف ڈینٹسٹری لاہور 1934ء میں قائم ہوا پہلے یہ میڈیکل گریجوایٹ کے لیے 2 سال کا کورس مہیا کرتا تھا۔ بعد میں بی ڈی ایس کا علیحدہ چار سالہ کورس کا اجراء ہوا۔ تین سال تک بنیادی سائنسز اور میڈیسن، سرجری کی تعلیم کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر ہندو سکھ اور عیسائی طالب علم آتے تھے مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد 1954ء تک سارے صوبہ سرحد میں کوئی کوالیفائیڈ ڈینٹل سرجن نہ تھا، پہلے ڈینٹل سرجن ڈاکٹر عبدالرشید ملک تھے۔ 1956ء تک سارے بلوچستان میں کوئی ڈینٹل سرجن نہ تھا، ایم اے صوفی سارے بلوچستان کا پہلا ڈینٹل سرجن تھا۔ اسی طرح ملتان میں 1954ء میں کلینک قائم ہوا اور 1956ء میں بہاولپور میں قائم ہوا۔ اس سے قبل مریضوں کا پرسان حال کوئی نہ تھا، فاطمہ جناح نے اس وقت یہ پیشہ اختیار کیا اور اس فن نے بعد میں ان کو اپنے عزیز ترین شفیق بھائی کے علاج میں آسانی بہم پہنچائی تھی۔ قائداعظم نے بیمار ہونا تھا اور محترمہ نے علاج میں کردار ادا کرنا تھا، یہ بھید تھا جس کی بناء پر محترمہ ڈاکٹر بنی تھیں۔

قائداعظم کا قد 5 فٹ ساڑھے 11 انچ تھا، ان کا نارمل وزن 112 پونڈ تھا، جو

آہستہ آہستہ اولس، اولس کم ہونے لگا۔ جس سے وہ دُبلے پتلے انسان ہوتے گئے۔ گویا انہوں نے اپنی صحت کو پرائیویٹ مسئلہ قرار دیا اور قومی کاموں میں نہایت جوش کے ساتھ بڑھتے گئے۔ ان کی چہیتی بیوی کا انتقال 20 فروری 1929ء کو ہوا اور ان کو 22 فروری کو دفن کر دیا گیا۔ ان کی ایک پیاری بیٹی تھی، چونکہ فاطمہ خود ماں کی مامتا سے محروم تھی لہذا اس بچی اور بھائی کی خاطر پیشہ قربان کیا اور بھائی کے ساتھ ایک مشیر، قابل اعتماد دوست، ساتھی صلاح کار اور ان کے ذاتی معاملات کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھائی اور کلینک بند کر دیا۔

ڈاکٹر عبداللہ جان پٹھان نے نہایت محنت اور محبت سے قائداعظم پیپرز کے ایڈیٹر محترم پروفیسر زیڈ۔ ایچ زیدی کے مضامین سے استفادہ کرتے ہوئے قائد کی بیماری کی تفصیلات بیان کیں جو کہ 25 دسمبر 2001ء روزنامہ ''ڈان'' میں تحریر ہیں۔

فاطمہ جناح نے بھائی کا علالت کے دوران بڑا علمی کردار ادا کیا۔ نہایت جانفشانی سے دیکھ بھال کی۔ ان کو ڈینٹیسٹری کی سائنس کی تعلیم نے بھائی کے علاج میں فائدہ پہنچانا تھا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس زمانے میں مسلمان ڈاکٹر ڈینٹسٹ تعلیم یافتہ کم ہوتے تھے۔ تعلیمی ادارے نہ تھے، ایک بچی اعلیٰ درجہ کی تعلیم بمبئی انگریزی سکول میں حاصل کرتی ہیں، اور ڈینٹسٹری کا انتخاب بھائی کے مشورہ کے ساتھ کرتی اور بمبئی سے کلکتہ پرائیویٹ ادارے احمد ڈینٹل سکول میں داخلہ لیتی ہیں، س وقت سرکاری ادارے ڈینٹسٹری اور میڈیسن کے لیے کم تھے۔ ان کا ڈینٹسٹری میں آنے میں خدمت انسانی کا جذبہ کارفرما تھا اور بھائی کی خدمت مضمر تھی۔ اگر فاطمہ جناح ڈاکٹری نہ جانتی تو علاج میں دشواری ہوتی۔

قائداعظم 1938ء میں تقریباً 62 سال کے تھے۔ علالت کی علامات شروع ہو گئیں تھیں۔ وزن آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا خوراک کم ہو گئی بے آرامی زیادہ، جگہ جگہ تقاریریں، سفر، تھکاوٹ، دشمنوں کا مقابلہ، اپنوں کی سازشیں تھیں صرف محمد علی جناح کی خود اعتمادی اور حوصلہ اور ''ول پاور'' تھی۔ جس کی بناء پر وہ اپنے مشن پر ڈٹے رہے اور فاطمہ جناح نے ان کا ساتھ دیا۔ بیرسٹری کے دوران محمد علی جناح کی پہلی دلہن اور والدہ کا انتقال

ہو گیا۔ فاطمہ کی والدہ 2 سال کی عمر میں فوت ہو گئیں، اور والد 8 سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قائد اعظم کی اہلیہ 22 فروری 1929ء کو دفن کر دی گئیں۔ بہن بھائی میں ماں باپ جیسی محبت تھی۔ اتنی تھکن، محنت، ذہنی سیاسی دباؤ ہندوؤں کی بے جا حرکتیں، نیشنلسٹ مسلمانوں کی کارستانیاں انگریز کی چالاکی، سفر کی تھکن لہٰذا 1938ء کے قریب دسمبر میں قائد بیمار ہو گئے۔ نڈھال ہوتے گئے، مگر کام کرتے رہے، جلسے جلوسوں، تقاریر، بحث مباحثے، خط و کتابت، مطالعہ، طلباء سے ملاقاتیں خواتین کو مشورے سب جاری رہے۔

1940ء کا ریزولیشن تیار کرنا، لوگوں سے ملنا، بے وقت سونا، بے آرامی، لہٰذا 1941ء کو ڈاکٹر اور ڈینٹسٹ کو دکھایا، قائد اعظم کو سگار کی عادت تھی اسی وجہ سے ان کے دانتوں کی رنگت پیلی تھی۔ ڈاکٹر نے دوائی دی، آرام تجویز کیا وہ کیسے ہو سکتا تھا؟

آپ نے 1942ء ڈاکٹر البرٹ بیٹی (Albert Batty) کو دھلی میں معائنہ کرایا اور 1943ء میں ایک خاکسار نے آپ پر حملہ کر دیا۔ یہ صدمہ بھی کافی تھا، چونکہ قائد نے حملہ آور توانا خاکسار کا بازو پکڑ لیا تھا، اس وجہ سے بھی مسلز پر ریخت آئی۔

مئی 1943ء میں آپ نے سری نگر کشمیر کا رخ کیا تا کہ کچھ آرام کیا جائے تاہم آرام کیسے نصیب ہو۔ جب انسان(Restless) عادات کا عادی ہو جائے۔ جولائی 1943ء آپ لاہور آئے، بے شمار جگہ خطاب فرمایا فاطمہ جناح ساتھ تھیں۔

جب آپ کشمیر (سرنگر) میں تھے تو آپ کی مصروفیات کچھ اس طرح تھیں۔

23 مئی 1943ء کو آپ نے کشمیر کے صحافیوں سے خطاب کیا۔

آپ نے کشمیر کی تقسیم کے خلاف اظہار خیال کیا چونکہ مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، 10 جون کو آپ نے لیگ اور قادیانیوں کے بارے میں بیان دیا، 19 جون کو کشمیر مسلم نیشنل کانفرنس سے سری نگر میں خطاب کیا، آپ نے سپاسنامے کا جواب اردو زبان میں دیا، اور ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔

''مجھے خوشی ہوئی کہ ریاست جموں و کشمیر کے لوگ بیدار ہو گئے ہیں اور متحد کھڑے ہیں، جیسا کہ اس پنڈال میں ایک لاکھ کے اجتماع میں بوڑھے، جوان، مزدور اور

تاجر بھی ہیں آپ نے مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیا، طلباء کے سپاسنامے کا جواب بھی دیا اور تعلیم اور محنت کی تلقین کی۔"

26 جون 1944ء کو سری نگر سے نواب بہادر یار جنگ کی ناگہانی موت پر تعزیتی بیان دیا۔

"مجھے افسوس ہے اور بے حد قلق ہوا کہ بہادر یار جنگ کی وفات سے اسلام اور مسلمان ایک کٹر اور بے حد مخلص کارکن سے محروم ہو گئے۔ ان کی رحلت کے باعث مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کا عظیم ترین علمبردار دنیا سے اٹھ گیا میری ہمدردیاں اس صدمہ جانکاہ میں ان کی بیوی اور خاندان کے ساتھ ہیں۔"

علالت کا علم ہو جانے کے بعد قائد اعظم کو طبی ہدایت کے مطابق آرام بڑا لازمی تھا، کشمیر اسی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ 26 جون 1944ء بہادر یار جنگ کی وفات پر افسوس اس قدر ہوا کہ آپ نے کسی قسم کا اظہار خیال نہیں کیا۔ البتہ 9 جولائی 1941ء میں راج گوپال آچاریہ سے خط و کتابت کی کہ انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ میں کیسے مفاہمت ہو، تار کا ذریعہ بھی استعمال میں لایا گیا، آپ نے 25 جولائی کو کشمیری مسلمانوں کی صورت حال پر بیان دیا کہ وہ مختلف لوگوں سے ملیں ہیں مہاراجہ ریاست کشمیر سے ملاقات نہ ہو سکی۔

27 جولائی 1944ء کو آپ نے راولپنڈی کے جلسہ عام کو خطاب کیا گویا دو دن سفر میں لگ گئے، اس زمانے میں سڑکیں آج کی طرح نہ تھیں، سڑکیں تنگ تھیں، کار ذریعہ سفر تھا، تھکاوٹ والے کام قائد اعظم جذبہ آزادی کی خاطر کرتے رہے۔ 30 تاریخ یعنی جولائی لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس کی صدارت اور طویل ترین 31 جولائی کو تقریر کی۔ مسلم لیگ کانفرنس میں صدارت فرمائی۔ گویا آرام نام کی چیز نہ تھی۔

اب ہوا کیا؟ اتنا طویل سفر سری نگر کا وہاں بے آرامی، ذہنی دباؤ، ملاقاتیں، مشاورتیں اور تقاریر، جلسوں میں اتنی دیر تک بیٹھنا پھر راولپنڈی کا سفر لاہور ہوا۔

اگست میں ڈاکٹر جال پٹیل کے زیر علاج تین ہفتہ تک رہے، افاقہ ہوا، پھر سیاسی سرگرمیاں جلسے جلوس بیانات گفتگو، ابھی مکمل صحت اپنے مقام تک نہ پہنچی تھی، اپنے ایک دوست ڈنشا اے مہتہ کو لکھا ''میرے لیے بڑا مشکل کام ہے کہ آرام کروں اور کام نہ کروں'' نتیجہ یہ نکلا کہ 1945ء کے شروع میں وہ بیمار پڑنے لگے، جب بہن فاطمہ کہتی ڈاکٹر کو دکھائیں۔ جواب تھا ''مجھے بہت کچھ کرنا ہے، علاج میں وقت ضائع نہیں کر سکتا'' سارے چاہنے والے انکی مسلسل علالت تھکن کمزوری وزن میں کمی، بھوک میں کمی سے پریشان تھے، دوبارہ ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ آپ کسی پہاڑی مقام پر جا کر کچھ دن گزاریں، دوائیں کھائیں۔ پہاڑی مقام میتھران تشریف لے گئے۔ کچھ آرام فرمایا۔ طبیعت سنبھل گئی تو میر لائق علی وزیر اعظم دکن حیدر آباد اپنے دوست کو خط کے ذریعہ 27 اپریل 1945ء لکھا ''اب میری طبیعت اچھی ہو رہی ہے، اور کافی افاقہ ہے'' مگر کام کرنے لگے ایک ہفتہ کے اندر دوبارہ کمزوری نے دبوچ لیا، کیونکہ علاج، احتیاط، آرام تو کیا ہی نہیں۔ وہ اپنی طبیعت کے ابھار، احساس ذمہ داری سے مجبور تھے کہ دوبارہ کام جلدی شروع کر دیتے، قومی شعور ان کا سرمایہ تھا، چند دن جو آرام کیا اس دوران خطوط زیادہ موصول ہوئے ان کے جواب تحریر کرنے، ٹائم ورک کو دیکھنا کافی بوجھل ذہنی قسم کا کام ہوتا ہے۔ وہ کرنے لگے آخر لوگوں کو جواب تو دینا تھا۔

دھلی میں انہوں نے علاج ڈاکٹر البرٹ بیٹی (Albert Batty) سے حاصل کیا تاہم ہندوستان ٹائمز اخبار نے 12 اپریل 1945ء کو ایک خبر سرخی کے ساتھ لگائی کہ ''جناح صاحب کی صحت اچھی ہو رہی ہے۔ اب ان کے ڈاکٹر فزیشن رحمٰن نے ان کو بمبئی جانے کی اجازت دے دی ہے، اور وہ دوبارہ کام کاج کر سکتے ہیں، اس سے ان کے اپنے فزیشن البرٹ کو صدمہ ہوا۔ جب آپ کشمیر سے واپس جولائی 1944ء میں آئے تو آپ نے بمبئی کے ایک قدرتی جڑی بوٹی علاج کے ماہر ڈاکٹر ڈنشا کے مہتہ سے علاج کا مشورہ لیا یہ ڈاکٹر ایلو پیتھک میڈیسن کی بجائے قدرتی ذرائع سے علاج کرتا تھا۔ ساتھ ہاڈرو تھراپی الیکٹرو تھراپی استعمال کرتا تھا۔



شملہ ۱۹۴۵ء محترمہ فاطمہ جناحؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ آٹو رکشا پر تشریف فرما ہیں



قائداعظم محمد علی جناحؒ گورنر جنرل پاکستان بنگال آئل مل کراچی میں افتتاحی تقریر کر رہے ہیں

نواب بہادر یار جنگ کے مشورہ کے ساتھ مس جناح اور جناح صاحب نے یونانی علاج 1941ء میں کرایا تھا۔ جو کارگر نہ ثابت ہوا، بلکہ ایسے علاج سے مرض مضبوط ہوتا گیا۔

ڈاکٹر ڈنشا باقی فزیشن کی طرح ہمیشہ ہی علاج میں تسلسل، آرام، اچھی خوراک پر زور دیتے۔ لیکن ہر آدمی کی طرح ان کو مایوسی ہوئی۔ قائد اعظم کے کام کرنے کے جذبہ کو کون روک سکتا ان کے نزدیک ٹائم کام کام تھا، کوئی دو ہفتے آپ مہتران حل سٹیشن ٹھہر سکے ساتھ مون سون کا زمانہ آ گیا وہ بمبئی اپنے بلیسٹ روڈ آ گئے۔ بمبئی کی آب و ہوا اس موسم میں ایک ایسے مریض اور مرض کے لیے خوشگوار نہ تھی۔

شملہ کانفرنس 25 جون، 14 جولائی 1945ء

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر قائم اعظم محمد علی جناح کو اس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے بیماری کی حالت میں 10 دن کا طویل سفر مہتران سے بمبئی اور بمبئی سے شملہ کرنا پڑا۔ سفر کی تھکن، بے آرامی علاج غیر تسلسل، مزید صحت گرنے لگی، آپ نے شملہ میں بڑا مصروف وقت گزارا کانگریس کے لیڈروں سے ملاقاتیں، بحث مباحثے، نہایت تناؤ، ذہنی کام کافی بھاری رہا۔ آپ نے 30 جون 1945ء ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے سے ملاقات میں کہا ''گاندھی کو چاہیے کہ وہ موجودہ کانفرنس کو بھول جائیں اور مسلم لیگ کے ساتھ نئی مفاہمت پیدا کریں جس میں پاکستان ایک تسلیم شدہ اہتمام ہے۔

شملہ جلسہ عام، یکم جولائی 1945ء کو آپ نے خطاب کیا، آپ نے مسلمانوں کو کہا ''مسلمانوں میں اتحاد ضروری ہے۔ کنجی آپ کے ہاتھ میں ہے مجھے یقین ہے اگر مسلمان متحد رہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع رہیں یہ جنگ کبھی نہیں ہاریں گے، اور دنیا کے سامنے سرخرو ہو کر نکلیں گے۔

(روزنامہ ڈان 3 جولائی 1945ء)

اسی طرح ضلع مسلم لیگ شملہ کو خطاب کیا، اس میں آپ نے اپنی صحت کا ذکر کیا، ''کام کے دباؤ نے ان کی صحت پر برا اثر ڈالا ہے، اور انہیں کچھ عرصہ آرام کی ضرورت ہے، صحت کا محفوظہ کم و بیش ختم ہو گیا ہے۔ لیکن تھوڑے سے آرام اور آپ کی دعاؤں سے

میں اس قدر تندرست ہو جاؤں گا کہ تادم مرگ آپ کی خدمت کر سکوں۔

آج صرف مسلمانوں کی نمائندہ و بااختیار تنظیم مسلم لیگ ہے۔ اس کو مضبوط کریں، مسلمان ہجوم تھے، اب ایک پلیٹ فارم پر، ایک متعین منزل مقصود، پاکستان کے ساتھ، ایک قوم ہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟

"اس کا مطلب برصغیر میں جہاں جہاں ہم اکثریت میں ہیں ہم اپنی قومی ریاست قائم کرنے کی ٹھان چکے ہیں مجھے اعتماد ہے ہم مخالفت کے باوجود پاکستان قائم کر کے رہیں گے۔"

آپ کا جذبہ ایمان اور رب پر ایمان پختہ اور یقین محکم کہ پاکستان بن کر رہے گا کئی نامہ نگاروں سے گفتگو کی ویول منصوبہ کو مسلمانوں کے خلاف قرار دیا، شملہ میں 14 جولائی 1945ء میں برلش کانفرنس میں بڑی تفصیل کے ساتھ واضح کیا۔ آپ نے شملہ کانفرنس کے اختتام پر بھی بڑی بھاری پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور مسلم لیگ کے موقف کو دہرایا۔

اگر شملہ میں رہ کر آرام کرتے تو صحت اچھی ہوتی۔ شملہ کے دوران زیادہ محنت اور کام نے مزید صحت پر برا اثر ڈالا، مگر ان کی رگوں میں مسلمانوں کے خون کی حرارت اور اونچی امنگ پاکستان تھا۔ وہ ڈاکٹروں کی دلنشین حکایتیں کیسے اپنا سکتے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹروں کی نصیحت پر کان نہ دھرے، محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کی صحت کی دستک دیتی رہیں۔ ان کی معصومانہ نصیحت بھی کارگر ثابت نہ ہوئی۔

انسان نفس نفیس اپنی سوچتا ہے۔ مگر قائد کو امت مسلمہ کی خوشبوتھی اور اللہ کا کرم تھا لحہ بہ لحہ، قدم باقدم وہ مسلمانوں کا سوچتے کہ کس طرح ان کو ہندوؤں کی غلامی سے بچایا جائے چنانچہ وہ دہلی واپس آئے بڑے کمزور اور علیل تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی گرتی ہوئی صحت ڈاکٹروں اور فاطمہ جناح کے لیے بڑی تشویش کن بنتی گئی اس مرض میں آرام، اچھی بوقت غذا، اچھی آب و ہوا، زیادہ آکسیجن والا ماحول ضروری ہوتا ہے اس زمانے میں ادویات خاص کر اینٹی بائیوٹک کی ایجاد محدود تھی

صرف پنسلین 1932ء تک شروع ہوئی تھی ادھر سیاسی میدان میں جدوجہد کی بڑی ضرورت تھی۔ سیاسی اثر و نفوذ آل انڈیا کانگریس پارٹی اور نیشلسٹ مسلمانوں کا کافی تھا۔ انگریز ہر طرح سے ہندوؤں کی پشت پناہی میں ایک علیحدہ طاقت تھی۔ کارکنوں کی حوصلہ افزائی، طلباء میں شعور اجاگر کرنا، عوام کو مسلم لیگ کا سیاسی منشور سمجھانا، مسلمانوں کے درپیش معاملات کو ورکروں تک پہنچانا اور پھر حکومت برطانیہ سے بات چیت ایسے ضروری فریضے تھے جن کو محمد علی جناح کی پر اثر قیادت انجام دے سکتی تھی۔ مسلم لیگ کی ہر ایک تقریب میں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی قائداعظم کی موجودگی لازمی بن جاتی۔ قائداعظیم کی سوچ نہایت ڈیموکریٹک اور پارٹی ورکرز کے جذبات، کو تقویت دینے والی تھی۔ قائداعظیم ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیتے، اور اتحاد کو وہ سالمیت کا نشان قرار دیتے، ان کی خواہش یہی تھی کہ مسلمانوں کو ہندو کی چالاکی، سود کے کینسر اور ظالمانہ رویہ کے شکنجے سے نجات دلائی جائے، وہ لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کے بچوں بچیوں کے مستقبل کے لیے کوشاں تھے، وہ سمجھ بیٹھے تھے۔ اگر تقسیم ہند نہیں ہوتی ایک ہندوستان رہے گا، تو ہندوؤں کی اسمبلی میں اکثریت ہوگی، کاروبار انکے قبضہ میں ہو جائے گا۔ ترقی اور دولت ہندوؤں کے گرد ہوگی مسلمان پست ہو جائیں گے اور ہندو ہمیشہ کے لیے مسلمان کے مستقبل کا گلہ ظلم و جبر سے گھونٹتا جائے گا۔ جس طرح آج بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ سلوک ہو رہا ہے۔ مسلمان گاہے بگاہے ہلاکتوں سے دوچار ہیں۔

قائداعظم اپنی سیاسی ذمہ داری نبھاتے تھے وہ صحت کی طرف توجہ نہ دے سکے اس سے ڈاکٹر پریشان تھے، آخر ڈاکٹر ڈنشا نے تجویز یوں پیش کی ''ہم خواہش رکھتے ہیں کہ آپ صحت مند ہو جائیں اور پھر آپ اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح سر انجام دے سکیں گے۔'' آپ کسی مقام پر تشریف لے جائیں مثلاً کوئٹہ یا قلات جہاں موسم اچھا ہو اور خشک ہوا ہو۔'' قائداعظم نے تجویز کو ذہن میں رکھا اور مزید صحت پر منفی اثرات زیادہ ہونے سے بچنے کے لیے خان آف قلات کو خط تحریر کیا کہ صحت کی خاطر ان کے ڈاکٹر خواہشمند ہیں کہ وہ (قائد) کچھ وقت آپ کے ہاں گزاریں۔ لہٰذا اگر آپ کا ایوان قلات واقع کوئٹہ میں میسر ایک ماہ تک آجائے تو کچھ آرام کا وقت آپ کے ہاں گزار لیا جائے، ڈاکٹر اور محترمہ بڑی خوش

تھیں کہ قائداعظم مان گئے۔ تاہم سیاسی دباؤ کی وجہ سے وہ جولائی کے آخر میں دہلی آئے، اور اگست کا مہینہ بمبئی میں تقریروں میں گزارا اور تھکاوٹ زیادہ ہونے کی وجہ سے کراچی کی طرف رخ کیا جہاں وہ مزید سانس میں دقت، اور کمزوری محسوس کرنے لگے۔

بمبئی میں خط و کتابت زیادہ تھی، اس میں ایک خط 18 اگست 1945ء سرحد سے خان عبدالقیوم خان نے مسلم لیگ میں شمولیت کا تحریر کیا اور 20 اگست کو قائداعظم نے خان عبدالقیوم خان کی لیگ میں شمولیت کو سراہا۔ کوئٹہ کا سفر کراچی سے بڑا طویل اور تھکن والا ہے، ٹرین سے روہڑی سکھر اور پھر درہ بولان کی پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے کوئٹہ آتا ہے۔ آپ بذریعہ ٹرین 1945ء کے آخری ایام میں کوئٹہ پہنچے، جٹ پٹ، سبی اسٹیشنوں پر جمالی خاندان کے کارکنوں اور نصیر آباد کے لوگوں نے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور کوئٹہ سے قبل سپینڈ ڈ ریلوے سٹیشن سے لوگ کارواں لے کر کوئٹہ پہنچے۔ آرام کہاں؟ چند روز تھکن دور ہوئی۔ پھر شباب والی باتیں خطاب، تقاریریں، ملاقاتیں، اپنی صحت خطرے میں گویا زندگی خطرے میں ہے تاہم وہ لوگوں کا سہارا تھے، لوگوں سے ملاقاتیں ان کا سکون کا راز بن گیا یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ ان کا لیڈر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کے دکھ درد کم کرنے میں مصروف تھا اور اپنی صحت سے زیادہ آزادی وطن ترجیحات میں تھی چنانچہ بلوچستان کے بے شمار قبیلے قائداعظم کے اخلاق اصول سے بہت متاثر ہوئے اور مسلم لیگ کے مشن کو اپنانے کے لیے تیار ہوئے۔ کئی مقام پر بحث مباحثے ہوئے، قائداعظم چاہتے تھے کہ نسلی تشخص ترک کر کے اپنے آپ کو صرف مسلمان سمجھا جائے وہ شعیہ، سنی یا دیگر بنیادی اختلافات کو اچھا نہیں گردانتے تھے، وہ مسلمان ہونے پر فخر کرتے تھے اور مسلمانوں کے لیے جدا ملک چاہتے تھے، وہ جمہوریت کا احترام کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ سارے مسلمان قدم سے قدم ملا کر عالمی برادری میں مقام پیدا کریں۔

23 اکتوبر 1945ء میں وہ کوئٹہ چھوڑ کر کراچی پہنچ گئے۔ 27 اکتوبر ایمن آباد اور 29 اکتوبر کو بمبئی میں تھے۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے اپنے ڈاکٹر جان پٹیل اور ایم ایم اصفہانی کو خطوط تحریر کیے کہ اب وہ صحت مند ہیں پہلے سے صحت کافی اچھی ہے۔ حالانکہ دوران کوئٹہ

قائداعظم نے آرام بالکل کم کیا۔ خط و کتابت بیان، خطاب اور ملاقاتیں زیادہ تھیں۔

محترمہ فاطمہ جناح کے صحت کے بارے میں انکشافات

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح بیان کرتی ہیں کہ نومبر 1940ء کے شروع میں ہم دونوں بہن بھائی بمبئی سے دہلی ریل کے سفر میں تھے۔ سنٹرل اسمبلی لیجسلیٹر کی میٹنگ تھی، قائداعظم کی 19 نومبر کو مرکزی مجلس قانون ساز میں تقریر تھی۔ 18 صفحوں پر آپ کی تقریر لیجسلیٹو اسمبلی کے مباحث 1940ء میں موجود ہے، آپ اتنے تھکے ہوئے تھے پھر اتنے سیاسی طویل سوال و جواب محترمہ بتاتی ہیں کہ دہلی پہنچ کر ان کے دائیں جانب چھاتی میں درد شدید ہونے لگا ڈاکٹر بلایا گیا دہلی کے ڈاکٹر نے معائنہ بڑے انہماک اور غور سے کیا ڈاکٹر نے کہا آپ کو پیلوریسی (پھیپھڑوں میں پانی) ہے۔ آپ ادویات کھائیں اور مکمل آرام کریں۔ کم از کم ایک ہفتہ ضروری ہے۔ قائداعظم نے دو روز آرام کیا اچھا ہونے لگے پھر کام اور اسمبلی میں ایسی لمبی تقریر کی۔ پھر یہیں سے مرض کی ابتدا ہوئی۔ اس مرض یعنی انفکشن کی بدولت قائداعظم کو زکام، بخار، کھانسی لازمی تھی قدرتی امر ہے بیماری کی حالت میں ان کو بڑی تکلیف اور درد رہتا تھا، رفتہ رفتہ مرض بڑھتا گیا، اتنی کرانیکل (طویل) بیماری کے ساتھ وہ اپنے عزم سے کام کرتے رہے وہ چاہتے تھے کہ ان کا باغ پاکستان قائم ہو جائے اور باغ کا نظارہ کرکے دنیا سے چلے جائیں وہ کام آج کی طرح محض شان و شوکت کی تصویروں کے لیے نہیں کرتے تھے ان کے ذہن میں پاکستان اور مستقبل میں پاکستان کے مکینوں کی خوشحالی مرکز کا توجہ تھی۔ وہ قطعی طور پر صحت کا خیال نہیں کر سکتے تھے۔

اپریل 1941ء میں قائد بمبئی سے مدارس تک ریل کا سفر ہمراہ ہمشیرہ فاطمہ جناح کر رہے تھے قائداعظم کافی کمزور تھے بخار بھی تھا۔ وہ اپنی نشست سے ٹائلٹ جانے کے لیے اٹھے ہی تھے۔ کہ گاڑی میں گر گئے اور تھوڑی دیر تک بے ہوش رہے۔ اگلے ریلوے سٹیشن پر ڈاکٹر طلب کیا گیا ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد نئی تشخیص کر دی کہ ''نروس بریک ڈاؤن'' (ذہنی دباؤ) ہو گیا ایک ہفتہ آرام ضروری ہے۔ کچھ آرام کیا۔

14 اپریل 1941ء آل انڈیا مسلم لیگ کے 28 واں اجلاس مدارس کو فی البدیہ

خطبہ صدارت دیا یہ بھی طویل ترین سیاسی خطبہ تھا اور دیگر مصروفیات بھی تھیں۔

فاطمہ جناح کہتی ہیں کہ اتنی طویل پر مغز سیاسی منشور والی تقریر کے بعد جب وہ گھر آتے، بہت تھکے اور نڈھال ہوتے وہ خاموشی چاہتے، اکیلے پن میں چار پائی پر لیٹ جاتے، اور سو جاتے۔ وہ مسلم معاشرہ کو تہہ دل سے پسند کرتے ان کا عقیدہ صرف مسلمان تھا۔ وہ طویل ڈائیلاگ بھی کرتے لیکن تھکاوٹ کمزوری ساتھ ساتھ چلتے۔ جب چار پائی پر لیٹے وہ سانس لینا چاہتے، سانس مشکل سے آتا اور فرماتی ہیں۔

''قائد ایک بے مثل روح انسان تھے۔ جو ان کے جسم میں موجود تھی۔ تا کہ وہ بیماری کے باوجود کام امت مسلمہ کا کر جائیں۔ کئی سال تک ان کو ہلکا بخار رہا وہ اچھے ہوتے پھر کام پر لگ جاتے۔ طبیعت پوری طرح بحال نہ پاتی ان کو مصروفیت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اپنے مشن اور مقصد کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جو مسلمانوں کی آزادی کی صدائیں لگائیں گے۔ بدستور بیمار ہونے کے باوجود اپنی قومی ذمہ داری نبھائیں، ان کا ضابطہ حیات کاروباری نہ تھا۔ وہ سوچ اور عمل میں یکتا تھے۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے غفلت نہیں کر سکتے تھے وہ کئی محاذوں پر لڑائی لڑ رہے تھے ان کو مسلمانان ہند کو تحفظ دلانا تھا یہ ان کا منشور تھا، لہٰذا متاثرہ صحت ان کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکی۔

قائد اعظم کی علالت اور فاطمہ جناح

ڈاکٹر ایس ایس عالم ایکس ریز میو ہسپتال ہمارے طالب علمی کے زمانے کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں ٹیچر تھے۔ بڑے عمدہ نفیس، خوش شکل، خوش لباس، دبلے پتلے، سمارٹ مسکراہٹ سے معمور چہرہ ان کا تھا، ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد ایکسریز کلینک 34۔ لارنس روڈ الٰہی بخش پر تھا۔ ڈاکٹر عالم قائد کی معالجی ٹیم میں آخری دنوں زیارت (کوئٹہ) اور کراچی تک ساتھ تھے۔ انہوں نے ہمیں کافی تفصیل سے قائداعظم کے ایکسریز کے نتائج سے آگاہ کیا کہ کس قدر ان کے دونوں پھیپھڑے بیماری سے متاثر تھے۔ جب ہم نے ان سے ایکسریز فلمز کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ فلمیں کہاں ہیں انہوں نے جواب دیا وہ ساری چیزیں، رپورٹیں محترمہ فاطمہ جناح کے حوالے کر دی تھیں کہ وہ قومی سرمایہ تھا اور اس کا پوشیدہ راز رہنا ضروری تھا۔ وہ ہمارے پاس نہیں یاد رہے راقم کی پریکٹس

بھی اسی کلینک میں ہے۔

اب معلوم ہوا کہ قائد اعظم کی علالت کا ریکارڈ نیشنل آرکائیوز اسلام آباد میں ایکس ریز کلینیکل رپورٹس، ای سی جی (1940-45ء) موجود ہیں۔ یہ ریکارڈ آخر دنوں کے علاوہ باقی ڈاکٹروں کی رائے میں موجود ہے۔ گویا قائد کی علالت کے دوران کئی ماہر ڈاکٹرز نے علاج کیا ایک ڈاکٹر ایف ڈبلیو برگر (F.W. Berger) رفعیہ منزل 14 ووڈ (Wode) ہاؤس روڈ بمبئی کی رپورٹ 10 اگست 1940ء (ایم ڈی) درج ہے جس میں کیلشیم لیول نارمل تھا، اور پیشاب ٹیسٹ بھی نارمل تھا۔

چھاتی کے ایکس ریز دائیں طرف کی اوپر والی لوب (Lob) اور اس حصہ میں نشانات جو تندرست ہو چکے ہیں اور ٹھیک ہیں۔ یہ ٹمپریچر حرارت بخار، بلغم، کھانسی کی وجہ کچھ اور ہے۔ ڈاکٹر برگر کی رپورٹ یہ ظاہر کرتی ہے کہ دونوں پھیپھڑوں میں پرانی سوزش (Chronic Bronchitis) دونوں لوبس (Lobes) کے نچلے حصہ میں ہے۔ جس سے پھیپھڑوں کی چھوٹی چھوٹی سانسیں سوجن جیسی حالت پیش کرتی ہیں اور وہ ان کی کیفیت کا مظہر ہیں۔ تاہم سرمایہ جگر محفوظ ہے۔

قائد اعظم چونکہ بڑے اونچے درجہ کے وکیل تھے وکیل کی ودیعت میں جرح کرنی ہوتی ہے اور کئی بار عدالت میں میڈیکل رپورٹ پر بحث ہوتی ہے، چنانچہ ان کو ہر ڈاکٹر پر جرح ضروری کرنی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر برگر نے قائد کو تفصیل سے بتایا کہ جو تکالیف ہیں وہ پھیپھڑوں کی ہلکی سی سوزش سے ہیں۔ جگر کا کوئی ہاتھ نہیں قائد کا خیال تھا کہ ان کا جگر خراب ہے۔ ڈاکٹر نے کہا آپ کا دل آپ کے جسم کے مطابق چھوٹا سا ہے۔ ای سی جی رپورٹ ٹھیک ہے جو 10 اگست 1945ء کو لی گئی تھی۔

ایکسریز کے لیے ڈاکٹر رحمٰن نے قائد کو ڈاکٹر ایس ـــــن بڑا کھبا روڈ کی طرف ریفر کیا تو 19 اپریل 1945ء کی تاریخ ہے۔ ان کی رپورٹ کچھ اس طرح ہے دائیں جانب ڈائیا فرام سکریننگ کی گئی تو اچھی خاصی عمل میں تھی۔ تاہم بائیں جانب کی حرکت ساکن اور سانسیں جفت ہو چکی تھی۔ ایکسریز لیا گیا تو اوپر والی لوب میں کلاسیفائیڈ نوڈلز (Calcified Nodules) ایپکس پر پائے گئے باقی ہلکے ہلکے فائبروس

(Fibrosis) نچلے زون میں دیکھے گئے۔ ڈایافرام اونچا ہے اور ایڈہین سے (Adhesion) کے بینڈز (Bands) سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح دوسرے ڈاکٹروں کی رپورٹ بھی میسر آتی ہے۔

دونوں ڈاکٹر کوالیفائیڈ یورالوجسٹ بیرون ممالک کے پڑھے لکھے ہوئے تھے۔ ان کے نام اور ڈگری اس طرح تھی Dr. S.C.SEN, Bsc, MB, DMRE

Dr. VED. PARKASH, MBBS, DMRE '(CANTAB)

-(CANTAB)

ایک مزید رپورٹ ریکارڈ میں 18 جون 1945ء کی میسر آتی ہے جو Dr.K.R.MODY بمبئی DMRE, BA, TATA OE 'BOMBAY MEMORIAL HOSPITAL جو نمونیا پلوریسی کی تاریخی اہمیت کو رکھتے ہوئے دی گئی۔ سکریننگ رپورٹ اس طرح ہے۔

ڈایافرام

دونوں اطراف میں حرکت معمول کے مطابق ہے کسی قسم کی ایڈہین نہیں۔ کنٹوئیر (Contour) ریگولر ہیں۔

پلورا (Pleura)

کسی قسم کی پلوری کی نشاندہی، جو پہلا پلوری کا حملہ ہوا تھا، وہ اب نہیں ہے، صرف مرض کے آثار چھوڑنے کے ہیں۔

پھیپھڑے

قدیم کلاسیفائیڈ چھوٹے چھوٹے نشان ہیں، اوپر والے 1/3 حصہ میں ٹوٹ پھوٹ ہے۔ باقی پھیپھڑے صاف نظر آتے ہیں۔ نزلہ زکام کے نشان ہیں، دل وغیرہ ٹھیک ہے۔

رپورٹ یوں درج ہے حالیہ پھیپھڑوں کا حملہ اب نہیں۔ کسی قسم کا مرض کا خطرہ نہیں۔ کلاسیفائیڈ نشانات پرانے مرض کے ہیں۔ ایکسریز باقی اعضاؤں کے ٹھیک ہیں۔ لیکن ڈاکٹر ایس ایس عالم والے ایکسریز 1948ء والے نہیں ہیں۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت جواہر لعل نہرو، مہاتما گاندھی کو اپریل 1947ء تک اس بڑی اہمیت یعنی قائد اعظم کی گرتی ہوئی صحت کے راز کا علم نہ ہوا، اور برطانیہ کی سی آئی ڈی یا دیگر لوگوں کو قائد اعظم کی صحت کا علم نہ ہو سکا۔

ڈاکٹر جال پٹیل بمبئی کے فزیشن دیانت دار، ذہانت اور مذہبی یقین کا ثبوت تھا۔ کہ اس نے قائد اعظم کے ایکسریز بند لفافے میں بغیر کسی رپورٹ کے اپنے آفس میں رکھے ہوئے تھے ان دونوں ایکسریز میں دو بڑے پھیپھڑوں میں خلا پنگ پانگ سائز کے مطابق (بال) موجود تھے۔ ان کے گرد چھوٹے موٹے گڑھے موجود تھے۔ جو نشاندھی کرتے تھے کہ پھیپھڑوں کی ساختیں سخت ہو چکی ہیں اور تپ دق مرض پوری طرح پھیپھڑوں کو خراب کر چکے ہیں۔

قائد اعظم محمد علی جناح کو خدا نے حسن و صفائی جسم میں تازگی و شادابی سے نوازا تھا۔ کردار کے حساب سے وہ نکھرے ہوئے موتی تھے۔ وہ مسلمانوں کی آزادی کے لیے ہر وقت مصروف خدمت تھے۔ ان کا وقار سونے یا شیشے کے بنے ہوئے برتنوں سے نہ تھا۔ ان کا کردار نفیس، اور نہایت نازک طرز کا تھا۔ اصول پر جمے رہنا اس کا یہ وصف بڑی اہمیت رکھتا۔ باوجود پھیپھڑوں کی علالت کے وہ بڑے متحرک تھے اور کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ وہ اس قدر علیل ہیں۔ یہی حال محترمہ فاطمہ جناح کا تھا۔ ان کا بچپن والدہ کی شفقت سے محروم تھا۔ جوان ہوئیں۔ جوانی کی رعنائی سے دور رہیں حسن و جمال کے باوجود شادی کا نہ سوچا، لباس ہمیشہ اچھا رہا۔ لیکن باریک لباس کبھی نہ دیکھا، مہمان نوازی کے اطوار خوشگوار طریقے سے پہچانتی رہیں۔ ان کی شخصیت میں قائد اعظم کی آمیزش تھی، وہ تازہ دم ہو کر قائد کی مدد کرتی رہیں، یہ ان کی بھائی سے محبت اور حکمت تھی بڑے حوصلے اور صبر آزما وقت کے ساتھ بھائی کی علالت کی دیکھ بھال کی گویا انہوں نے دنیا کی دولت حاصل کر لی۔ فاطمہ کے کردار کی پاکیزگی کی ایک مثال ہے بے شمار دفعہ شدت کی ٹینشن اور ہندو مسلم فساد کے ہولناک واقعات دیکھے۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اتنی مضبوط رہیں کیونکہ ان کی رگوں میں پٹھوں میں، جوڑوں میں جناح پونجا کا خون تھا۔ جس کی ایک لاثانی مثال محمد علی جناح بھائی تھا۔

محترمہ (وہ) بات چیت میں حلیم تھیں اور بات بڑی حکمت کے ساتھ کرتیں، ان

کے ہر بیان میں ایک سبق، ہدایت، تاریخ ہے وہ قوم کو متحد رہنے پر زور دیتی تھیں، انہوں نے کبھی انتشار یا گمراہی کی جانب ہاتھ نہیں بڑھایا۔ وہ بھائی کی اطاعت میں آگے بڑھتی تھیں، اس کا عمل محمد علی جناح کے تابع تھا لیکن وہ سیاست مشاورت کرتی تھیں اور عورتوں کی حمایت کھل کر کرتی تھیں۔

فاطمہ جناح کو معلوم تھا کہ یہ ایکسریز ڈاکٹر جال پٹیل نے جون 1946ء میں اپنے کلینک میں تیار کیے تھے اور 1938ء سے لے کر آخر وقت تک قائد کی صحت گرتی رہی اس کی وجہ پھیپڑوں یعنی عمل تنفس کی کارکردگی غیر تسلی بخش تھی وہ سانس ٹھیک طرح نہیں لے سکتے خون میں آکسیجن کی آمیزش کم ہوتی تھی، قوت مدافعت کم ہو چکی تھی، بھوک کم لگتی تھی، تھکاوٹ تھکن نکاہت زیادہ ہو چکی تھی، فاطمہ جناح کو ہمیشہ ان کی صحت کیلئے فکرمند رہتی تھی، اور صحت کے محاذ پر وہ چوکس تھیں اور یہ ان کے پیشے کا راز تھا، جس راز سے وہ بھائی کی بیماری سے منسلک رہیں۔

دوسری جنگ عظیم سے قبل جرمنی گئے تو برلن میں ان کو پلوری مرض کی پیچیدگی کا زور ہوا۔ اکثر ان کو پھیپھڑوں کی خراش رہتی۔ جس کی بدولت کمزوری بڑھتی گئی سانس کی تکلیف بڑھتی گئی کیونکہ وہ تقاریر بہت طویل کرتے تھے۔ اسی طرح شملہ سے آتے ہوئے مئی 1946ء میں قائد اعظم کو عمل تنفس کی تکلیف بڑھی اور فاطمہ جناح کے ساتھ ٹرین میں بمبئی کی طرف سفر کر رہے تھے۔ ٹرین میں ہی تار کا بندوست کیا گیا، اور بمبئی سے ڈاکٹر پٹیل کو فوری طور پر اسٹیشن پر طلب کیا گیا، یہ کیفیت بڑی مایوس کن تھی قائد اعظم کے بارے میں ڈاکٹر کو خطرہ ہو گیا۔ اگر قائد اعظم محمد علی جناح بمبئی گرینڈ ویل روڈ اسٹیشن پر اترتے ہیں جہاں پر ان کے استقبال کے لیے لوگ منتظر کھڑے ہیں تو قائد اعظم اس رش میں بے ہوش ہو سکتے ہیں، لہٰذا ڈاکٹر پٹیل نے فیصلہ یہ کیا کہ پچھلے چھوٹے اسٹیشن پر گاڑی روکی وہاں سے ان کو اتار کو ہسپتال لے جایا گیا، یہ ڈاکٹر پٹیل کا دوسرا دیانتداری کا کارنامہ تھا، اس نے اتنی گرتی ہوئی صحت کو لوگوں سے مخفی رکھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے قائد اعظم کو تاکید کی کہ اپنے کام کو کم کریں اگر ایسا نہ کیا تو زندگی ایک یا دو سال سے آگے نہیں چل سکتی۔ یہ بات انہوں نے فاطمہ کی موجودگی میں کہی، قائد اعظم نے ایسی ترش خبر کو بڑی تحمل مزاجی سے سنا اور وہ قائد اعظم کے لیے سینی ٹوریم میں جگہ سوچ رہے تھے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ لارڈ ویول وائسرے ہند، ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند سے قبل اپنی ڈائری 10 جنوری اور 28 فروری 1946ء میں لکھتے ہیں کہ جناح بیمار آدمی ہیں۔ لیکن ان کو ان کی بیماری کا علم نہیں۔ مزید مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی اکلوتی بیٹی دینا کو بھی تپ دق کے مرض کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا۔ یہ بات دسمبر 1973ء میں انہوں نے ایک انٹرویو میں کہی تھی، کیونکہ قائداعظم آزادی کو اپنی موت کے ساتھ منسلک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی نفرت، قتل و غارت اور اقتصادی بدحالی کو برداشت نہیں کرنا چاہتے تھے ان کا زیادہ وقت مسلم لیگ کی تنظیم نو اور مسلم لیگ کی تنظیم نو کو مضبوط بنانے میں گزرا۔ خوش قسمتی سے ان کو رفاقت اچھے کارکنوں کی میسر رہی۔ بہن ساتھ تھیں اور وہ اس جنگ کو فتح کرنا چاہتے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنی صحت کا کبھی خیال نہیں کیا۔ ان کی مصروفیت کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ ایک طرف سر فضل حسین پنجاب میں دردِ سر تھے دوسری طرف کانگریسی مسلمان (نیشنلسٹ) کانگریس کے ساتھ تھے۔ کانگریس ہر لحاظ سے متحرک جماعت تھی۔ کانگریس کے عہدیدار ہندو سکھ و دیگر نمائندے بڑا سیاسی شعور رکھتے تھے قائداعظم کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ جدا جدا سیاسی میٹنگ کرنی ہوتی تھیں اور ساتھ ہی حکومت برطانیہ کی مسلمانوں کے خلاف پالیسی پر نقطہ چینی کرنا ہوتی تھی۔ وہ مسلمانوں کے لیے انصاف کے لیے لڑتے رہے اسی وجہ سے مسلم لیگ نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو 1946ء کے انتخابات میں سنبھالا اور مسلم لیگ ایک بامقصد باوقار مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن گئی۔ آپ قائداعظم کے اجلاس بمبئی 1922ء علی گڑھ 1925ء دھلی 1926ء کی کاروائی کا مطالعہ کریں کہ جس میں قائداعظم نے کئی قرار دادیں پیش کیں۔ 1926ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کو تبدیل کرنے کے لیے رائل کمیشن کی تشکیل پر زور دیا، لہٰذا اس کے بعد ان کے جگہ جگہ پر دورے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

(تحریر: از پروفیسر ایم اے صوفی 10 مئی 2003ء)



زیارت ریذیڈنسی جہاں قائداعظمؒ اور مادرِ ملت نے آخری دن گذارے

یہ رہائش گاہ تقریباً ایک سو ساٹھ برس پرانی ہے۔ جہاں قائداعظم نے آخری ایام گزارے۔ آپ کی تیمارداری دیکھ بھال ڈاکٹروں سے رابطہ محترمہ فاطمہ جناح کرتی تھیں۔
تقسیم ہند سے قبل یہ عمارت گورنر جنرل کے نمائندہ کے لئے تھی۔ کیونکہ بلوچستان صوبہ نہ تھا۔ اس کی تعمیر ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ اس وقت پر ۱۲,۳۹ روپیہ اخراجات آئے تھے۔ سطح سمندر سے ۷,۲۰۰ فٹ اونچائی پر ہے۔

کوئٹہ سے یہ مقام ایک سو پانچ کلومیٹر دور ہے۔ اس علاقہ میں جنیپر **Juniper** چیڑ کے لاتعداد درخت پانچ سو سال پرانے ہیں۔ لیکن آج کل ان پر وائرس کا حملہ ہو رہا ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ ڈرائنگ روم، کھانے کے کمرے، دو بیڈ روم، ملحق غسل خانے اس کے پہلی منزل پر باورچی خانہ، سٹور ہے۔ پہلی منزل چار بیڈ روم، ایک نو فٹ کی گیلری ہے۔ عمارت کے سامنے لمبے درخت، سبز گھاس رنگ برنگ پھولوں کی کیاریاں ہیں۔

راقم اور اہلیہ ڈاکٹر مسز اقبال صوفی وومن میڈیکل آفیسر زیارت / سبی میں اگست ۱۹۶۴ء سے لے کر نومبر ۱۹۶۷ء تک رہیں۔ ہم اکثر ریذیڈنسی جاتے اور اس عمارت کی عظمت سے محظوظ ہوتے اور مالی چوکیداروں سے حالات قائداعظم دریافت کرتے۔ مغربی پاکستان کے زمانے میں زیارت کی اس عمارت میں کمشنر اور ان کے مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔

قائد اعظم کی علالت اور فاطمہ جناح کا کردار

ہم قائد اعظم کے آخری ایام بیماری کے بارے میں ذکر کریں گے ساتھ ہی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ قائد کا کردار کیا تھا اور اب ہمارا کیسا ہے محترمہ فاطمہ جناح مادر ملت کی قربانیاں کیا تھیں اور ہمارا سلوک کیا تھا؟

قائد اعظم کا علاج و معالجہ کا موازنہ آپ آج کل کے لیڈروں سے کریں کہ قومی خزانہ سے 15 کروڑ سے زائد رقم علاج پر خرچ کی جاتی ہے۔ اخبارات میں آپ نے دیکھا ہوگا قومی خزانہ کس طرح خالی ہوتا ہے، اور قائد نے خرچ کرتے وقت کیا کیا آج کل پروٹوکول پر کتنا خرچ ہوتا ہے قائد نے کیا کیا؟

گھروں اور دفتروں کے فرنیچر پر کس قدر اخراجات اور قائد کی رزیڈنسی کوئٹہ میں عام فرنیچر، نرس پر رقم خرچ کرنے سے روکنا، پائجامے نہ بنوانا، کام کام کام اور وہ کام کرتے رہے، اور ہم چھٹی چھٹی اور چھٹیاں اور وہ عملی اسلام کے پیرو تھے اور مسلمانوں سے محبت، کشمیر، فلسطین کے مظلوموں سے الفت آخری دم تک۔ اور ہم کیا کر رہے ہیں؟

قائداعظم کے آخری ایام
اور محترمہ فاطمہ جناح

میری زیست کو جس قدر سنہرا افق میسر آیا ہے یا میں جس منزل پر ہوں وہ سب کچھ الحمد اللہ میری ماں کی دعاؤں سے ہے۔ میرے اس خیال میں ہر طرح کی صداقت ہے اور یہی میرا ضمیر ہے کہ ماں جیسی مقدس ہستی سے کسی کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ فاطمہ جناح نے ماں جیسا اپنا وقار رکھتے ہوئے ہماری سوچ میں ایسی تبدیلی کی کہ ہم روشن خیالی کو اپنا سرمایہ حیات تصور کرتے ہیں۔

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح

کیا پیارا نام ہے۔ مادرِ ملت فاطمہ جناح ساری ملت کی ماں، جس کی ان گنت قربانیوں سے ہم 14 اگست 1947ء کو باوقار قوم بن گئے۔ مادرِ ملت کی منزل اپنے دور میں برصغیر کے بہت بڑے رہنما حضرت قائداعظم محمد علی جناح بھائی کی معاونت کرنا تھی اور جس کی رہنمائی میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان وجود میں آئی۔ محترمہ کی زندگی میں کمال کا انقلاب تھا ڈینٹسٹری کا پیشہ اختیار کیا تاہم 22 فروری 1929ء کو اسے خیر باد کیا پھر اٹھتے بیٹھتے، چلتے، سوتے جاگتے، ہر قدم پر ملت کے پاسبان کا ساتھ، گویا بھائی کے ساتھ بھائی کی طرح کندھا ملا کر اسی طرح چلیں کہ تحریک پاکستان کی تاریخ کا اہم باب

ہو گئیں۔ ان کی شفقت مادری ایسی ہے کہ ہمیں فخر ہے کہ وہ ہماری ملت کی ماں ہیں۔

وہ فاطمہ ہیں

ان کا اسم گرامی سید المرسلین ختم النبیین حضور ﷺ کی چہیتی بیٹی کے نام پر ہے وہ پوری قوم کا اثاثہ تھیں ان میں خودداری قابل فخر حد تک تھی غلامی سے نجات دلانے والے قائد کا ساتھ دیا اور قائد نے خود ایک موقع پر فرمایا۔

> ''فاطمہ کا مجھ پر بڑا احسان ہے انہوں نے میری دیکھ بھال کی اور ہر تحریک اور سیاسی سرگرمیوں میں میرا ساتھ دیا۔''

بے شک مادر ملت کا کردار قابل تحسین اور قابل فخر ہے، وہ کفایت شعار اور سادہ تھیں حب الوطنی اور محنت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قائد اعظم نے ایک اور جگہ فرمایا کہ ''میری بہن فاطمہ نے طویل عرصہ تک میری خدمت کی اور مسلم خواتین کو بیدار کر کے مجھ پر احسان کیا ہے۔''

ایک وقت تحریک پاکستان کے دوران ایسا آیا جب قائد اعظم برصغیر کے حالات سے مایوس ہو کر انگلستان چلے گئے مایوسی کے ان ایام میں محترمہ فاطمہ جناح ہی تھیں جنہوں نے مسلسل قائد اعظم کو ان کی قائدانہ حیثیت یاد دلائے رکھی کہ آپ کی قیادت کی ہندوستان کے مسلمانوں کو بہت ضرورت ہے لہذا علامہ اقبال کی خط و کتابت کے بعد مشکل پیش نہ آئی کیونکہ فاطمہ نے میدان ہموار کر رکھا تھا۔ قائد اعظم مسلم قوم کی یک جہتی سیاسی تعمیر و ترقی کے لیے لندن سے واپس تشریف لے آئے۔

بھائی کی طرح محترمہ فاطمہ جناح نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا اور اس کا اثر کافی مثبت ہوا وہ مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی میں پیش پیش تھیں، نہایت شائستگی سے گفتگو کرتیں اور طبیعت میں ظلم و تشدد برداشت کرنا نہ تھا اپنے حسن سلوک اور تدبر سے بھائی کے گھر کو آرام کا نمونہ بنا رکھا تھا قائد اعظم جب تھک کر گھر آتے تو ان کو بہت زیادہ آرام کی ضرورت ہوتی۔ فاطمہ جناح اہتمام کرتیں۔ وہ اکثر علاج کے لیے بھائی سے کہتی تو جواب میں کہا جاتا۔

"فاطمی مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے علاج میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا"

لہٰذا وہ تعلیم یافتہ تھیں پروفیشن کے اعتبار سے ڈینٹسٹ تھیں انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کی سیاسی تربیت قائد اعظم کے ساتھ رہ کر ہوئی، ان ہی سے قومی جذبوں سے شناسائی حاصل کی ساری اپوزیشن پارٹیوں کی جانب سے وہ مقبول ترین لیڈر منتخب ہوئیں۔

وہ ڈینٹل سرجن تھیں

انہوں نے ڈینٹل سرجری کا لائسنس کورس احمد ڈینٹل کالج کلکتہ سے کیا اور ڈینٹل سرجری کی پریکٹس کی 1913ء میں اپنا کلینک بنایا۔ ساتھ میونسپل کمیٹی کے کلینک کو بھی بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کر رکھی تھیں۔ بڑی خوش اسلوبی سے سات سال تک کلینک چلایا وہ غریبوں کا علاج مفت کرتیں تھیں۔ ماہرفن کی حیثیت سے کردار ادا کیا (حرص زر) کو اپنا مقصد نہیں بنایا۔ 1929ء جب بھابھی کا انتقال ہوا یعنی قائد اعظم کی اہلیہ کا تو انہوں نے اپنا کلینک سمیٹا اور بھائی کی سرگرمیوں کو تقویت دینے کی ٹھان لی، حالانکہ ان کو بچپن سے ڈینٹسٹری کا ہسپتال کھولنے کا بڑا شوق تھا۔ 3 سالہ کورس کرنے کے بعد عبدالرحمٰن سٹریٹ بمبئی میں ڈینٹل کلینک کھولا اور ایک مفت کلینک دھوبی گھاٹ تلاؤ گرگام روڈ پر تھا۔ آپ اندازہ لگایئے پیشے سے محبت اور قوم سے کس قدر محبت، لہٰذا وہ ڈینٹل سرجن بھی ماں کے ادب میں تھیں۔

قائد اعظم کے آخری ایام

قائد اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان کے آخری ایام کو جاننے کے لیے ان کی گذشتہ سالوں کی زندگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ قائد اعظم کا ایک سفر لندن، ممتاز حسن احسن نے اپنے تاثرات میں جہاز کے اندر ان کے کام کی نوعیت اور اپنے مشاہدات کا اظہار قائد اعظم کی شخصیت کا کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ لندن کے سفر پر گئی اور اہم شخصیات نے بھی ڈرگ روڈ کے ہوائی اڈے سے روانہ ہونا تھا۔ جس میں لارڈ ویول، سرفرانسیس موڈی، گورنر سندھ تھے سردار بلدیو سنگھ، پنڈت جواہر لعل نہرو ائر پورٹ پر موجود تھے آخر میں وقت مقرر پر قائد اعظم ائر پورٹ پر تشریف لائے اور جہاز میں آگے کی اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ قائد اعظم

کے پیچھے جواہر لعل نہرو تھے قائد اعظم نے جہاز کی کچھ اڑان کے بعد اپنا مخصوص مونوکل لگا لیا اور پورے انہماک کے ساتھ کاغذات کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ پنسل سے کاغذ پر نشان لگاتے جاتے۔ (ہم نے زیادہ تر کرنل الٰہی بخش کی کتاب سے اقتباسات لیے ہیں۔)

انہوں نے اپنا وقت فضول باتوں میں نہیں ضائع کیا سفر کے دوران قائد اعظم نے 21 گھنٹے کم و بیش کام کیا وہ دبلے پتلے کمزور ساٹھ برس کے اوپر کے انسان تھے اتنا کام بھی قائد ہی کر سکتا ہے جہاز کی تھکن کے باوجود صبح پھر باقاعدہ حجامت کی غسل کیا اور دوپہر تک کام کرتے رہے۔ قائد اعظم لندن میں 7 بجے صبح اٹھتے تھے 8 بجے تک کپڑے پہن کر اور اخبار پڑھ کر اپنی ڈاک خود دیکھتے اور ہر خط کا جواب خود دیتے یا لکھواتے۔ قائد اعظم نے زندگی میں بہت کام کیا اور اس بات کا اظہار انہوں نے اپنی علالت کے دوران کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش سے پہلی بار مخاطب ہو کر یوں کہا۔

> ''ڈاکٹر مجھے کوئی زیادہ تکلیف نہیں ہے ماسوائے اس کے کہ میرے معدہ میں کوئی خرابی ہے جو زیادہ کام اور کام کی فکر سے ہے (رک کر) میں 16 برس سے روزانہ 14 گھنٹے کام کرتا رہا ہوں میں نے تو نہ آرام اور نہ خوراک کا کبھی خیال کیا اور نہ یہ کہ مجھے کیا بیماری ہے؟ چند سالوں سے مجھے بخار اور کھانسی کے حملے ہوئے میرے بمبئی کے ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ مجھے عام پھیپھڑوں کی سوزش (Bronchitis) ہے۔ مجھے آرام کا مشورہ دیتے رہے اور ساتھ کچھ علاج کرتے رہے میں شفایاب ہوتا رہا مگر گذشتہ دو سالوں سے کھانسی اور بخار کے حملوں میں تندہی اور زیادتی آ گئی ہے جس سے مجھے زیادہ کمزوری لاحق ہو گئی۔''

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پرنسپل اور پاکستان کے نامور اور مشہور معالج کرنل الٰہی بخش قائد کی باتیں منہمک طریقے سے سن رہے تھے بعد میں انہوں نے بحیثیت ایک فزیشن کے اپنے مشاہدوں کو تحریر کیا جیسے قائد اپنی میڈیکل ہسٹری کا جائزہ سنا

رہے تھے پروفیسر الٰہی بخش بیان کرتے ہیں قائد مشکل سے سانس لیتے اور فقرہ کہتے ہوئے درمیان میں رکتے۔ ان کا منہ خشک ہو جاتا اور لعاب دہن کم، قائد اپنے ہونٹوں کو اپنی زبان سے نم کرتے بعض اوقات ان کی آواز کم ہوتی اور سمجھنا مشکل تھا بات کرتے ہوئے کئی بار انہیں کھانسی ہو جاتی جو نقاہت پیدا کرتی تھی وہ خاموش ہوتے، رکتے کبھی وہ آنکھیں بند کرتے، پھر کھولتے اور یوں فرماتے!

> ''کہ تین ہفتے قبل مجھے سردی سے بخار ہوا اور کھانسی ہوگئی اور پیٹ میں تکلیف، سول سرجن ڈاکٹر صدیقی صاحب کوئٹہ نے مجھے ہاضمے والا مکسچر تجویز کیا جو میں نے استعمال کیا سردی میں کمی تو ہوگئی مگر مجھے کمزوری محسوس ہو رہی ہے قائد نے مزید کہا میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی گھبرا دینے والی تکلیف نہیں ہے۔ میرا جو بلغم ہے یہ شاید میرے معدے سے آتا ہے۔ اگر میرا معدہ ٹھیک کر دیا جائے میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

پھر فرمایا! کچھ سال قبل مجھے خرابیٔ معدہ کی تکلیف ہوئی میں نے لندن کے دو تین ماہر سپیشلسٹ سے رابطہ قائم کیا میرے مرض کی وہ تشخیص نہ کر پائے اور مجھے تسلی نہ دے سکے، بلکہ ساتھ ہی مجھے معدہ کا اپریشن کرانے کی ترغیب دی جس سے میں نے اتفاق نہ کیا جب مجھے جرمنی جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے ڈاکٹر کی رائے لی اور اس نے مجھے آرام اور خوراک کے اوقات کا کہا خوراک وقت پر کھانے پر زور دیا کچھ ہفتے میں نے اس کلینک پر گزارے اور میں مکمل ٹھیک ہو گیا 1934ء میں مجھے بمبئی کے ڈاکٹر نے کہا کہ مجھے عارضہ قلب ہے مگر جرمنی کے اس ماہر فزیشن نے تسلی دی کہ میرا قلب بالکل نارمل کام کرتا ہے قائد اعظم ہمیشہ بات مختصراً کرنے کے عادی تھے اور اپنی بیماری کی تاریخ کو بھی نہایت جامع طریقے سے بیان کیا جو عمل تشخیص میں بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔

کرنل الٰہی بخش (اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 5 پر تحریر کرتے ہیں) 24 جولائی 1948ء کو قائد کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ قائد اعظم بہت ہی نحیف دبلے پتلے ہیں معائنہ

کرتے ہوئے مجھے فکر لاحق تھی کہ باقاعدہ تشخیص کے لیے دوسرے تشخیصی عوامل کا ہونا لازمی ہے مثلاً پیتھالوجی ٹسٹ، ایکسریز وغیرہ، ڈاکٹرز نے قائد کی تمام باتوں کو سن کر کہا ہم آپ کے معدے کے اوپر زیادہ توجہ دیں گے، اور ہم نے محترمہ مس فاطمہ جناح جو خود سند یافتہ ڈینٹل سرجن تھیں کو اپنے (Confidence) اعتماد میں لے کر بات کو آگے بڑھایا کہ قائد کے خون میں سرخ خلیوں کی کمی ہے اور فشار خون یعنی بلڈ پریشر بھی کم ہے ان کی خوراک پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، محترمہ فاطمہ جناح کے تعاون سے ہم نے ان کی خوراک میں جوس اور سوپ میں اضافہ کیا جس سے ان کی قوت میں قدرے اضافہ ہوا۔ ہم نے یہ تجویز کیا کہ ان کی خوراک میں وہ اجزا شامل کیے جائیں جس میں کافی مقدار میں حرارے ہوں اور طاقت رکھتے ہوں۔

ناشتہ میں (Boiled) ابلا ہوا انڈا یا آملیٹ ڈبل روٹی مکھن کے ساتھ کافی یا چائے جس میں دودھ زیادہ ہو۔ گیارہ بجے پھل کا جوس، مرغی کا گلا ہوا گوشت یا مچھلی ابلی ہوئی اور ہرے مٹر ابلے ہوئے، ابلے ہوئے آلو یا مٹر اور تھوڑی سی میٹھی چیز ہونی چاہیے، اسی طرح شام کی چائے کے ساتھ بسکٹ اور رات کو کھانے میں لنچ جیسی چیزیں شامل ہوں تاکہ ان میں کچھ طاقت آئے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو ایسی خوراک دینے میں ہچکچاہٹ تو تھی کہ وہ کیسے ہضم کریں گے لیکن چونکہ وہ ڈاکٹر تھیں اور مریض کو زیادہ کیلوریز والی خوراک کو نظرانداز نہیں کرسکتی تھیں، ساتھ ہی ہاضمے کی دوائی بھی تجویز کی اور آرام اور خوراک اور دوائیوں پر زور دیا۔ اس طرح خوراک کے ذریعہ جسم میں کچھ طاقت آئی۔

زیارت کوئٹہ سے 78 میل کے فاصلے پر واقع ہے سڑک اس وقت اچھی نہیں تھی نہ کچی نہ پکی۔ اتفاق کی بات ہے کہ راقم کو بی ڈی ایس گریجوایشن 1956ء کرنے کے بعد سول ہاسپٹل کوئٹہ میں ڈینٹل سرجن تعینات کیا گیا جو سارے بلوچستان کا بڑا ہسپتال تھا سینڈیمن کے نام سے مشہور ہے 3 جون 1961ء کو میرا نکاح میری اہلیہ ڈاکٹر مسز اقبال صوفی سے ہوا شادی کے بعد ہم لاہور آ گئے اور دوبارہ مغربی پاکستان حکومت نے ہمیں ڈاکٹر این، ڈی محمود پیتھالوجسٹ کوئٹہ کمپاؤنڈر اور لیبارٹری کے سیمپل (Sample) ٹیسٹ کرنے

والوں کے ساتھ رفاقت سول ہسپتال۔ 20 اگست 1962ء میں ہم دونوں میاں بیوی کو زیارت تعینات کر دیا گیا جہاں سے میں 1965ء کے آخر میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان کے لیے روانہ ہو گیا۔

1964ء میں زیارت میں نہ تو کوئی پرائیویٹ ڈاکٹر تھا اور نہ ہی تربیت یافتہ کمپاؤنڈر یا نرس تھی میری اہلیہ جو ایم بی بی ایس لیڈی ڈاکٹر تھیں جبکہ مرد ڈاکٹر ایل ایس ایم ایف اور میرا عہدہ ڈینٹل سرجن تھا سبی زیارت میرے دفتر کا سامان کچھ نہ تھا، ڈاکٹروں کا دفتر یا ہسپتال کوئی خاص نہ تھا، بجلی نام کی چیز زیارت میں نہ تھی اور ریذیڈنسی میں جہاں قائد اعظم رہائش پذیر تھے۔ جرنیٹر چلا کر بجلی پیدا کی جاتی تھی اور 1948ء میں اس جگہ کی کیا کیفیت ہو گی کہ اتنی دیرینہ علالت اور ناقابل بیان نقاہت کے ساتھ زیارت اور کوئٹہ جیسی جگہوں کو مکمل آرام کے لیے چنا گیا جہاں پر میڈیکل سہولیات ناپید تھیں اور ساتھ ہی درمیان میں یکم جولائی 1948ء کو بانی پاکستان کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کے لیے کراچی آنا ہوا اور کئی سرکاری امور اور تقریبات کو نپٹا کر 6 جولائی 1948ء کو واپس کوئٹہ چلے گئے۔

اگر قائد اعظم کی قدیم علالت پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ مرض کافی پہلے سے ان کے جسم میں سراعت کر گیا تھا کیونکہ وہ کام کرنے کے زیادہ عادی تھے اور خوراک کی پرواہ نہیں کرتے تھے جب کبھی محترمہ فاطمہ جناح ان کو ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دیتی تو وہ کہتے کہ آئی کین ناٹ ویسٹ مائی ٹائیم۔ ''میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا، مجھے بہت کچھ کرنا ہے'' قائد نے اپنی قوت ارادی سے اپنے جسم کی کمزوری اپنے دماغ پر غالب نہیں ہونے دی۔ اس وقت کوئٹہ میں اے۔ آر خان کمشنر تھے اور میجر جنرل اکبر خان جنرل آفیسر کمانڈنگ تھے۔

کرنل الٰہی بخش کے کہنے پر کوئٹہ سے ڈاکٹر صدیقی سول سرجن جو کہ ضلع کا سب سے بڑا منتظم ڈاکٹر ہوتا ہے اور اپنے ساتھ ڈاکٹر محمود اور لیبارٹری کا سامان لے کر پہنچ گئے اس سے قبل ڈاکٹر صدیقی صاحب قائد کو دیکھ چکے تھے اور علاج کے لیے لکچر دیتے تھے مگر قائد کا معائنہ نہ کر سکے رعب کی وجہ سے۔ 25 جولائی 1948ء کو اپنی لیبارٹری کے نتائج سے آگاہ کیا جو کہ ہم نے مس فاطمہ جناح سے، تبادلہ خیال کیا وقت گزرتا گیا اور ساتھ وہ اس

مرض پر قابو پانے کے لیے اظہار خیال کرتی رہیں کہ کس طرح انکا بھائی ''رہبر قوم'' صحت یاب ہو جائے۔ ہم نے یقین دہانی کرائی کہ ہم اپنے محبوب قائد کا علاج منہمک ہو کر کریں گے ہم ان کی چھاتی کا ایکسرے لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں مس فاطمہ جناح کی تشویش میں اضافہ ضرور ہونا تھا، اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا بھی ضروری تھا وہ بولیں کہ کاش میرا بھائی میری بات سن لیتا اور آرام فرمالیتا تو آج ایسی ناگفتہ بہ صورت نہ ہوتی۔ زیارت اور کوئٹہ کے مقام میں ٹھہرنا پڑا۔ پھر یہ صورت پیدا ہوئی، ہم نے مس فاطمہ جناح کو تسلی دی کرنل الٰہی بخش لکھتے ہیں کہ فاطمہ جناح سے تبادلہ خیال کرنا ضروری تھا کیونکہ سب سے زیادہ خدمت گزاری میں قائداعظم کے بہت قریب تھیں۔

قائداعظم کو جب اپنی علالت کی کیفیت سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے فوراً ہی یہ سوال پوچھا کہ کیا آپ نے مس فاطمہ جناح کو بتا دیا؟ معالج نے جواب مثبت دیا جس پر قائد نے کہا۔

> ''آپ کو نہیں چاہیے تھا آخر کار وہ ایک خاتون ہیں ڈاکٹر نے کہا کہ یہ بتانا ضروری تھا ایک گھر کے فرد کو جو کہ ڈاکٹر بھی ہو آگاہی ضروری تھی قائد نے کہا جو ہو گیا اچھا ہو گیا یاد رہے محترمہ خود ڈینٹل سرجن تھیں پھر کرنل صاحب لکھتے ہیں کہ قائد نے مجھ سے سوالات کیے؟''

کتنے عرصے سے مجھے یہ مرض ہے؟ اس کے اچھا ہونے کے ممکنات کیا ہیں؟ علاج میں کتنا عرصہ لگے گا؟ مجھے ہر چیز سے آگاہ کریں اور ساری سچائی مجھے بتائیں۔ کرنل صاحب نے جواب دیا میں ایکسرے کے نتائج کے بعد کچھ بتاؤں گا آپ جدید ادویات استعمال کریں آرام کیا جائے امید ہے کہ آپ کی صحت میں کافی آفاقہ ہو گا۔

لاہور میو ہسپتال کے شعبہ ایکسریز کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر ایس ایس عالم اور پیتھالوجی شعبہ کے ماہر ڈاکٹر غلام احمد صاحب کو بذریعہ تار زیارت آنے کی دعوت دی گئی تاکہ وہ اپنے مشاہدات کر کے بابائے قوم کی بیماری کی تشخیص میں ہاتھ بٹائیں۔ ساتھ ہی نئی ادویات کے لیے کراچی تار دیا گیا ڈاکٹر عالم صاحب اپنی ذاتی پورٹیبل ایکسریز

(Portable X-Rays) مشینیں ساتھ لائے اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب نایاب ٹیسٹ کرنے کا سامان لے کر زیارت پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے کسی ٹیسٹ یا ایکسریز کی خبر کسی چھوٹے کارندے تک بھی نہیں جانے دی خود سارے کام کیے ایک غسل خانہ کو ڈارک روم بنایا گیا۔ ڈاکٹر ایس ایس عالم خود ایکسریز تیار کرتے اور غلام محمد خود خورد بین کا معائنہ کرتے تھے یہاں ڈاکٹرز حضرات کا بڑا رول ہے کہ انہوں نے قائد کی بیماری کا ذکر یا اس کی تفصیل کسی کے ہاتھ نہ لگنے دی صرف محترمہ ڈاکٹر فاطمہ جناح اور قائداعظم کو علم تھا۔ ورنہ یہ تشخیص دشمنان پاکستان کے ہاتھ آجاتی تو پاکستان کا وجود میں آنا مشکل ہو جاتا۔ پاکستان حسب پروگرام 14 اگست 1948ء کو اگر معرض وجود میں آتا تو قائداعظم کے پاس 26 دن ہوتے بیماری کا علم کسی کو نہ تھا۔ چونکہ قائداعظم خوش لباس تھے ڈسپلن کے حامی تھے۔ ریگولر تھے۔ چاق و چوبند، قوت ارادی سے رہتے تھے، لہٰذا کوئی آدمی بیماری کی نوعیت سے واقف نہ تھا اور ڈاکٹروں کی ٹیم نے اپنے کردار اور مخلص ہونے کا ثبوت یوں دیا کہ بیماری کی خفیہ بات کسی تک نہ جا سکی۔

نرس کی ضرورت

ایسی طویل بیماری میں علاج کو جاری رکھنے کے لیے باقاعدہ ٹرین نرس کا ہونا بڑا لازمی ہوتا ہے۔ بستر کا خیال، نبض، بلڈ پریشر حرارت، ادویات کا وقت پر دینا اور ڈاکٹر کو کال کرنا۔ ٹیسٹ لیتے وقت مددگار ہونا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنا تجربہ بیان کر چکے ہیں کہ 1964ء تک سول ہسپتال سبی زیارت ضلعی ہسپتال میں جہاں میری اہلیہ انچارج تھی کسی نرس کا وجود نہ تھا، لیڈی کمانڈر اور مڈوائف یعنی دائی ہوتی تھی، تو 1948ء میں کیا کیفیت ہو گی؟ پاکستان بننے کے بعد آہستہ آہستہ مسلمان لڑکیاں نرسنگ کرنے لگ پڑیں۔ اس پیشہ میں ہندو یا عیسائی مذہب کی لڑکیاں ہوا کرتی تھیں حالانکہ اسلامی جنگوں میں خواتین جنگ میں ساتھ ہوتیں۔ مرہم پٹی زخموں کی کرتیں تھیں، اس پیشہ کو حقیر سمجھا گیا لہٰذا پاکستان بن جانے کے بعد مسلمان لڑکیاں نرسنگ کرتے وقت گھبراتی ہیں اب کچھ کام آگے بڑھ گیا ہے یہی حال کوئٹہ سینڈیمن سول ہسپتال کا تھا۔ نرسز بہت کم تھیں۔

قائد اعظم کو معالج نے ہر ایسی چیز کے لیے قائل کرنا ہوتا تھا، اگر وہ قائل ہو جاتے تو معاملہ ٹھیک ورنہ کام مشکل تھا۔ جب نرس رکھنے کی تجویز قائد کے سامنے آئی فوراً آپ نے انکار کر دیا کہ سارے کام نوکر اور پھر ''فاطمی'' کر رہی ہے۔ نرس کی کیا ضرورت ہے؟ قائد نے استفسار کیا کہ کسی ڈاکٹر کی ڈیوٹی لگا دیں وہ چیک کر لیا کرے گا، لہٰذا ان کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک لیڈی کمپاؤنڈر کو نبض اور حرارت ریکارڈ کرنے کی اجازت مل گئی۔ ان کو ساتھ مملکت کے اخراجات پر نظر تھی۔

لیڈی کمپاؤنڈر کو قائد کی شاباش

نرس/لیڈی کمپاؤنڈر تجربہ کار ہونے کے علاوہ بڑی ڈسپلن والی میسر آئی، جب وہ تھرما میٹر سے قائد کی حرارت کا ریکارڈ کرتی تو قائد نے پوچھا کہ ''ٹمپریچر کتنا ہے؟ لیڈی کمپاؤنڈر نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر بتانے سے قاصر ہوں۔''

قائد کو خوشی ہوئی اور شاباش دی۔ یہ ایک اچھے ڈسپلن کی مثال ہے اسی دن ایم۔ایم اصفہانی امریکہ سے آئے ہوئے تھے انہوں نے بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا اور امریکہ سے کسی قسم کی دوائی یا ڈاکٹر کی پیشکش کی۔ مگر قائد اپنے معالج کے علاج اور رویہ سے مطمئن تھے۔ اصفہانی جب رخصت ہو گئے یہاں پھر پاکستان کے مالی وسائل ان کے سامنے تھے۔ 14 اگست 1947ء کو گورنر جنرل ہاؤس میں صرف دو کاروں سے کام لیا گیا

گرم پائجامے کی ضرورت

زیارت کا موسم خنکی والا ہو جاتا ہے، سطح سمندر سے بلندی پھر ارد گرد پہاڑ، اور جنگلات موجود ہیں ہوا اکثر خشک ہوتی ہے اور قائد اعظم کے لیے گرمائش والے کپڑے ضروری تھے۔

گرم پائجامے کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنل الٰہی بخش نے لیڈی فاطمہ جناح سے ذکر کیا کہ قائد کسی وقت جسم کو ڈھانپ نہیں پاتے خطرہ ہے کہ گرم پائجاموں کی عدم موجودگی کسی اور کپکپی اور سردی لگنے کا پیش خیمہ نہ بن جائے اور مزید چھاتی پر اثر انداز نہ

ہو جائے کیونکہ مریض کی قوت مدافعت بہت کم ہے، اور ساتھ ویلا کلاتھ (Wela Cloth) 30 گز منگوانے کے لیے کہہ دیا ہے، تا کہ پتلے پانجامے گرم پانجاموں سے تبدیل کیے جائیں جب کوئی نئی چیز تجویز کی جاتی تو مشکل ہوتی تو ضرور مگر کام چل جاتا۔

نفاست میں قائد لاجواب تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دو انسانوں کو اشیاء سے اچھے لباس پہننے کا دعویٰ تھا ایک پورا نہ کر سکا، ایک پورا کر گیا جو نہ کر سکا وہ گاندھی تھا جو پورا کر گیا وہ قائداعظم محمد علی جناح تھا۔

معالج نے قائد کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم آپ کے لیے گرم پائجامے تیار کرا رہے ہیں تا کہ آپ زیارت کی خنکی اور سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ یہ پتلے پائجامے آپ کی صحت کے لیے اچھے نہیں کیونکہ وہ نہایت پتلے ہیں اور سردی لگ جانے کا خطرہ ہے کیونک زیادت کا موسم ایسا ہے جہاں گرم پائجامے ضروری ہیں۔ جب میرے پاس پائجامے ہیں پھر کیوں خرچ کیا جائے۔ قائد نے جواب دیا۔

کاٹن کے روئی کے اس وقت بھی ہیں۔

معالج نے عرض کیا کہ میں نے گرم پائجاموں کا آرڈر دے دیا ہے قائد نے سنجیدگی سے مخاطب ہو کر کہا ''سنیئے میرے ڈاکٹر نصیحت پر عمل کریں جب بھی آپ کسی قسم کا خرچ مجھ پر کرنا چاہیں آپ دو بار سوچئے کہ واقعی یہ میرے لیے ضروری ہے اور اس کا خریدنا یا خرچ کرنا لازمی ہے یا نہیں؟ کیونکہ مملکت پاکستان نوزائیدہ ہے ایسے اخراجات کی متحمل ہو سکتی ہے؟

معالج نے جواباً عرض کیا حضور میں نے کئی بار سوچا اور آپس میں فاطمہ جناح سے مشورہ کیا آپ کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قدم اٹھایا کیونکہ وہ ضروری تھا۔ قائد بولے۔ ''اچھا میں مانتا ہوں۔ (مسکراہٹ کے ساتھ) ٹھیک ہے اگر علاج کے لیے ضروری ہیں تو۔

وزیراعظم لیاقت علی خان اور محمد علی کی زیارت میں بیمار پرسی

کرنل الٰہی بخش نے اپنی کتاب میں خان لیاقت علی خان کی آمد کو زیارت میں

یوں قلم بند کیا اور مجھ سے پوچھا گیا اور ساتھ تشویش ظاہر کی گئی اور مرض کی کیفیت دریافت کی گئی۔ معالج نے دونوں حضرات کو یقین دلایا کہ وہ ان کے علاج معالجہ کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ کرنل الٰہی بخش نے ان کو مزید یقین دلایا کہ نئی ادویات جو کراچی سے پہنچ چکی ہیں اس سے قائد کو ضرور فائدہ ہوگا۔ کرنل صاحب نے لیاقت علی خان کی تشویش کو محسوس کیا لیکن انہوں نے بیماری کے بارے میں کوئی تفصیلاً بات نہیں بتائی۔ یہ بات کہتے ہوئے سنا گیا کہ ریذیڈنسی کے برآمدے میں جناب محمد علی چودھری نے کرنل صاحب سے استفسار کیا کہ آپ کو سربراہ مملکت کی صحت کے بارے میں وزیراعظم کو آگاہ کرنا چاہیے۔ اس بات کا جب قائد کو علم ہوا تو انوہس نے یوں کہا۔ کہ میں بحیثیت سربراہ مملکت قوم کو اپنی صحت کی کیفیت کے بارے میں آگاہ کروں گا جب میں مناسب سمجھوں گا۔

ماہر فزیشن ڈاکٹروں کا مشورہ

ملک کے نامور تپ دق اور سینہ کے امراض کے ماہر ڈاکٹر ریاض علی شاہ ایکسرے کے ماہر ڈاکٹر ایس۔ ایس۔ عالم اور پتھالوجی کے ماہر ڈاکٹر غلام محمد اور کرنل الٰہی بخش نے آپس میں قائداعظم کی علالت اور تشخیص و علاج کے لیے تفصیل سے جائزہ لیا اور بعد ازاں ریذیڈنسی جا کر مس فاطمہ جناح سے ان ماہرین نے جن کا تعلق میو ہسپتال سے تھا تعارف کرایا گیا۔ رات کی رپورٹ کے مطابق قائد کو بھوک نہ لگنا، نبض کی رفتار کا زیادہ ہونا، کھانسی کا لگاتار رہنا اور رات کو بے چینی ہونا یہ سب باتیں محترمہ فاطمہ جناح کو بتائی گئیں ڈاکٹر ریاض علی شاہ کے ساتھ بحث ہوئی اس ماہر تپ دق کو قائداعظم کے کمرہ میں معائنہ کے لیے بھیجا گیا قائد نے اپنی مخصوص مسکراہٹ سے خوش آمدید کہا۔ بیس منٹ تقریباً معائنہ میں خرچ ہوئے اور داکٹر ایس۔ ایس عالم ماہر ایکسریز کو بھی ان کے ساتھ قائد کے روم میں لے جایا گیا تاکہ وہ ایکسرے کرسکیں۔ ایسی کیفیت میں ایکسرے لینا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ وہاں پر بجلی کی طاقت کم ہے ایکسرے تصویر نے ان خدشات کو اور ڈاکٹر غلام محمد کی رپورٹ نے مرض کی پوری پوری نشاندھی کر دی ان تمام چیزوں کی کیفیت مس جناح کو بتا دی گئی کہ حالات ایسے ہیں مرض کافی ایڈوانس ہے سینے میں ورم ہے اور پھیپھڑے کافی متاثر ہیں۔

دوائی کا انجکشن

تشخیص مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر شاہ نے نئی دوائی سٹرٹومائی سین کا ٹیکہ لگایا جس سے قائد کو بہت افاقہ ہوا اور ساتھ ہی خوشی کی بات یہ تھی کہ دونوں ڈاکٹروں کے مشورے پر قائد نرس رکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ دوسرے دن قائد نے ناشتہ اور دوپہر کا کھانا اچھی طرح تناول فرمایا اور دن بہت اچھا گزرا۔ انجکشن دوبارہ لگتے گئے بخار کم ہوتا گیا اور تیسرے دن بخار نارمل ہو گیا۔ کھانسی اور بلغم کم ہو گیا۔ نبض نارمل ہو گئی۔ بھوک لگنا شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ صحت اچھی ہونے لگی۔

دوبارہ بیماری کا حملہ

افاقہ ہونے کے بعد دوبارہ قائد کو تکلیف ہو گئی۔ بلڈ پریشر کم ہو گیا، اور ایمرجنسی کے طور پر کورامین کے انجکشن دینے پڑے جن سے ان کی حالت کچھ سدھر گئی اور تمام ڈاکٹر دوبارہ اکٹھے ہو گئے۔

ان کی ٹانگوں میں زیادہ کمزوری واقع ہو گئی تھی اور علاج میں تبدیلی کی گئی اس طرح کیفیت پھر کچھ اچھی ہو گئی۔

عیدالفطر 7 اگست 1948ء

پاکستان بن جانے کے بعد یہ دوسری عید تھی۔ نمازِ عید کے بعد قائداعظم کی صحت اور طویل زندگی کے لیے دعائیں مانگی گئیں، عیدالفطر کی اتنی زیادہ خوشی کا چرچا نہیں تھا ہر چہرے پر پریشانی، سوچ اور افسردگی دکھائی دے رہی تھی چونکہ رہبرِ قوم زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ذرائع آمد و رفت کا فقدان، ادویات کی کمی رسل و رسائل محدود اور ماہرین کی چند مجبوریاں علاج میں حائل تھیں۔

19 اگست 1948ء اور پریشان کن طبی کیفیت

پیشاب کم ہونے کی صورت میں ٹانگوں اور ٹخنوں کا ورم نوٹ کیا گیا کمزوری بڑھ گئی خیال کیا گیا کہ سطح سمندر سے اونچائی کی وجہ سے ایسی سوجن ہو سکتی ہے لہٰذا ڈاکٹروں

نے آپس میں مشورہ کیا اور ساتھ محترمہ فاطمہ جناح کو نئی علامات اور گردوں کی کمزوری سے آگاہ کیا قدرتی امر ہے کہ ایک شفیق بہن کو رہبر قوم کی اس کیفیت سے ذہنی کوفت ہوئی مگر ڈاکٹروں نے یقین دلایا کہ یہ کیفیت عارضہ قلب سے نہیں ہے نہ ہی گردوں کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے ہے یہ کمزوری کا نتیجہ ہے جس پر علاج معالجہ سے قابو پایا جائے گا، اور ساتھ ہی مشورہ دیا گا کہ قائد کو کوئٹہ شفٹ کیا جائے لیکن اس بات سے قائد کو قائل کرنا بھی ایک کام تھا۔

قائداعظم سے کوئٹہ جانے کا مشورہ

کرنل الٰہی بخش نے قائد سے مخاطب ہو کر ان کی موجودہ کیفیت اور ٹانگوں پر ورم کے حوالے سے قائل کرنے کی کوشش کی اور زیارت میں رہنا ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ سمندر سے زیادہ اونچی جگہ ہے لہٰذا ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ آپ کوئٹہ شفٹ ہو جائیں۔ قائداعظم نے سوچنے کے لیے فیصلہ ملتوی کر دیا جب اسی شام کو دوبارہ بات چلی تو قائداعظم نے 12 تاریخ کو نفی کر دیا کیونکہ وقت کم ہے، اور انتظامات کرنے مشکل ہوں گے تب 13 تاریخ کی رائے پیش کی گئی اس پر قائد نے جوش سے کہا۔

> ''آپ نے سوچا نہیں کہ چودہ اگست آزادی کی پہلی سالگرہ ہے اور آپ مجھے اس شام کو سفر میں لے جانا چاہتے ہیں یہ ناممکن ہے، ہم 15 اگست کو چلیں گے۔''

جب دوبارہ تفصیلاً بتایا گیا کہ طبی اعتبار سے جتنا جلدی ممکن ہو ہمیں کوئٹہ چلے جانا چاہیے، لہٰذا ساڑھے تین بجے کی روانگی کا وقت مقرر ہو گیا۔

کوئٹہ میں آمد (13 اگست)

13 اگست کی صبح قائداعظم نے اچھی طرح گزاری وہ رات اچھی طرح سوئے۔ بلڈ پریشر بھی پہلے سے کم اور سوجن بھی کم ہو گئی عین ساڑھے تین بجے روانگی کے وقت قائداعظم نے اپنے پائجاموں میں سفر کرنے کے لیے انکار کر دیا۔ وہ نحیف تھے، کمزوری تھی، مگر انہوں نے شلوار اور اچکن پہننے پر ضد کی اور پورا لباس اور جوتے پہنائے گئے۔ گورنر جنرل

کی کار کی پچھلی سیٹ پر آرام سے لٹایا گیا۔ مس جناح قائد کے ساتھ بیٹھیں نرس اور اے ڈی سی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے۔ ساڑھے تین بجے گاڑی کوئٹہ کے لیے روانہ ہوئی، اور 20 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے کا حکم دیا گیا قائد کے آگے ایس ایس پی کی گاڑی تھی اور پیچھے ڈاکٹروں کی گاڑی تھی باوجود اس کے کہ یہ سفر صیغہ راز میں رکھا گیا پھر بھی سڑک کے کنارے لوگ قائد کو خوش آمدید کرنے کے لیے کھڑے تھے ہر پچیس میل کے بعد سفر کو روکنا مقصود تھا ہم کوئٹہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہنچ گئے، اور قائد کو سٹریچر پر کوئٹہ ریذیڈنسی لے جایا گیا۔ نبض دیکھی گئی اور کچھ اس میں مس کرنے کے آثار پائے گئے بلڈ پریشر تسلی میں تھا رات 8:30 بجے نبض ٹھیک ہوگئی اور کوئٹہ منتقل ہو جانا اچھی علامت قرار دیا گیا۔ قائد اعظم کوئٹہ آ کر خوش ہوئے اور فرمایا۔

> ''مجھے خوشی ہے کہ ہم یہاں آ گئے، زیارت میں ہم ٹریپ ہو کر رہ گئے تھے۔''

قائد کو تسکین ہوئی کہ 14 اگست سے قبل وہ کوئٹہ پہنچ گئے۔

14 اگست 1948ء

کوئٹہ میں پہلی یوم آزادی خوشی خوشی منائی گئی، اور ہر ایک نے اس خوشی کا اظہار قائد کی صحت کے لیے دعائیں مانگتے ہوئے کیا 14 اگست کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

(i) قائد اعظم کے نزدیک 14 اگست بڑا مبارک دن تھا۔ ان کی واحد بیٹی کا جنم 14 اگست 1919ء کو لندن میں ہوا تھا۔ قائد اعظم کو اپنی اس اکلوتی بیٹی سے بے انتہا پیار تھا۔ جب ان کی بیٹی کی شادی کا موقع آیا تو قائد اعظم نے شادی کے لیے بھی 14 اگست کی تاریخ مقرر کی، اور یوں 14 اگست 1943ء کو قائد اعظم نے نہ صرف اپنی بیٹی کی شادی کی بلکہ اسی روز بمبئی میں فلیگ سٹاف ہاؤس بھی خریدا۔

(ii) انگریزوں نے پاکستان اور بھارت کو آزادی دینے کے لیے 15 اگست کا دن مقرر کیا تھا۔ لیکن قائد اعظم نے انگریزوں کی مقرر کردہ تاریخ کو قبول نہ کرتے ہوئے پاکستان کا یوم آزادی 14 اگست کو قرار دیا، چنانچہ قائد اعظم کی خواہش

کے مطابق پاکستان کا یوم آزادی 14 اگست بن گیا اور انگریزوں کی مرضی سے بھارت کا یوم آزادی 15 اگست قرار دیا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر قائد اعظم کے نزدیک 14 اگست کی کیا اہمیت تھی۔

(iii) قائد اعظم برصغیر کے غریب مسلمانوں کی حالت بدلنے کے لیے دن رات محنت کیے جا رہے تھے، جبکہ دوسری طرف کانگریس سمیت بعض مسلمان علماء ان کی زبردست مخالفت کر رہے تھے، بعض غریب مسلمان اپنے قائد کے ساتھ انگریزوں اور ہندوؤں کے مقابلے میں پوری طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ قائد اعظم نے 14 اگست 1946ء کو مسلم لیگ کی طرف سے ''یوم عمل'' منانے کا اعلان کیا۔

14 اگست 1946ء کا یوم عمل بڑا کامیاب اور بھرپور رہا۔

14 اگست 1948ء کو ریڈیو پاکستان نے قوم کے نام قائد اعظم کا پیغام نشر کیا جسے زیڈ اے بخاری نے ریکارڈ کیا تھا قائد اعظم کی آواز میں پیغام سن کر 14 اگست 1948ء کے دن اہل پاکستان کے دل کھل گئے کیونکہ ہر ذی شعور قائد اعظم کی بیماری سے پریشان تھا۔ 14 اگست کا دن قائد اعظم کے لیے ایک مرتبہ پھر مبارک ثابت ہوا اور ان کی طبیعت سنبھلنے لگی۔

16 اگست 1948ء

16 اگست کو دوبارہ ایکسرے لیے گئے، بلڈ ٹیسٹ کیا گیا، ایکسرے میں پھیپھڑوں کی پوزیشن زیادہ صاف نظر آئی۔ سرخ خون کے خلیے 20 فیصد زیادہ ہو گئے اور سفید خلیے کم ہونے لگے۔ ای۔ ایس۔ آر میں بھی 50 فیصد کمی ہو گئی۔

جب یہ ساری کیفیتیں قائد کو بتائیں گئیں کہ گذشتہ حالت سے 20 فیصد اب کی حالت بہتر ہے۔ قائد نے فوراً کہا کب تک 100 فیصد کیفیت اچھی ہو جائے گی، یہ جواب دینے کے لیے بڑا مشکل سوال تھا۔ خدا کی مدد شامل حال ہو تو بڑا کچھ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے چند ماہ کی ضرورت ہے۔ ہم نے قائد کی فائلوں کا کام روک لیا جو ڈھیر ان کے گرد جمع ہوا تھا دس دن تک حالات اچھے رہے اور اخبار پڑھنے کی تھوڑی سی اجازت دی گئی، اور ایک

گھنٹہ کام کی بھی اجازت دی گئی۔

مہمانوں پر پابندی

مہمانوں پر ملاقات کی پابندی تھی، لیکن چند خاص لوگوں کو تھوڑی دیر ملنے کی اجازت دی گئی۔ ایم ایم اصفہانی، لیاقت علی خان، راجہ غضنفر علی خان اور محمد علی چودھری، محمد علی چودھری تیسری بار ملے اور اگست کے تیسرے ہفتہ میں ان کی صحت میں کافی نمایاں تبدیلی تھی۔

حلوہ پوڑی قائد کی پسند

اگست کے تیسرے ہفتے تک قائد کی خوراک اچھی ہو گئی، نظام ہاضمہ کام کرنا شروع ہو گیا اور ملھر باورچی کے کھانے قائد اعظم نے بہت پسند کیے۔ آپ کو پھل میں خوبانی انگور زیادہ پسند تھے جو کہ وہ ناشتہ میں کھاتے تھے۔ ایک دن فاطمہ جناح نے معالج سے پوچھا ''قائد اعظم کیا سوجی کا حلوہ کھا سکتے ہیں؟ یہ ان کی پسند ہے۔ بادل نخواستہ پوڑی حلوہ کی اجازت دی گئی ایک دن کے لیے۔ پہلے حلوہ کھانے کی اجازت دی گئی۔ قائد نے پوڑی کے بارے میں رائے ظاہر کی کہ میں بازار کی پوڑی پسند نہیں کرتا بلکہ گھر کی پوڑی پسند کرتا ہوں۔ مس فاطمہ جناح کی یقین دھانی پر کمشنر کی اہلیہ نے حلوہ پوڑی پکانے کا کام اپنے ذمے لیا۔ قائد اعظم نے حلوہ پوڑی کو بہت پسند کیا۔ اس پر سب کو تسلی ہوئی کہ قائد کا معدہ اب کام کرنے لگا ہے۔

23 اگست 1948ء

تین ہفتے کے درجہ حرارت گر جانے کے بعد اور صحت میں تسلی بخش افاقہ ہونے کی وجہ سے چند منٹوں کی واک کی تجویز پیش کی گئی تا کہ دوران خون باقی جسم کے اعضاء کام کرتے رہیں اس پر قائد مان گئے۔

وقت کی پابندی

قائد اعظم زندگی بھر وقت کے پابند رہے۔ 8 بجے صبح کا وقت مقرر کیا گیا لیکن معالج 8:35 پر پہنچا، لیکن قائد اعظم نے واک کرنے سے انکار کر دیا کہ آپ نے 8 بجے کا

وقت مقرر کیا وہ وقت ختم ہو گیا۔ 8:35 کا نہیں اور ساتھ کہا کہ میرے ڈاکٹر کو وقت کا پابند ہونا چاہیے، لہٰذا واک دوسرے روز جاری کر دی گئی جس سے زیادہ تسلی بخش نتائج نکلے۔ لیکن یہ تجربہ بھی کچھ ناکام نظر آیا، کیونکہ سانس اکھڑنے کی کیفیت جاری رہی اور چار دن کے وقفہ کے بعد کوشش کی گئی لیکن سانس میں چنداں فرق نہ آیا، لہٰذا ڈاکٹروں نے رائے قائم کی کہ نچلی سطح پر یعنی کراچی میں لے جایا جائے جہاں پر آکسیجن کی ٹینشن زیادہ ہو اس پر قائداعظم نے کہا کہ بہت جلدی نہ کیجیے مجھے تھوڑا یہاں چلنے پھرنے کے قابل ہو جانا چاہیے۔ میں کراچی کے سفر کے قابل نہیں ہوں۔ اور میں بیمار نہیں جانا چاہتا۔

وزن میں کمی

قائداعظم کا قد 5 فٹ ساڑھے دس انچ تھا اور وزن صرف 80 پاؤنڈ۔ یہ وزن چار ہفتے کے نارمل درجہ حرارت اور اچھی خوراک کے بعد کا تھا۔ اس سے پہلے ہم وزن کر بھی نہیں سکے اتنا اندازہ ضرور ہے کہ ان دنوں میں قائداعظم کے وزن میں 10 پاؤنڈ کا اضافہ ہوا ہے اس سے قبل 70 پاؤنڈ وزن ہو گا۔

سگریٹ نوشی کی طلب

کئی دنوں کے بعد قائداعظم نے سگریٹ نوشی کا اظہار کیا کیونکہ وہ ہمیشہ سگار پیتے تھے۔ بادل نخواستہ ڈاکٹر حضرات کو خواہش پوری کرنے کی جازت دینی پڑی۔ 555 ڈبیہ سے سگریٹ نکالا اور خوبصورت طریقے سے کش لگایا اور دھواں اندر لے جانے سے بچائے رکھا۔ قائداعظم کو کارواں (Carvan) کے سگریٹ پسند تھے مگر 555 میسر آئے تو آپ نے لطف اندوز ہونا شروع کر دیا۔

کراچی کی روانگی کی ترغیب 26 اگست 1948ء

کراچی کی روانگی کی ترغیب دوبارہ میڈیکل پوائنٹ آف ویو کے اعتبار سے پیش کی گئی کیونکہ کوئٹہ سطح سمندر سے زیادہ اونچا ہے اور ہمارے علاج معالجہ کے کرنے میں اس کی رکاوٹ ہے، کہ ذرا سی جنبش آپ کے سانس کو ہلا دیتی ہے اور کراچی کا موسم اگست اور

ستمبر میں اچھا ہو جاتا ہے قائد نے بی کا نام لیا مگر ڈاکٹری نقطہ نظر سے بی کو اچھا نہیں سمجھا گیا قائد کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ بیمار ہو کر گورنر جنرل ہاؤس میں جانا پسند نہیں کرتے۔ ملیر کراچی کے نزدیک کو منتخب کیا گیا مگر قائد کی عزت نفس اس راستے میں حائل ہوئی وہاں سے اچھا گھر نواب آف بہاولپور کا تھا جو خالی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن قائد اس بات پر نہ مانے۔ قائد کی یہ خواہش تھی کہ ''میں کراچی سہاروں پر جانا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ کار سے اتر کر اپنے کمرے میں جاؤں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ سٹریچر سے اٹھایا ہوا اپنے کمرے میں جاؤں۔'' 29 اگست تک مس فاطمہ جناح نے نواب آف بہاولپور کی ملیر کینٹ کوٹھی کا اہتمام کرنا چاہا اس کو تکمیل کو پہنچنے سے پہلے 3 تاریخ کو قائد کو دوبارہ بخار نے گھیر لیا جس پر ملیر کا ارادہ ترک کرنا پڑا اور ان کی بھوک کم ہونے لگی، کمزوری ہوتی گئی کھانسی بھی شدید ہوگئی۔

29 اگست 1948ء

قائد اعظم کا معائنہ کرنے کے بعد یہ اظہار کیا گیا کہ آپ ان شاء اللہ زیادہ دیر زندہ رہیں گے۔ شاید یہ نوزائدہ ریاست مضبوط سے مضبوط تر ہو سکے۔ اس پر قائد نے کہا۔ ''جب آپ زیارت میں میرے پاس آئے تو میں اس وقت زندہ رہنے کی خواہش رکھتا تھا۔ اب پاکستان بنے ہوئے ایک سال گزر گیا اب کوئی وجہ نہیں کہ میں زندہ رہوں یا نہ۔'' قائد کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے اور جذبات چہرے پر عیاں تھے ضروری امر ہے کہ اپنی بات کا اثر معالج پر بھی ہوتا ہے۔ اس بات سے ماحول بڑا سنجیدہ تھا، ہر آدمی متفکر ہو چکا تھا۔

یکم ستمبر 1948ء

یکم ستمبر کو ڈاکٹروں نے قائد کے پاؤں کی جلد اور ٹانگوں کے نچلے حصے میں وریدوں کو دیکھا۔ وٹامن سی کی گولی تجویز کی گئی۔ دو دفعہ کھانے کے بعد لیکن قائد نے گولی لینے کی ترغیب سے اتفاق نہیں کیا۔

2 ستمبر 1948ء

قائد اعظم کو کپکپی زیادہ لگی جو ایک دو گھنٹے زیادہ رہی اوپر کمبل ڈالے گئے، درجہ حرارت 99 فارن ہائٹ ہو گیا جبکہ ان کا صبح کے وقت درجہ حرارت 96 فارن ہائٹ تھا۔ شام کے وقت 97.5 ایف ہوتا تھا۔ اس درجہ حرارت کی بلندی تشویش کا باعث بنی پانچ ہفتے اچھے گزر چکے تھے۔ کچھ خوراک میں تبدیلی کر دی گئی۔ ادویات کا انجکشن دیا گیا۔

4 ستمبر 1948ء

4 ستمبر کو صبح کو درجہ حرارت 99.8 فارن ہائٹ تھا۔ رات کی نرس رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ لیکن قائد نے کہا کہ مجھے رات کی نرس رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مس جناح یہ کام کر سکتی ہے اور اگر مجھے زیادہ ضرورت پڑی تو میں گھنٹی بجا سکتا ہوں۔ قائد اعظم اس تجویز کو مان گئے اور مس جناح نے اس پر تسلی کا اظہار کیا۔

5 ستمبر 1948ء

5 ستمبر کو دوبارہ تفصیل سے طبی معائنہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے مل کر کیا۔ ایکسرے لیا گیا، خون ٹیسٹ کرنے کے لیے لیا گیا۔ جس میں نمونیا کے اثرات کے جرثومے پائے گئے خون کے خلیوں میں تشخیص تسلی بخش تھی۔

نمونیا کا حملہ

لیبارٹری کی رپورٹ اور معائنہ کے بعد درجہ حرارت میں زیادتی 100 فارن ہائٹ اس بات کی دلیل دیتا تھا کہ کمزوری کی وجہ سے نمونیا کا انفیکشن پھیپھڑوں میں پیدا ہو گیا۔ لہٰذا پنسلین کا ٹیکہ تجویز کیا گیا۔ لفاڈیا زین کی گولیاں دینے سے گریز کیا گیا۔ سول ہسپتال کوئٹہ اور بازار میں پنسلین کی گولیاں ختم تھیں لہٰذا اسی پنسلین کا ٹیکہ رات ساڑھے دس بجے لگایا گیا، اور دوسری صبح قائد اعظم کو پنسلین کے ٹیکے لگنے شروع ہو گئے۔

6 ستمبر 1948ء

درجہ حرارت نارمل ہو گیا اور قائد اعظم کی کھانسی اور بھوک میں فرق آ گیا۔

7 ستمبر 1948ء

7 ستمبر کو لیبارٹری میں نمونیا کے جراثیم لا تعداد پیدا ہو گئے۔ لیکن 7 تاریخ کے دوپہر کے بعد ایک اور پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ پیشاب رک رک کر آنے لگا تیز کپکپی کے ساتھ بخار زیادہ ہو گیا۔ بے چینی بڑھ گئی سانس رکنے لگا کھڑکیاں کھول دی گئیں، اور بجلی فین چلایا گیا اس کیفیت پر آکسیجن ناک پر لگائی گئی جس سے حالت سنبھل گئی یہاں پر اس کیفیت نے ہم سب کی پریشانی میں اضافہ کر دیا۔ مس فاطمہ جناح سے مشورہ کیا گیا کہ باہر سے ڈاکٹر بلایا جائے محترمہ مس جناح نے کہا کہ میرے بھائی ولایت کے ڈاکٹروں کے بلانے پر اتفاق نہیں کریں گے، چونکہ انگریز ڈاکٹر ان کی صحیح تشخیص نہیں کر سکے۔ جرمنی یا امریکہ ڈاکٹروں کو بلایا جا سکتا ہے، اور امریکہ کے لیے اصفحانی کو تار دیا جا سکتا ہے۔ ایسا اہتمام کیا جائے جس سے 7 تاریخ تک اصفحانی کو اطلاع پہنچ جائے اور وہ اگلے 48 گھنٹوں میں یعنی 10 ستمبر کو امریکہ سے پہنچ جائے تو بات بن سکتی ہے۔ لیکن شام کو درجہ حرارت اور بڑھ گیا۔

8 ستمبر 1948ء

امریکہ سے ڈاکٹروں کو بلانے پر غور کرنے کے بعد معالج اس نقطہ پر پہنچے کہ امریکہ سے ڈاکٹر بڑی دیر سے پہنچیں گے لہٰذا کراچی کے ڈاکٹر ایم۔ اے مستری کو طلب کیا جائے، لیکن اس پر قائد کی رضا مندی ضروری تھی رات گئے تک ہم اور مس فاطمہ تشویش میں رہے۔

9 ستمبر 1948ء

ڈاکٹر مستری 9 ستمبر کو کوئٹہ پہنچ گئے جو کہ انگلستان کے تربیت یافتہ اور دو میڈیکل کالج کے آنریری پروفیسر تھے، انہیں تفصیل کے ساتھ بیماری کا حال، کیفیت، ٹیسٹ اور علاج بتایا گیا۔ اس گفت و شنید میں فاطمہ جناح بھی شامل تھیں شام کو بخار میں قدرے کی

تھی اور قائد نے ریڈیو پر خبریں سننے کی خواہش ظاہر کی۔

کشمیر کا مستقبل

گزشتہ دنوں میں جب بخار زیادہ تھا اور قائداعظم بے چین تھے، مس جناح نے کئی بار صاف الفاظ میں قائد سے سنا۔ ''کشمیر کمیشن کی آج میرے ساتھ ملاقات ہونی تھی۔ وہ کیوں نہیں آئے؟ وہ کہاں ہے؟ یہ کشمیر کا مسئلہ ان کے ذہن، تحت الشعور اور احساسات پر موجود تھا۔

10 ستمبر 1948ء

9 اور دس کی رات دو بجے تک ڈاکٹر قائداعظم کے ساتھ رہے۔ 10 کی صبح جب معائنہ کیا گیا تو درجہ حرارت سب نارمل، بلڈ پریشر سب سے کم اور قائد نہایت کمزور پائے گئے۔ کچھ جرثومے، زہریلے اثرات بھی موجود پائے گئے۔ اس پر نہایت تشویش ہوئی رائے سے مس جناح کو مطلع کیا کہ کوئی معجزہ ہی ہو تو قائد کو زندگی میسر آ سکتی ہے۔ مگر ان حالات میں واضح صحت یابی نظر نہیں آتی۔ زیارت سے زیادہ کیفیت یہاں خراب ہو گئی۔ ہر آدمی دعا میں مشغول ہو گیا ہر زبان دعا میں لگی ہوئی تھی۔ خدا نے دعائیں قبول کیں دن کو اور شام کو درجہ حرارت نارمل ہو گیا، نبض چلنے لگی اور دوسرے اثرات بھی اچھے ہو گئے اور ہم نے یہ سمجھا کہ ہماری دعائیں قبول ہو گئیں۔

11 ستمبر 1948ء روانگی کراچی

ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح ان کو کراچی لے جائیں اس بات کے لیے قائد کی بہن نے بھی اتفاق کیا۔ ہوائی سفر کے تمام کے تمام انتظامات کیے گئے، اور وائی کونسٹ ہوائی جہاز کراچی سے کوئٹہ پہنچ گیا۔ جہاز کا پوری طرح معائنہ کیا گیا اور سٹریچر کا اہتمام کیا گیا اور دو سیٹیں الٹا کر چار پائی بنائی گئی۔ آکسیجن کا سلنڈر ساتھ رکھا گیا لیکن وہ آدھا تھا جہاز کو 7000 ہزار فٹ کی بلندی پر اڑنے کی اجازت دی گئی۔ جب ہم واپس

اہتمام کرنے کے بعد ریذیڈنسی پہنچے تو ڈاکٹر مستری نے بتایا کہ بخار پھر ہو گیا، اور خوراک میں کمی ہو گئی، لہٰذا ایک بجے دوپہر کو جہاز کو اور پائلٹ کو تیار رکھا گیا۔ اور باقی چیزوں کا اہتمام کر لیا گیا قائد اعظم سے اجازت مانگی گئی جو انہوں نے بڑی نحیف آواز میں کہا "ٹھیک ہے" ہم نے قائد کو ایمبولینس میں منتقل کیا اور اس میں مس جناح، نرس قائد کی بالمقابل سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ لیفٹیننٹ مظہر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئے اور ساتھ ہی ہم دعائیں کرنے لگے، کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر سٹریچر سے جہاز تک جاتے ہوئے ائیر سٹاف نے قائد کو سلامی دی قائد نے ان کو سیلوٹ کا جواب دیا۔ جہاز اڑ پڑا ہم کھڑکیوں سے پہاڑیاں دیکھ رہے تھے میں نے قائد کے منہ پر آکسیجن لگانا چاہی وہ دلیل دینے کے بعد مان گئے منہ پر آکسیجن لگاتا پھر وقفہ دیتا ساتھ ہی نبض دیکھی جاتی ناخن دیکھے جاتے بے چینی کی وجہ سے قائد کمبل پھینک دیتے۔ مس فاطمہ جناح بڑی جانفشانی سے آکسیجن کی سپلائی کا خیال کرتی اور ساری باتوں کو غور سے دیکھتی انہیں اپنے آرام کا خیال کوئی نہ تھا۔

کراچی

کوئی سوا چار بجے موری پور ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ گورنر جنرل کا ملٹری سیکرٹری کرنل نولز (Knowles) ایمبولینس کے ساتھ کھڑے ہیں مگر کوئی نرس نہیں ہے کراچی کا موسم گرم اور تکلیف دہ تھا قائد کو بغیر وقت ضائع کرنے کے ایمبولینس میں شفٹ کیا گیا مس جناح اور نرس ایمبولینس میں بیٹھی جبکہ ملٹری سیکرٹری ڈاکٹر مستری گورنر جنرل کی گاڑی میں اور سامان ٹرک پر رکھا گیا۔ ایمبولینس کے قافلے کو پہنچنے کے لیے دس میل کا رستہ تھا، چار میل گزرنے نہ پائے تھے کہ اچانک ایمبولینس کھڑی ہو گئی۔ تعجب سے نیچے اترے پتہ کیا کہ انجن میں خرابی پیدا ہو گئی ہے، ڈرائیور نے کہا کہ میں ابھی ٹھیک کرتا ہوں۔ 20 منٹ تک وہ کوشش کرتا رہا ایمبولنس سٹارٹ نہ ہوئی، جس پر مس جناح نے ملٹری سیکرٹری اور ڈاکٹر مستری کو بھیجا کہ دوسری ایمبولینس لے آئیں یہ عجیب و غریب قسم کا منظر تھا رہبر قوم حبس اور گرمی میں ایمبولینس میں پڑا ہوا ہے اور مکھیوں کو ان کی بہن اور نرس عام گتے

سے دور کر رہی ہیں قائد پسینہ پسینہ ہو گئے کپڑے بھیگ گئے ان کو جوس کا گھونٹ پلایا گیا چائے کا کچھ گھونٹ دیا گیا اس سے کچھ نبض محسوس ہوئی۔ بسیں، ٹرک گزرتی رہیں کافی دیر کے بعد دوسری ایمبولینس آئی 6 بجکر 10 منٹ پر ہم منزل مقصود پر پہنچے۔ سٹریچر کمرے تک لایا گیا نبض دیکھی گئی، درجہ حرارت نبض دونوں اچھے پائے گئے۔ قائد نے کچھ دیر آرام کیا۔ ساڑھے آٹھ بج گئے، چونکہ سارے لوگ تھکے ہوئے تھے ہر ایک کو نیند آئی ہوئی تھی۔ کچھ آرام کیا چائے کا ایک کپ حاصل ہوا کیونکہ صبح سے ناشتہ کے بعد سفر میں ہم نے کچھ نہ کھایا تھا قائد نے بھی کچھ نیند کی ڈاکٹر مستری نے اپنے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔

میں نے ملٹری سیکرٹری کرنل نولز سے ڈاکٹر کرنل ایم ایچ شاہ کو فون کرایا کہ وہ رات کے لیے کسی نرس کا اہتمام کریں گھر وہ نہ مل سکے اسی طرح کرنل سعید احمد جو جناح سنٹرل ہسپتال کے سرجن تھے سے کسی نرس کا اہتمام نہ ہو سکا۔ باوجود اس کے بڑی کوشش کی ملٹری سیکرٹری نے نرس کا اہتمام نہ کیا جا سکا۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)



مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ، بیگم عبداللہ ہارون، بیگم ہدایت اللہ اور قائداعظم کی صاحبزادی مسز واڈیا غم سے نڈھال بابائے ملت کی میت کے پاس کھڑی ہیں

ڈینٹل سرجن فاطمہ جناح
جمہوریت کی تصویر

27 اکتوبر 1958ء کو جنرل محمد ایوب خان نے سکندر مرزا کو اقتدار سے علیحدہ کر کے خود صدر پاکستان کا منصب سنبھال لیا۔ 20 دن قبل یعنی ۷ اکتوبر 1958ء کو ملک میں مارشل لاء کا نفاذ سکندر مرزا نے جنرل محمد ایوب خان کے ساتھ مل کر کیا بیمار گورنر جنرل غلام محمد کو اقتدار سے علیحدہ کر کے اقتدار حاصل کیا اسی طرح ایوب خان نے سکندر مرزا کو بذریعہ ہوائی جہاز لندن روانہ کر دیا اور اقتدار پر آنے کے بعد 1956ء کا آئین منسوخ کرنے کا اعلان کیا۔ سیاست دانوں کو برا بھلا کہا کہ اس ملک کے سیاستدانوں نے عدم استحکام کی فضا پیدا کر دی تھی لہٰذا جمہوریت دس سال تک ملک سے غائب ہو گئی۔ 1955ء میں میجر جنرل سکندر مرزا نے ملک غلام محمد سے اقتدار لیا تھا اور خود گورنر جنرل بن گئے تھے پھر سازشیں تیار ہونے لگیں جمہوریت ختم کر دی گئی اپنی مرضی کے آدمی سامنے لائے گئے۔ سکندر مرزا کے پرانے دوست ڈاکٹر خان صاحب تھے خود سکندر مرزا ہیلی کاپٹر پر اتمان زئی گئے ڈاکٹر خانصاحب (عبدالجبار خان) کو کراچی لائے اور مرکز میں وزارت ریلوے عنایت کی بعد میں ان کے لیے ری پبلکن پارٹی تشکیل ہوئی مشتاق احمد گورمانی صاحب ساتھ تھے۔ انتخاب کرانے سے سکندر مرزا کتراتے رہے کسی نے سبق سکھایا تھا اگر انتخابات ہو گئے تو نہ سکندر مرزا رہے گا اور نہ ہی ایوب خان، تاہم لوگوں کو ٹالنے کے لیے انتخابات کا اعلان



۱۹۴۰ قرارداد لاہور کے بعد' قائداعظم محمد علی جناحؒ صدر آل انڈیا مسلم لیگ
فاطمہ بیگم 'گیتی آرا مادرِ ملت محترمہ فاطمہ بیگم جناحؒ جے۔اے۔خاں



مارچ ۱۹۴۸ء میں مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کے دورے کے دوران قائداعظم محمد علی جناح ڈھاکہ میں پولیس پریڈ کے اختتام پر سرکٹ ہاؤس واپس تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ کے داہنے ہاتھ محترمہ میں فاطمہ جناح ہیں۔ بائیں جانب خواجہ ناظم الدین' سر فریڈرک بورن گورنر اور جنرل ایوب خان دکھائی دے رہے ہیں

مارچ 1959ء کو کر دیا اس اعلان سے سیاسی سرگرمیاں شروع ہو گئیں اس وقت مسلم لیگ کے صدر عبدالقیوم خان تھے وہ سرگرم ہو گئے وہ انتخابی مہم کے لیے گجرات دورہ پہ گئے وہاں پر آپ کا فقید المثال استقبال ہوا۔ 32 میل لمبا جلوس نکالا گیا اور ملتان مسلم لیگ نے 64 میل کے جلوس کا اعلان کر دیا خان عبدالقیوم خان ان دنوں جواں تھے ہمت تازہ تھی اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ ادھر مشرقی پاکستان میں حسین شہید سہروردی متحرک ہو گئے انہوں نے کئی ایک گروپ اپنے ساتھ ملا لیے لہٰذا ان سیاسی سرگرمیوں کو ناپا تو اا گیا اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا اور سکندر مرزا اور ایوب خان نے اقتدار سنبھال لیا وقت گزرتا گیا منافرت پھیلانی شروع کر دی ملک میں بنیادی جمہوریت کا آغاز کر دیا گیا لوگوں نے بنیادی جمہوریت کے حق میں بیانات دیئے اور اس عمل کو سیاسی استحکام سے تعبیر کیا گیا۔

محترمہ فاطمہ جناح عظیم قائد کی عظیم بہن نے جمہوریت کی بقا کے لیے 1965ء کے انتخابات میں حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ محترم ایس۔ ایم ظفر جو محمد ایوب خان کی کابینہ میں وزیر قانون تھے یہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''محترمہ فاطمہ جناح جو سوچ اور ذہن میں قائد سے ہم آہنگی رکھتی تھیں اور اس سوچ کو ثابت کرنے کے لیے اور پاکستان سے پیار کا اظہار کرنے کے لیے 1965ء میں انتخابات میں حصہ لیا اس وقت حزب اختلاف نہ تھی مارشل لاء کی موجودگی میں حزب اختلاف کی بنیاد رکھنا بڑے دل گردے اور حوصلہ کا کام تھا انہوں نے یہ کردار بڑی شان سے ادا کیا اگر مس جناح یہ کردار ادا نہ کرتی تو آج اسمبلی میں جماعتی بنیادوں پر قائم ہونے والی اسمبلی میں یہ کہنے والا نہ ہوتا کہ مارشل لاء دور اور سول حکومت اکٹھے نہیں چل سکتے۔''

ڈاکٹر صفدر محمود اپنی کتاب ''پاکستان تاریخ و سیاست'' صفحہ 288 پر رقمطراز ہیں کہ اس وقت شواہد موجود ہیں کہ محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف صدارتی انتخابات میں تمام حکومتی مشینری نے ان کی مدد کی تھی۔ ضلعی افسروں نے عوام کو ڈرا دھمکا کر ایوب خان کے

لیے ووٹ حاصل کیے دوسری طرف ایوب خان نے اخبارات میں سیاسی سرگرمیوں اور اظہار پر ناروا پابندیاں عائد کر دیں۔ ایک طویل عرصہ تک عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا تھا مگر 1962ء کے قانون نے ایوب خان کو ڈکٹیٹر بنا دیا۔

سعادت خیالی اپنی یادوں کے سلسلے میں 29 اکتوبر 1996ء کے روز نامہ صحافت میں ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں جو بڑا دلچسپ ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ''فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے بنیادی جمہوری اداروں کو انتخابی ادارہ بنا کر صدارتی انتخاب لڑنے کا اعلان کیا تو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح ہی ایک ایسی ہستی نکلیں جنہوں نے آمریت کا کسی بھی رنگ میں مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا اور ان کے مقابلے میں کھڑی ہو گئیں۔ مادر ملت بانی پاکستان قائد اعظم کی ہمشیرہ ہونے کے ناطے جمہوری جدوجہد میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں اور ان کے آمریت کے خلاف ڈٹ جانے سے ملک میں جمہوری طاقتوں کو بڑا حوصلہ ملا یہ معرکہ بڑا کانٹے دار تھا لیکن فیلڈ مارشل یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا انتخابی ادارہ اسی ہزار (80 ہزار) بی ڈی کے کاسہ لیس ووٹروں پر مشتمل ہے جو وقت کے دیوتا کی پوجا کرے گا وہ پھر بھی خوفزدہ تھے اور لاہور میں اخباری نمائندوں سے ایک ملاقات میں تو وہ پھٹ پڑے جب ایک نمائندے نے ان پر الزام لگایا کہ وہ اپنی پوری مشینری اس انتخاب میں اپنے حق میں استعمال کر رہے ہیں تو انہوں نے کوئی واضح جواب دینے کے بجائے اپنے علاقہ کی خالصتاً پہاڑی بولی میں کہا:

> ''میرے گاؤں ہزارہ کے بڑے بوڑھے مجھے یہ کہتے ہیں کہ ایوب خان اب تیری مردانگی یہ رہ گئی ہے کہ ایک ''رن'' ''عورت'' سے مقابلہ کرے گا۔ ان کم بختوں کو کیا علم کہ وہ جس خاتون کو محض عورت ہونے کے ناطے رن کہہ رہے ہیں وہ کس قدر عظیم المرتبت ہے اور ملک وقوم کی تاریخ میں اس کا کیا مقام ہے؟ اگر میں انتخاب جیت گیا تو میرے علاقے کے ''ایکسپرٹ سیانے'' یہ کہیں گے کہ ڈوب مر، بڑا تیر مارا ہے کہ ایک بے بس مخلوق سے جیت گئے ہو اور اگر

خدانخواستہ میں ہار گیا تو اس ہار کا بٹن نہ صرف میری بلکہ میری نسلوں
کی دموں کے پیچھے باندھ کر کھڑاک شروع ہو جائے گا۔"

ایوب خان محترمہ سے بے حد ڈرتے تھے۔ انتخاب کے نتائج کے بعد کی تصویر کو غور سے دیکھا جائے تو ایوب خان کی آنکھیں سوجی ہوئی ہیں، اور انہوں نے اپنے چہیتے آفیسرز سے کہا "بدبختو تم تو کہتے تھے میں آرام سے جیت جاؤں گا۔ کیا میں آرام سے الیکشن جیتا ہوں۔" وہ خود مانتے ہیں کہ وہ طاقت سے جیتے ہیں۔

راقم اس وقت مغربی پاکستان کی جانب سے ضلع بی، زیارت میں ڈینٹل سرجن مقرر تھا اور اہلیہ ڈاکٹر مسز اقبال صوفی "وومن میڈیکل آفیسرز تھیں" ضلع میں ڈپٹی کمشنر اور دیگر آفیسرز سے راہ و رسم ہو جاتے ہیں وہ ڈاکٹر کے محتاج ہوتے ہیں اور ڈاکٹروں کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ بی ضلع کے بازار میں کئی ایسے لوگ ملے جو کاغذات اٹھائے ہوئے تھے۔ "سائیں دیکھوں یہ کیا ہے" دیکھا تو وہ حکومت کی جانب سے گاڑی کا لائسنس تھا کسی کو کسی چیز کا لائسنس حکومت وقت نے اس وقت بنیادی جمہوریت کے ووٹروں کو اس طرح کا لالچ دیا اور یہیں سے رشوت کی ابتداء ہوئی۔

1965ء میں بی زیارت ایک ضلع تھا گرمیوں میں ضلع کے دفاتر اور ڈاکٹر زیارت شفٹ ہو جاتے اور سردیوں میں واپس بی آ جاتے بی میں شاندار میلہ مال مویشیاں بھی منعقد ہوتا ہے۔ سردیوں میں سارے ڈویژن کے آفیسرز بھی بی کا رخ کرتے ہیں بی کا موسم سردیوں میں بڑا آرام دہ ہوتا ہے اور بی کے قریب مچھلی عمدہ قسم کی میسر آتی ہے۔

انتخابات کا زمانہ تھا ان دنوں بی میں عبدالکریم لودھی ڈپٹی کمشنر تھے محترم معین قریشی کے زمانے میں پنجاب کے چیف سیکرٹری مقرر ہوئے تھے خان بشیر خان ڈپٹی کمشنر کوئٹہ تھے۔ اسد خان تارخیلی ڈپٹی کمشنر ژوب تھے اور اس ڈویژن کے کمشنر فرید اللہ شاہ صاحب تھے۔ انہوں نے اپنا دفتر بی الیکشن کے لیے بنا لیا ان کی انسٹرکشن تھیں کہ محترمہ کو ووٹ نہ پڑیں۔ ایوب خان کو ہر حالت میں جیتنا چاہیے ژوب کے علاقہ سے ایک ووٹ محترمہ کو پڑ گیا۔ فرید اللہ شاہ نے میٹنگ میں اس تارخیلی کی چھاگن کر دی کہ کیوں ایک

ووٹ ادھر چلا گیا اس نے کہا کہ جناب میرے ضلع کے سارے ووٹ ایوب خان کے حق میں تھے لوگوں کو تیار کر رکھا تھا اگر ایک چلا گیا تو کیا حرج ہے؟ اس تارخیلی صاحب نے اس بات کو دل میں رکھ لیا اور صدمہ بڑھتا گیا وہ جوانی میں ہی فوت ہو گیا۔

عبدالکریم لودھی ڈپٹی کمشنر بی نماز جمعہ کے لیے آخر میں جامع مسجد میں پہنچے۔ راقم جامع مسجد بی میں (تقریر) خطبہ دیا کرتا تھا، لہٰذا جو آدمی ممبر پر کھڑا ہو، اس کی نظریں ہر ایک پر ہوتی ہیں، ڈی سی صاحب بہادر آخری صف میں بیٹھ گئے بعد ازاں ہم نے دریافت کیا کہ وہ لیٹ کیوں آئے کیا ماجرا تھا؟ انہوں نے قصہ سنایا۔

کہ آج انتخابات تھے اور ہم کو ایوب خان کو جتانے کی کڑی تاکید تھی ہم نے ترکیب یہ کی کہ مادر ملت کے پولنگ ایجنٹ دور دراز سے آئے تھے، ان کے راستے روک لیے کئی ایک پل توڑ دیئے جب کوئی دوسرا پولنگ ایجنٹ موجود نہ تھا بس ووٹ جنرل محمد ایوب خان کے کھاتے میں ڈال گئے چونکہ ہم نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح جو ہمارے لیے قابل احترام ہیں ان کے ساتھ دھوکہ کیا وہ ہماری مجبوری تھی لہٰذا ہم آج نماز ترک نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ سے معافی مانگنی ضروری تھی یہ صاف گوئی ایک ضلعی آفیسر کی تھی اسی طرح بشیر خان نے بتایا کہ ووٹ کیسے خریدے تھے۔

اسی طرح ایوب خان نے فاطمہ جناح کے اونچے کردار کی توہین کی وہ ایسا مینار تھی جو جمہوریت کی روشنی کی راہ قوم کو دکھاتی مگر ایوب خان کے لالچ اور کرسی نے ان کو وہ عہدہ دیا جو زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا مجھے یاد ہے کہ الیکشن جیت جانے کے بعد ایک تصویر اخبارات میں چھپی تھی جس میں ایوب خان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں کئی راتیں وہ سو نہیں سکے۔ ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ان کے چاہنے والوں نے ڈالے تھے اور وہ اپنے بہی خواہوں پر خوب برسے کہ مجھے تم لوگوں نے دھوکہ میں رکھا کہ میں جیت جاؤں گا، چنانچہ جلد ہی آمریت کے خلاف لوگوں کے جذبات انتہا کو 1968ء میں پہنچ گئے عوام نے مظاہرے کیے ایوب خان ہائے ہائے، لہٰذا وہ مستعفی ہوئے یا حکومت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔

سردار شوکت حیات اپنی کتاب کے باب نمبر 10 پر تحریر کرتے ہیں فاطمہ جناح

نے اپوزیشن کا رول ادا کرنے کے لیے مجھ سے مشورہ لیا میں نے ان سے کہا تھا "اگر آپ کو انتخابات جیتنے کی تمنا ہے تو بے شک حصہ نہ لیں کیونکہ حکومت وقت انتخابات دوسرے طریقہ سے جیت جائے گی۔ حکومت کی مشینری ان کے ہاتھ ہے کیونکہ بنیادی جمہوریت کے ارکان مشرقی اور مغربی پاکستان میں 80 ہزار ہیں اور حکومت ان کو خرید سکتی ہے تو اگر آپ انتخابات ہارنے کے لیے تیار ہیں تو میدان میں ضرور آئیں، یہ قوم کے لیے بڑی خدمت ہو گی کہ آپ ایک متعلق العنان کے خلاف انتخابی مہم کا آغاز کریں گی۔

سردار شوکت لکھتے ہیں کہ دوسرے روز محترمہ نے قوم کی آواز اور قومی تقاضا کو مدنظر رکھتے ہوئے الیکشن میں کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ پسے ہوئے عوام کو آزاد کیا جائے مولانا عبدالحمید بھاشانی، حسین شہید سہروردی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، عبدالولی خان اور مسلم لیگ کے کئی گروپ محترمہ کے ساتھ ہو لیے اسی طرح بے شمار مذہبی علماء، لیڈر سیاسی ورکرز ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ میں ساتھ تھے۔ پروپیگنڈہ محترمہ کے خلاف ہوتا تھا۔

جنرل ایوب خان جو خود ساختہ فیلڈ مارشل بغیر کسی جنگ کے ہو گئے تھے قانون یہ ہے کہ فیلڈ مارشل ریٹائر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ سرکاری ملازم ہوتا ہے، سردار شوکت حیات اور دیگر ہوشیار لوگوں نے اس قانونی نقطہ کو ابھارا الیکشن کمشنر میاں معین الدین کے پاس لے گئے کہ یہ بندہ سرکاری ملازم ہے ایوب خان نے راتوں رات آرمی گزٹ سے یہ نوٹیفکیشن ہٹا دی۔ لیکن جماعت اسلامی کے ورکرز کسی طرح یہ گزٹ لے آئے مگر الیکشن کمشنر نے حکومت وقت کا ساتھ دے کر اپیل کو نامنظور کر دیا لہٰذا ایوب خان کا مقابلہ محترمہ سے ہوا ظاہری طور پر ایوب خان جیت گیا اور محترمہ ہار گئیں مگر وہ جیتی ہوئیں تھیں، اور ایوب خان ہارے ہوئے تھے۔

الیکشن کے زمانے مں مادرِ ملت نے مغربی پاکستان کا طوفانی دورہ کیا ضلع میانوالی سے بنوں، کوھاٹ، پشاور، راولپنڈی، جہلم، چکوال، گجرات، گوجرانوالہ، ٹرین کا سفر لاہور سے کراچی تک اور مشرقی پاکستان ہر جگہ فقید المثال جلوس جلسے اور ہجوم تھے۔ ان کی شخصیت قابل عزت تھی وہ سیاست کے میدان میں 1929ء سے وارد تھیں قائد اعظم کے ساتھ سفر

کیے۔ 1934ء میں وہ آل انڈیا مسلم کونسل کی مستقل رکن رہیں قائد کے ساتھ جدوجہد آزادی میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ 1940ء سے 1947ء اور قائداعظم کی علالت اور وفات تک آپ نے نہایت دانشمندی کے ساتھ بھائی کا ساتھ دیا اور ملک کی سلامتی کے لیے کام کرتی رہیں۔

محترمہ نے اپنے الیکشن کی کامیابی کے لیے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا حتی کہ آپ مشرقی پاکستان بھی گئیں مشرقی پاکستان کے دوروں کے دوران لوگ دور دراز سے آپ کو دیکھنے اور عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے آتے تھے، آپ کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے تھے کہ ہم نے قائداعظم کو دیکھ لیا مجھے لاہور سے سکھر کا سفر بذریعہ ٹرین نہیں بھولتا۔ اس سفر میں میں شامل تھا، گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچنے سے پیشتر لوگوں کا مجمع منتظر ہوتا لوگوں میں جذبہ موجزن تھا عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر چاروں طرف ہوتا تھا، سبز ہلالی پرچم کے ساتھ دیگر پارٹیوں کے پرچم بھی تھے، کیونکہ آپ متحدہ محاذ کی لیڈر تھیں قائداعظم زندہ باد، محترمہ فاطمہ جناح زندہ باد پاکستان زندہ باد، "جاکے رہے گا ایوب خان" کے فلک شگاف نعرے گونج رہے تھے۔ غیرملکی پریس، اپنا پریس ہر جگہ حاضر تھا۔ فوٹو گرافروں کی یلغار اور ان کی فوج الظفر موج اجتماعوں کی جھلکیاں اپنے کیمروں میں محفوظ کر رہے تھے۔ جو ہر اخبار کے ریکارڈ میں پائی جا سکتی ہیں۔ جہاں کہیں گاڑی رکتی دیر ہوتی پتہ چلتا اخباری نمائندے سوالات پوچھ رہے ہیں۔

ایسا فرحت بخشنے والا سماں میں نے نہیں دیکھا جو اب تک 30 برس سے زیادہ ہو چکے ہیں میرے دل و دماغ اور روح کی گہرائیوں میں اتر کر رہ گیا ہے استقبال کی تجلیاں بیان کرنا مشکل ہے گو کہ وہ لمحے میرے دماغ میں نیرتاباں کی طرح روشن ہیں جس ریلوے اسٹیشن پر گاڑی رکتی لوگ فلک شگاف نعرے لگاتے ہجوم میں کم عمر والے، بوڑھے، مرد اور عورتیں سب تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح ٹرین کے دروازے پر، جب سامنے آتیں تو ان کا چہرہ خوشی اور جوش سے تمتماتا اور وہ سیاہ لباس میں لوگوں کی نظروں کی زد میں آجاتیں وہ لافانی لمحات تھے محترمہ لوگوں کو مسرت سے سرشار ہاتھ ہلا کر نعروں کا جواب دیتیں۔

(تحریر: از پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی)



محترمہ فاطمہ جناحؒ، قائداعظم محمد علی جناحؒ، ۱۹۴۳ء کوئٹہ ریلوے اسٹیشن پر اور قاضی عیسیٰ نظر آ رہے ہیں



مادرِ ملت فاطمہ جناح اور لیڈرز کی اجلاس کی طرف روانگی



مشرقی پاکستان ۱۹۴۸ء فاطمہ جناح جہاز سے اتر رہی ہیں



۱۹۶۴ء الیکشن مہم میں محترمہ فاطمہ جناح صدارت کر رہی ہیں

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا حصول پاکستان میں کردار

محترمہ فاطمہ جناح 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں اور ان کا انتقال 9 جولائی 1967ء کو کراچی میں ہوا۔ قوم نے ان کی خدمات کے عوض ان کو مادر ملت کا خطاب دیا۔ محترمہ نے مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت اور فلاحی مملکت کے قیام کے سلسلہ میں 22 فروری 1929ء کے بعد عملی تقاضوں کو اپنایا اور مسلسل اپنے بھائی کے ساتھ اسی احساس و بنیاد پر سرگرم عمل رہیں۔ قائد اعظم پاکستان کو اقتصادی، سیاسی امور میں مثالی ملک بنانے کے خواہاں رہے وہ جمہوریت، عدل و انصاف کا نظام چاہتے تھے وہ ریاست کو اسلامک انصاف کے تقاضے سے دیکھا چاہتے تھے۔

قائد کی وفات کے بعد آپ نے (محترمہ) نے ہمت نہ ہاری، قائد کے پیغام جو وہ خودمختار اسلامی ریاست کے لیے چاہتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ ان کے بیانات اخبار میں آتے تھے، اور حکومت وقت پر کھلی تنقید کرتی تھیں اور مسائل کی نشان دہی کرتی رہیں حکومت کو گائیڈ لائن دیتی رہیں قائد کی وفات کے بعد ملک میں جو حالات پیدا ہوئے وہ ان سے مطمئن نہ تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ 1964ء میں متحدہ اپوزیشن کی پارٹیوں کی درخواست پر وہ ایوب خان کے مقابلہ میں صدارت کی امیدوار بنی تھیں۔ انہوں نے سارے پاکستان (مشرقی

پاکستان و مغربی پاکستان) کے طول و عرض میں تحریک چلائی اور بڑی بڑی جماعتوں سے خطاب کیا انتخابات ہوئے وہ ہار تو گئیں مگر ایوب خان جیت کر ہار گئے۔

محترمہ فاطمہ جناح نے تحریک پاکستان میں اپنے بھائی کے شانہ بشانہ کام کیا اگر ہم اس وقت کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو آپ خوف زدہ ہو جائیں کہ قائد کو کیا مسائل اور کیسے کیسے سیاست دانوں سے پالا پڑا۔ بہن ہی تو تھی جو ان کو حوصلہ دیتیں اور مشوروں سے نوازتی محترمہ نے انگریزی طرز کی تعلیم حاصل کی آپ کی ذہانت بڑے درجہ کی تھی، کلکتہ احمد ڈینٹل کالج سے ڈینٹسٹری میں سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور بمبئی میں پریکٹس شروع کر دی۔

قائداعظم کی چہیتی بیوی کا انتقال 20 فروری کو ہوا اور 22 فروری 1929ء کو ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا قائد کو اپنی زوجہ کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا بہن بھائی میں شروع ہی سے پیار تھا۔ ان کی ایک پیاری سی بیٹی تھی۔ بھائی کو گھریلو پریشانیوں سے نجات دلانے کے لیے اور ان کا ساتھ دینے کے لیے اپنے پیشے کو خیر باد کہہ دیا اور بھائی کی عظیم جدوجہد میں شامل ہو گئیں۔

قائد کو 20 فروری 1929ء میں اپنی اہلیہ کی موت کا بڑا صدمہ رہا قائد نے اس دن کے بعد کسی عورت کو نہ دیکھا نہ شادی کا سوچا۔ یہ ان کی والہانہ پرخلوص رتی (مریم) کے لیے محبت تھی۔ قائد پر ان کی وفات کا بڑا اثر ہوا ان دنوں میں کلکتہ کانگریس کنونشن ہوا جس میں قائد کو سیاسی صدمہ ہوا گویا قائد نے سوچا کہ وہ گھر اور سیاست دونوں میں اکیلے رہ گئے ہیں لہٰذا ہندو کوشش کرنے لگے کہ جناح کو سیاسی میدان میں اکیلا کر دیا جائے اصل میں جناح بڑے ذہین، بلند پایا مقرر، خوبصورت اور معاملہ فہم تھے۔ کانجی دوارکداس انڈیا فائیٹ فار فریڈم (37-1913ء) صفحہ 35 میں بیان کرتے ہیں کہ جناح کی تیزی اور ترشی اسی صدمہ کا نتیجہ تھیں جو ان کو بیوی کے مرنے کے بعد پیش آیا اور کلکتہ کنونشن میں ان کے ساتھ ہوا۔ ہندوؤں کے خیال میں قائداعظم کے سیاسی خدوخال، سعی پیہم اور صبر مسلسل اور ان کی زندگی میں کردار، حسنِ بیان اور اپنی بات کی محافظت سے کانجی نے اندازہ لگایا کہ جناح کی رفیقہ حیات جو بڑی مخلص تھیں قومی کاموں، سماجی اداروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔

قائد نے اپنی صلاحیتوں کو حقیقی رنگ دیا اور مسلمانوں کے رہنما جن کو احترام سے دیکھا جانے لگا ہندوستان کی سیاست میں ابھر کر سامنے آئے۔

اسی قسم کے خیالات کا مارگریٹ (1949) نے اپنی کتاب میں جناح کے بارے میں تحریر کیے کہ ان دو صدمات کے بعد جناح نے وہ راستہ اختیار کیا جو مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن تھا زندگی میں کچھ ایسے واقعات آ جاتے ہیں کہ انسان کے بدترین سیاسی حریف بھی قائل ہو جاتے ہیں یہی سلوک جناح سے ہوا خالد بن سعید (1970ء) نے اسی قسم کا اظہار اپنی کتاب میں کیا۔ ذاتی نقصان اور سیاسی ناکامی نے جناح کے لیے راستے کھول دیے اور وہ ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے لگے، ان کی سیاسی زندگی کا دھارا بدل گیا وہ رنجیدہ ضرور تھے مگر مایوسی کا ساتھ نہیں دیا۔ اپنے مشن کو اور تیز کر دکھایا۔ ان کے وسائل کم تھے ان کا جذبہ خوب تھا جناح نے خدا پر بھروسہ کیا قوم کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ان تھک محنت کی، اس تمام سفر میں محترمہ نے خوب ساتھ دیا، محترمہ ہر جگہ ساتھ رہیں کندھے کے ساتھ کندھا ملایا۔ غیر ملکی سفیر، مندوبین کے ساتھ، گفتگو میں شریک رہیں فاطمہ جناح نے گھر کو بھی سنبھالا اور بھائی کی سیاست میں حصہ دار رہیں۔

جناح کی قابلیت، ہمت، خوش اطواری ہندوستان میں کانگریسی حلقہ میں بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ جناح بمبئی کے صوبائی صدر تھے۔ حکیم محمد حسن قرشی اس وقت بمبئی میں مطب کرتے تھے۔ وہ قائداعظم، چند یادیں، چند ملاقاتیں ص 123-130 تک قائد کی بمبئی کی معرکہ آرائی کا ذکر کرتے ہیں۔ لارڈ ولنگٹن گورنر بمبئی کے درمیان شدید آویزش ہوئی۔ قائد کی بیباکی، جرأت کا مظاہرہ ہوا، ہوا یوں کہ پہلی جنگ عظیم جولائی 1914ء میں شروع ہوئی جرمنی آگے بڑھتے گئے اتحادی خوف زدہ ہوئے 1917ء میں روس بھی آ دھمکا۔ سلطنت برطانیہ پریشان ہوئی۔ اسی پریشانی کو دور کرنے کے لیے اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے دہلی میں جنگ کانفرنس طلب کی تا کہ ہندوستان اور والیان ریاست اور اعتدال پسند رہنماؤں کا اعتماد حاصل کیا جائے ان ہی دنوں میں تحریک خلافت زوروں پر تھی لوگ ترکی کی خلافت کے سلسلے میں ہندوستان چھوڑ کر افغانستان اور ترکی جانے لگے۔

گاندھی جی افریقہ سے نئے نئے آئے تھے وہ تحریک خلافت میں شامل ہو گئے اور اپنے ساتھ خدائی خدمت گار غفار خان کو ملا لیا ساتھ برطانوی حکومت کی حمایت شروع کر دی۔ اس کانفرنس میں لوکمانیہ تلک، مسز اینی لیسنٹ اور علی برادران گاندھی جی مدعو ہوئے۔ اسی طرح بمبئی میں کانفرنس ٹاؤن ہال میں لارڈ ولنگڈن نے منعقد کرائی۔

حکیم قریشی صاحب نے اس کانفرنس میں تماشائی کی حیثیت سے شرکت کی۔ کانگرس لیڈروں میں مسٹر جناح، لوکمانیہ تلک، ہارنی مین، جمنا داس دوارکا داس شریک ہوئے۔

مسٹر تلک نے تقریر میں کہا کہ انگریز سرکار ہندوستانیوں سے مدد طلب کرنا چاہتی ہے ہم دور کرنے کے لیے تیار ہیں مگر حکومت برطانیہ پہلے اعلان کرے کہ کامیابی کی صورت میں اہل ہند کو ہوم رول عطا کرے گی کیونکہ اہل ہند جنگ کے بعد محکوم نہیں رہنا چاہتے یہی تقریر مسٹر جناح کی تھی۔ ولنگڈن صاحب نے ایسی تقاریر کو روکا، یہ سیاسی ڈیمانڈ ہے اس پر احتجاج ہو گیا اور گورنر کے طرز عمل پر تقریریں شروع ہو گئیں۔

مسٹر جناح نے تند تیز انداز میں گورنر کو سنائیں اور تلک کے حق میں مظاہرہ شروع ہو گیا۔ کچھ عرصہ ولنگڈن کے حامیوں نے ایک کھیل رچایا کہ اس ہال کا نام ولنگڈن ہال رکھا جائے۔ مسٹر جناح نے اپنی ذہانت سے ہال پر قبضہ کر لیا اور بیگم جناح ہال کے اندر تقریر کرنے لگی۔ پولیس نے مسز جناح کو تقریر کرنے سے روکا مگر انہوں نے تقریر جاری رکھی جناح کے حامیوں نے ہال پر قبضہ کر لیا اور اس ہال کا نام جناح ہال ہے جو اب عظیم عمارت ہے لہذا جناح کی رفیقہ حیات ان کے ساتھ اس طرح تھیں۔ قدرتی امر ہے کہ ایسی رفیقہ حیات کی وفات صدمہ سے کم نہیں ہو سکتی۔ کلکتہ کانفرنس میں چند ہندو مندوبین نے مسٹر جناح کی تقریر پر ہی حملے کیے تاہم پھر بھی چند ہندو لیڈر جن میں ٹی بی سپرو (Sapru) جو آزاد طرز کا ہندو لیڈر تھا۔ 1928ء کی کلکتہ کانفرنس میں اظہار کیا کہ "جناح ایک ایسی سیاسی باوقار شخصیت ہے جس میں سیاسی نکھار ہے اور وہ ہی ہندو مسلم اتحاد کو کامیاب کرا سکتا ہے 1930ء میں مسٹر سپرو نے جناح کو ایک خط میں تحریر کیا۔

میں تمہاری خوشامد نہیں کر رہا کہ صرف تمہارے سوا اور تمہارے تعاون اور مشورہ کے بغیر ہندو مسلم اتحاد ہونا ممکن نہیں اور کانگریس لیڈر شپ نے ہر لحاظ سے ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر مان لیا ہے۔ جناح کے لیے یہ خط بڑی تقویت کا باعث تھا اور بڑی اہمیت دی گئی۔ مگر جناح کے دل میں ایک چنگاری مسلمانوں کے لیے جدا وطن کی سلگ چکی تھی وہ ایسے الفاظ سے اپنی منزل سے نہیں ہٹے۔ ہندو تعریف بڑی مشکل سے کسی شخص کی کرتا ہے اور وہ شخص جو بمبئی میں ہر دلعزیز ہے بارث ہے، قول فعل کا پکا ہے اور سچا مسلمان ہے۔

جناح کو 1929ء کا صدمہ ہوا تاہم انہوں نے 1930ء اور 1931ء کی گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں شریک ہوئے وہاں جا کر مزید مایوسی ہوئی کہ کانگریسی لیڈر انگریز کی ہاں میں ہاں ملانے آئے ہیں ایک خاص ہندو ذہن کی عکاسی کرنے لگے اور دیگر لیڈرز بھی کانگریس کی ہاں میں شریک ہو گئے علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح نے مخالفت کی اور اپنی رائے دی کہ پہلے آپ صوبائی سطح پر لوگوں کو ان کے حقوق دیں پھر فیڈرل سسٹم شروع کریں۔

قائد اعظم لیڈروں کے اس رویہ کو پا کر مزید مایوس ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اب لندن میں رہائش پذیر ہوں گے اور وکالت کی پیروی کونسل میں کریں گے۔ جناح نے ایک اخباری نمائندے کو بتلایا کہ ایک تو میں اس گورنر ولنگڈن کو یہاں دیکھوں گا جس سے میرا بمبئی میں جھگڑا ہوا اور کانگریس کے لوگ جنہوں نے میری باتوں اور تجاویز کو کلکتہ میں نہیں سنا، اب وہ سوچ کریں۔ چنانچہ جناح اپنی بیٹی اور بہن کے ساتھ لندن میں قیام پذیر ہو گئے۔

قائد اعظم ہندوستان کی سیاست میں کانگریس کے بڑے متحرک لیڈر جلد ابھر کے آئے ان کی تیزی، نفاست، تقریر میں اتار چڑھاؤ، اور معاملہ فہمی کئی ہندو اور مسلمان لیڈرز کے لیے خطرہ بننے لگی۔ جناح اعلیٰ درجہ کے بیرسٹر انہوں نے وکالت میں اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ انگریز بھی خوف زدہ ہونے لگے۔ جناح پر ڈپٹی کمشنرز خاص نظر رکھنے لگے کچھ مفاد پرست انگریز ڈپٹی کمشنر اور انگریز گورنر کے تابع ہونے لگے۔ بمبئی ہال کا واقعہ، جنگ کانفرنس ولنگڈن کی شکست سب کچھ جناح کی سیاسی اور فعال سوچ کی وجہ سے ہوا۔ لہٰذا کوشش کی گئی

کہ کلکتہ کنونشن میں جناح کی سیاسی رفتار کو روکا جائے اور جناح کی فعال قیادت کو مزید نہ آگے جانے دیا جائے۔

اکثر اوقات جناح اپنی بہن سے لندن میں ہندوستان کی سیاسی کیفیت پر بحث کرتے جناح چونکہ محنتی اور ذہین تھے ان کی لیگل پریکٹس لندن میں رواں دواں ہونے لگی اور وہ خوشحال زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر ان کا دل ہندوستان میں اور ہندوستان کے مسلمانوں میں تھا۔

جناح نے ان خیالات کا اظہار اپنے ایک خط 5 مئی 1932ء میں عبدالمتین چوہدری کے نام تحریر کیا۔ کہ

''میں یہاں اچھی زندگی گزار رہا ہوں تاہم میرے دل کی دھڑکن ہندوستان کی سیاست پر ہے۔'' یہ بات جی الانہ نے اپنی کتاب کے ص 242 پر تحریر کی تھی بہن فاطمہ جناح ساتھ تھیں انہوں نے بھائی کی سیاست میں پرواز کو ہندوستان میں ایک اعلیٰ مقام پر دیکھا تھا مسلمانو ں کے علاوہ ہندو لیڈرز بھی جناح کی عزت کرتے تھے وہ اکثر ماضی کی باتیں کرتی اور اتنے میں خان لیاقت علی خان بمعہ اپنی بیگم رعنا لیاقت علی لندن ہنی مون کی غرض سے آئے۔ انہوں نے قائد سے ہندوستان کی واپسی کا اصرار کیا فاطمی نے راہ ہموار کر رکھی تھی۔ محترم علامہ اقبال نے جناح کو خط تحریر کیا کہ اس وقت مسلمانان ہند کی کشتی کو بھنور سے آپ ہی نکال سکتے ہیں۔ قائد مکمل چار سال ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں سوچتے رہے، حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ فاطمی نے واپسی پر بڑا کردار ادا کیا، چنانچہ آپ نے لندن کی خوشحال آرام دہ، باعزت زندگی چھوڑنے کا فیصلہ کیا، اور 1935ء میں واپس وطن ہمیشہ کے لیے آگئے۔ لندن کو چھوڑنا، سیاست کی وادی میں آنا، تکالیف کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک منفرد دماغ اور سوچ کی ضرورت ہوتی ہے جب جناح جیسی فعال سیاسی شخصیت ملک چھوڑ کر باہر چلی جائے، تو سیاست کا میدان خالی ہو جائے، پھر ہر طرح کی باتیں بنتی ہیں، صحافت کا برا کردار ہر سیاست میں ہوتا ہے۔ اسی قسم کی ایک سٹوری اکانومسٹ لندن میں ان دنوں شائع ہوئی، جن دنوں جناح کے دماغ میں واپسی کی لہر فاطمہ

جناح اور لیاقت علی خان، علامہ اقبال کی وجہ سے چل رہی تھی۔ سٹوری میں یہ درج تھا کہ پنڈت نہرو نے کسی پرائیویٹ پارٹی میں کہا۔"جناح اب ختم ہو گئے" جناح کو اپنے ماضی کے سیاسی افکار پر بڑا ناز تھا اس کے مقابل سیاست میں ہونا بڑا کٹھن کام تھا۔ تاریخ میں ایسے مقام آتے ہیں جبکہ مقابل قوت کی بناء پر آپ اہم پوزیشن حاصل کر پاتے۔ اگر جناح کا ذہن واپسی پر تیار نہیں کیا جاتا تو وہ کبھی واپس نہ لوٹتے اور برصغیر کے مسلمان ہندو کے رحم و کرم پر ہوتے۔ ان تاثرات کا اظہار 17 ستمبر 1949ء کے اکانومسٹ میں لوئیس مشیر نے کیا۔

قائد کی جب ملاقات لندن میں علامہ اقبال سے ہوئی تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ جناح کو خطبہ الٰہ آباد 20 دسمبر 1930ء کے بارے میں آگاہ کیا اور جناح کو مسلمانوں کے جدا وطن کے لیے متاثر کیا اور وہ لندن سے ہندوستان اس جذبہ کے ساتھ لوٹے۔

جناح اور جناح کی بہن محترمہ فاطمہ جناح میں ذہانت اور آئندہ کے واقعات پر گرفت تھی انہوں نے جائزہ لیا کہ ہندوستان کی سیاست میں فعال کردار مسلمانوں کے لیے کون ادا کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال کی دلی خواہش تھی کہ قائد مسلمانوں کی قیادت کریں اور جدا وطن کی جدوجہد کریں۔ علامہ اقبال کی اپنی صحت اور قوت ہندوستان کی سیاست کے لیے موزوں نہ تھی وہ تخلیقی فلاسفر اور صاحب فراست تھے۔ انہوں نے جناح کو پہچان کر خط تحریر کیا۔

سر آغا خان اس وقت کے مسلمان فعال، مقتدر سیاسی رہنما تھے۔ ان کی وابستگی مسلم لیگ سے تھی مگر وہ سوئٹزرلینڈ کی زندگی اور فرانس میں قدر و منزلت میں صاحب اختیار تھے۔ وہ ہندوستان کی سیاست میں متحرک نہیں ہو سکتے تھے۔ انہوں نے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی تھی، انکی نظریں بھی نوجوان، فعال بیرسٹر جناح پر تھیں۔

ہندوستان کی سیاست میں مولانا محمد علی جوہر علی برادران بڑے فعال کردار کے مالک تھے، اور سر میاں محمد شفیع بھی تھے انہوں نے جدا مسلم لیگ بنائی تھی۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر سے کسی نے کہا کہ آپ اپنی صحت کا خاص خیال

رکھیں، کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نظریں آپ پر بھی ہیں۔ مولانا نے جناح کی طرف اشارہ کیا جو دور کھڑے تھے۔ اب یہ نوجوان مسلمانوں کی رہنمائی کرے گا۔ قائد اعظم کی واپسی سے قبل دونوں حضرات اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

سر فضل حسین پنجاب میں فعال تھے وہ بیمار تھے وہ ایسا متحرک کردار ادا کرنے کے قابل نہ تھے ان کی سیاست بھی پنجاب تک محدود تھی لیڈر شپ کی کمی کی بدولت مسلمان کئی گروہ میں بٹ چکے تھے۔ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس میں اختلاف تھا کئی مسلمان کانگریس کے حاشیہ بردار ہو گئے قائد اعظم ان حالات کا جائزہ لندن میں لیتے رہے اور باخبر تھے ایسی باتوں کا ذکر گھر میں فاطمہ جناح کے ساتھ ہوتا تھا اور دونوں مسلمانوں کی حالت کے لیے کڑھتے تھے، چنانچہ مارچ 1932ء میں جناح نے لندن سے عبدالمتین چوہدری کو خط لکھا اس خط میں جناح نے زور دیا کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد ہونا چاہیے اگر مسلمان لیڈر جان لیں کہ وہ سیاست کس طرح عوام کے مفاد کی کریں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان کمیونٹی ان کی مددگار ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمان اکٹھے ہو جائیں تو انگریز اور ہندو کسی طرح 80 ملین مسلمانوں کو پس پشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو منظم کرنا ضروری ہے۔

گویا لندن میں بیٹھ کر جناح آرام کی زندگی ہی نہیں بسر کر رہے تھے بلکہ وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے سرگرداں تھے اگر وہ ہندوستان میں عبدالمتین کو خطوط لکھتے تھے تو وہ یہ معاملات اپنی بہن سے بھی ڈسکس کرتے ہوں گے۔

اب چار سال میں جناح کی سوچ مسلمانوں کے مستقبل پر نقش ہو چکی تھی اتنے میں 1935ء کا ایکٹ نافذ ہو گیا۔ اس میں تھوڑی سی گنجائش مسلمانوں کے لیے تھی۔ اس ایکٹ نے کچھ راستہ مسلمانوں کے لیے کھولا اگر مسلمان متحد ہو جائیں اور ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں قائد اعظم کی سوچ بیدار ہو چکی تھی۔ آپ کے دل میں مسلمانوں کی تڑپ نے پلٹا کھایا چنانچہ آپ نے اپنا شاندار گھر ہمسٹیڈ (Hamstead) کو بیچ دیا واپس اپنے گھر ماؤنٹ پلسٹ روڈ بمبئی میں آ گئے۔ اب وہی رونقیں شروع ہو گئیں ہندوستان کے مسلمان اس گھر میں آنے لگے آپ نے فرنیچر اور دیگر دفتری سامان اپنے جونیئرز کے

حوالے کر دیا اور ہندوستان آ گئے۔ ہیکٹر بولیتھو (Hector Bolitho) ص 106 پر تحریر کرتا ہے کہ لندن میں ان کا شاندار فرنیچر تھا۔ انہوں نے خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو قائد نے کہا۔

"یہ اب تمہارا ہے۔ میں ان چھوٹی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا میں ایک بڑے گرینڈ مشن پر جا رہا ہوں۔"

قائد نے لندن سے واپسی کے مشن کو خوب قانونی اعتبار سے جانا، ہر پہلو کو سوچا اور ہندوستان کے مسائل اور مسلمانوں کی حالت پر گہری نظر سے مطالعہ کیا اقبال کا نظریہ علیحدہ وطن تحت الشعور میں تھا لیاقت علی خان اور ہمشیرہ فاطمہ کے مشورے بھی تھے چنانچہ وہ واپس آئے تا کہ کچھ کردار ادا کر سکیں۔ جناح کو اپنی شخصیت پر اعتماد تھا وہ سوچ میں سیدھے تھے ان کا ایمان پختہ تھا اور اللہ پر یقین تھا اور بڑے سے بڑا چیلنج کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ 1936ء۔ 1937ء کے دوران قائد کے خطوط علامہ اقبال کو آئے اور اقبال کے خطوط قائد کو میسر آئے ان خطوط نے جناح کی سیاسی سوچ کو ہندو مسلم اتحاد کی بجائے مسلم اتحاد اور جدا وطن کی طرف راغب کرنا تھا۔ جناح کے لندن میں قیام کے دوران آل انڈیا کانگریس اور نہرو کو موقع میسر آیا کہ وہ مسلمانو کو راغب کر سکیں کہ صرف آل انڈیا کانگریس ہی ان کی مضبوط پارٹی ہے نہ بڑی حقارت والی زبان استعمال کرنے لگے ہم نے ہند کی اقتصادی بات کرنی ہے وہ کہ کیپٹل، اور بڑی شان سے کہا کہ کچھ لوگ مسلم گروپ اور ہندو گروپ کی باتیں کرتے ہیں ایسے گروپوں کی جگہ ہندوستان میں نہیں ہے۔ نہرو نے کہا "آپ ان لوگوں کی باتیں نہ سنیں، جو اسمبلی میں کچھ فی صد سیٹوں کی بات کرتے ہیں۔ کچھ سروں میں کوئٹہ کی بات کرتے ہیں ایسے لوگوں کی پرواہ نہ کی جائے۔ ہمیں کانگریس کو عوام تک رسائی حاصل کرنی ہے نہرو نے فخریہ اور طنزیہ، حقارت آمیز الفاظ کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ سیاست اس کے ہاتھ میں ہے۔ علامہ اقبال نے ایک خط جناح کو یوں تحریر کیا (20 مارچ 1937ء) لیٹرز آف اقبال ٹو جناح ص 13/14

"ہم جبکہ پروگریسو پارٹیز کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں تاہم یہ

یاد رکھنا چاہیے۔ اسلام کا بحیثیت اخلاقی اور سیاسی افکار کا مستقبل سارے ایشیاء میں اسی وقت ہو سکتا ہے جب تک ہم مکمل اور مضبوط انڈیا کے مسلمانوں کی تنظیم نہ بنالیں۔"

آپ نے قائد کو مشورہ دیا کہ آپ اپنی ذہنی سوچ میں ابھرتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کی پوزیشن پر نظر ڈالیں دنیائے عالم کو علم ہو جانا چاہیے کہ ہندوستان کا مسئلہ صرف اقتصادی نہیں بلکہ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے ہندوستان کے مسلمانوں کی تقدیر کا مسئلہ ہے یہ ٹھیک ہے کہ مسلمانوں میں غربت ہے تاہم جو پارٹی مسلمانوں کی اقتصادی پوزیشن کا ذکر کر رہی ہے کیا ثبوت ہے؟ کہ کل مسلمانوں کی حالت بدلنے میں کردار ادا کر سکے گی گویا اقبال لگاتار قائد کو مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے راغب کرتے رہے نہ جانے اقبال کیوں جناح کو مسلمانوں کے موقف کے لیے مجبور کرنے پر مجبور تھے شاید ان کو اپنی زندگی کے ایام کا خیال تھا علامہ نے قائد کو اپنے خطوط 1937ء میں لکھے 1938ء میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ اقبال کو مسلمانوں کی زبوں حالی اور سیاست میں ان کے مقام کے لیے فکر تھی وہ انہی مقاصد کے حصول کی خاطر قائد کو راغب کرتے رہے۔

اقبال نے قائد کو ایک خط یوں لکھا کہ ہمیں ایک اہم فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہندوستان کے اونچے درجہ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنی ہے یا یہ عام مسلمانوں کی نمائندگی کرے گی۔ اقبال نے کہا کہ جو جماعت عوام کے مفاد کے لیے نہیں سوچتی وہ اپنی طرف عوام کو نہیں کھینچ سکتی۔ ہم نے عام مسلمانوں کی حالت کو بدلنا ہے کوئی جماعت اس وقت تک نمائندگی نہیں کر سکتی۔ جب تک اس کے ضوابط میں بہت سارے لوگوں کی حالت بدلنے کا ارادہ نہ ہو انہوں نے (اقبال) خطرہ ظاہر کیا کہ جواہر لعل نہرو کی غیر مذہبی سوشلزم تحریک کانگریس کے پلیٹ فارم سے بہت سارے مسلمانوں کو متاثر کرے گی اور بہت سارے مسلمانوں کو وہ اپنے ساتھ چلالیں گے۔ لیکن ہمارے مذہب اور شریعت میں روٹی کا مسئلہ سب کی فلاح میں موجود ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو مسلمانوں کو اپنی طرف راغب کریں ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کی ریاست بنانے

میں کردار ادا کریں۔

قائد اعظم مسلم لیگ کے صدر چنے گئے تھے۔ چنانچہ اکتوبر 1937ء میں لکھنو کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہوا اس اجلاس میں قائد اعظم نے اپنے صدارتی خطبہ میں علامہ اقبال کی تدابیر کا ذکر کیا اور ساتھ ہی کانگریس کی ماس کنٹیکٹ (Mass Contact) مہم کے خلاف تقریر کی کہ ایسی سکیم مسلمانوں کو ان کی اپنی قیادت سے علیحدگی کی طرف لے جائے گی۔ قائد نے کہا کہ کانگریس کی تمام باتیں بھوک ننگ اور اقتصادی امور پر مبنی اصطلاحیں مسلمانوں کو سوشلزم کی طرف راغب کر رہی ہے۔ لہٰذا اقبال کے نظریہ کے مطابق مسلم لیگ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی طرف توجہ دے گی آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ سے اپیل کی "ہر صوبہ، ضلع، تحصیل، ٹاؤن سطح پر ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد ناجی اپ لفٹ کی سکیمیں تیار کی جائیں اور ایسے پروگرام مرتب کیے جائیں جس میں مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی شعور میں ترقی ہو جائے اور ہر فرد، عورت مرد بچہ کو چاہیے کہ وہ ایک سیاسی پلیٹ فارم مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آ جائیں پھر 80 ملین ہندوستان کے مسلمانوں کو ڈر نہیں۔"

محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے آخر میں کہا اگر ہند کے 80 ملین مسلمان اکٹھے ہو جائیں تو پھر مسلمان قوم کی قسمت ان کے ہاتھ میں ہو گی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں کو ایک جرأت مندانہ فیصلہ کرنا پڑے گا اور اس فیصلہ کے نتائج دور رس ہوں گے۔ آپ کوئی فیصلہ کرتے وقت سو مرتبہ سوچیں، غور کریں جب ایک مرتبہ آپ نے سوچ کے بعد فیصلہ کر لیا تو اس پر قائم رہیں۔

میرے خیال میں قائد نے لندن سے ہند واپسی پر سو مرتبہ سے زیادہ سوچا ہو گا تبادلہ خیالات فاطمہ بہن سے کیے ہوں گے لیاقت علی خان اور علامہ اقبال کی فکری کشش پر غور کیا ہو گا۔ مسلمانوں کی حالت، کانگریس اور نہرو کی نیت نے بھی انہیں متاثر کیا، لہٰذا وہ واپس آ گئے۔

لکھنؤ کے مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ طے پایا کہ ہندوستان کی مکمل آزادی،

آزاد ریاستوں میں تقسیم بطور ایک فیڈریشن ہونی چاہیے۔ مولانا ظفر علی خان نے ایک قرار داد کی تائید کرتے ہوئے فرمایا۔ "مسلمان تو ہمیشہ آزادی کی بات کرتے ہیں کہ انڈیا ایک قوم نہیں ہے اس میں دوسری قومیں بھی آباد ہیں۔"

حسن امام صاحب نے قرار داد پر مزید فرمایا کہ آج کے بعد مسلمان صرف آزادی کی خاطر زندہ رہیں گے یا مریں گے۔" ابھی تک مسلمان جدا ملک کی خاطر آگے نہ بڑھے صرف آزادی کی منزل تک رہے جدا وطن کی ڈیمانڈ کے لیے وقت کا انتظار رکھا۔ قائد نے یہی بات اپنے ایک خط جو انہوں نے علامہ سر محمد اقبال کو 21 جون 1937ء کو تحریر کیا۔

"مجھے آپ کے خیالات سے اتفاق ہے تاہم ابھی ہماری سوسائٹی (مسلمان) پوری طرح منظم نہیں اور ان میں ڈسپلن کی کمی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں میں گروہ بندیاں تھیں جناح کی خاصیت یہ تھی کہ وہ سیاسی سٹریٹجی کے ماسٹر تھے وہ جدا وطن کی ڈیمانڈ سے قبل لوگوں کو تیار کرنا چاہتے تھے۔ جناح کے خیال میں مسلم لیگ کو منظم کرنا بڑا ضروری تھا تنظیم، مضبوطی سے ہی کسی ڈیمانڈ کی پیش خیمہ ہو سکتی ہے یہ وجہ تھی کہ قائد نے چوہدری رحمت علی کی سکیم کو پختہ قرار نہیں دیا اور اقبال کی سکیم کے ساتھ اتفاق کیا مگر وقت کے دھارے کا انتظار کیا۔ اب لوگ مسلم لیگ کی طرف راغب ہونے لگے۔

(تحریر: پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی)



۱۹۴۸ء سبی شاہی دربار، قائداعظم محمد علی جناحؒ خطاب کر رہے ہیں اور محترمہ فاطمہ جناحؒ تشریف فرما ہیں

فاطمہ جناح کا سیاسی امور میں کردار

حضرت قائد اعظم محمد علی جناح پاکستان کے اعلان اور پاکستان بن جانے کے وقت علیل تھے وزن بہت کم ہو چکا تھا چہرے کے رخسار ابھرے ہونے کی بجائے پچکے ہوئے تھے تھکاوٹ زیادہ تھی وطن پاک کی منزل انہوں نے لی تھی دنیا کو انہوں نے وحدت اسلامی کا سبق پریکٹیکل طریقے سے سمجھایا۔ اہل دنیا مشرق و مغرب قائد اعظم کی سیاسی عظمت کا احترام کرنے لگے کہ مسلم لیگ کے سربراہ نے قومیت کی بنیاد پر دنیا کے نقشے کو بدل دیا بے شمار شہداء کی قربانی کام آئی ہر مذہب کے لیے پاکستان آشیاں بن گیا محمد علی جناح کو تشنگی نہ رہی کیونکہ پاکستان ان کی زندگی میں معرض وجود میں آ گیا۔ 14 اگست 1947ء کو وہ بڑے خوش تھے۔ انہیں گلستان پاکستان کی خوشبو میسر آئی ظلمتیں ختم ہو گئیں ایک آزاد قوم کی حیثیت میسر آئی۔ یہی آرزو محمد علی جناح کی تھی۔

جب قائد اعظم محمد علی جناح 14 اگست کو پنڈال کی طرف خوش و خرم جا رہے تھے وائسرائے ہند لارڈ لوئیس ماؤنٹ بیٹن نے کہا "مسٹر جناح خفیہ اداروں کی رپورٹ ہے کہ باہر نہ جائیں آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ آپ پر قتل کا حملہ ہو جائے گا مسٹر جناح نے کہا "آج بڑی مسرت کا دن ہے مجھے کچھ نہیں ہوتا۔ میرا خدا محافظ ہے۔ میرا دامن صاف ہے اس ارفع ساعت کی عظمت سے میں محروم نہیں ہونا چاہتا۔"

قائد اعظم کی آنکھوں میں تیزی چہرہ پر فرحت اور جوان نظر آتے تھے۔ وہ ہجوم کی عقیدت کا جواب اپنے نحیف ہاتھ ہلا ہلا کر دے رہے تھے ان کو بڑا سکون تھا ان کی

تمنائیں آج مکمل ہو چکی تھیں بیماری ان کو اس وقت بھول چکی تھی نہایت شان و شوکت کے ساتھ صداقت کا پرچم تھامے ہوئے وہ تقریب میں گئے خطاب کیا۔ آج مسلمان ہندو کی ظلم و ستم کی چکی سے آزاد ہوئے۔ انہوں نے اسلامی انقلاب اپنے سیاسی افکار و کردار سے ثابت کرایا۔

14 اگست 1947ء قائداعظم کو بڑی تھکاوٹ تھی خوراک بالکل نہ تھی بھوک نہیں لگتی تھی ڈاکٹر رحمٰن بلائے گئے قائداعظم علاج کے لیے مائل نہ تھے فاطمہ جناح نے کافی تسلی دی آرام تجویز کیا گیا اس وقت ڈاکٹر رحمٰن نے ملیریا تشخیص کیا جو قائداعظم کو قائل نہ کر سکا قائداعظم اسی علالت کے ساتھ ستمبر 1947ء لاہور آئے۔ افاقہ نہ تھا علالت بڑھتی گئی دوبارہ اکتوبر میں آئے۔ آرام تجویز کیا گیا۔ 26 اکتوبر کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو حکم دیا کہ دو بریگیڈ کشمیر روانہ کریں ایک سری نگر اور بارہ مولا، کشمیر پر قبضہ کر لیں۔ حکم کو ایک خاص طریقے سے ہٹایا گیا میٹنگ رکھی 28 اکتوبر کو پنڈت نہرو نہ آئے بیمار پڑ گئے۔ یکم نومبر 1947ء کو بیماری کی حالت میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ معاہدہ پر دستخط ہوئے کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے لوگ کریں گے۔

پنجاب یونیورسٹی اسٹیڈیم لاہور

عوام کو 30 اکتوبر 1947ء کو خطاب کیا "ہم نے اپنی منزل مقصود پا لی ہے۔ اور ایک آزاد خود مختار اور دنیا کی پانچویں بڑی مملکت قائم ہو چکی ہے۔ ہم بے مثال اور ناگفتہ بہ مصائب میں گھرے ہوئے ہیں ہم خوف اور اذیت کے تاریک ایام میں سے ہو کر گزرے ہیں لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حوصلے، خود اعتمادی اور اللہ کی تائید ہمارے قوم چڑھے گی۔

آخر میں آپ نے کہا کہ ہم عہد کریں ہر شخص، وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی ان عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہوں گے۔

آپ نے مزید کہا "حوصلہ بلند رکھیے، موت سے نہ ڈریئے، ہمارا مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ موت کا استقبال کرنا چاہیے، ہمیں پاکستان اور اسلام کا وقار بچانے

کے لیے اس کا مردانہ وار سامنا کرنا چاہیے، صحیح مقصد اور اصول کی خاطر ایک مسلمان کے لیے جام شہادت نوش کرنے سے بہتر اور کوئی نجات نہیں۔''

''خدا پر بھروسہ رکھیے اس دنیا میں کوئی ایسی طاقت موجود نہیں جو پاکستان کو مٹا سکے یہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔ ہمارا عمل دنیا میں ثابت کر رہا ہے ہم حق پر ہیں۔''

اسی طرح آپ نے 30 اکتوبر 1947ء ریڈیو پاکستان سے نشری تقریر کی۔

صحت کی حالت غذا کی کمی بھوک کی کمی وزن میں کمی، سانس پھولنا، تھکن حرارت سب کچھ ہونے کے باوجود اتنی عمر و وزن تقریباً 75 پونڈ اور تقدیر کی فلاسفی پاکستان اسلام اور خدا پر تقویٰ اور پھر سیاسی شعور اور اجتماعی شعور کا سبق حوصلہ آپ کو خدا پر کس قدر بھروسہ تھا، اور شہادت تک کے لیے راہ ہموار کر لی اگر وطن عزیز کے لیے جان کی قربانی کی ضرورت پڑے وہ بھی حاضر ہے۔ قدرتی امر ہے کہ اتنی تھکا دینے والی تقریر سے بخار اور تھکن ضروری تھا کچھ دن آرام کیا۔

مارچ 1948ء میں ڈھاکہ کا سفر جہاز پر کیا اور بے شمار مقامات پر مشرقی پاکستان میں خطاب کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح ساتھ تھیں۔ 21 مارچ ڈھاکہ جلسہ عام کو خطاب کیا بڑی لمبی تقریر کی پاکستان زندہ باد تین بار کہا ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد سے 24 اکتوبر 1948ء کو خطاب کیا۔ یہ خطبہ بھی بڑا طویل تھا اسی طرح مشرقی بنگال کے گزیٹیڈ افسروں سے 25 مارچ 1948ء چٹاگام میں خطاب کیا۔ 26 مارچ عام استقبالیہ چٹاگام کو خطاب کیا۔ ریڈیو پاکستان ڈھاکہ 28 مارچ خطاب کیا انسان سوچ نہیں سکتا کہ دبلا پتلا انسان اس قدر طویل تقریر کر سکتا ہے، اور تفصیل سے پالیسی، سیاسی حالات بھارت کی چالاکی کو بیان کر سکتا ہے۔ اپریل 1948ء کو پشاور کوئی سات دن رہے تاریخی شیڈول متواتر سفر، تقریریں، ملاقاتیں کیا کچھ مثلاً

12 اپریل 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء کے سپاسنامے کے جواب میں طویل تقریر 14 اپریل کو پہلی پاکستان کی اولمپک گیمز کے لیے پیغام۔

13 اپریل کو رسالپور پاک فضائیہ سے خطاب اسی روز تیسرے آرمڈ بریگیڈ کے افسروں اور جوانوں سے خطاب اسی روز نوشہرہ کور مرکز کے افسروں سے اور جوانوں سے

خطاب، 19 اپریل کو سول افسروں پشاور سے غیر رسمی بات چیت 15 اپریل کو 2/15 پنجاب مشین گن رجمنٹ پشاور کو خطاب 17 اپریل کو قبائلی جرگے سے خطاب 18 اپریل ایڈورڈ کالج سے خطاب عبدالغفار خاں سے ملاقاتیں، ڈاکٹر خان صاحب سے ملاقاتیں، ہزارہ سے منتخب ممبران سے ملاقاتیں اور 20 اپریل 1948ء پشاور میں جلسہ عام میں طویل خطاب، اس جلسہ کے دوران بارش ہوگئی آپ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ محترمہ ٹھنڈک کے ڈر سے آپ کی حفاظت کرتی رہیں۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے، خنکی، جسم میں کمزوری، تھکن سے مزید قائد کی طبیعت خراب ہوئی، زکام لگ گیا۔ ٹمپریچر زیادہ ہوگیا، کراچی علالت کی حالت میں واپس ہوئے، ڈاکٹر بلایا گیا انہوں نے پھیپھڑوں کی سوزش کہا ادویات دیں آرام پر زور دیا آرام تو کیا مگر قائد کا کام چلتا رہا۔

ڈاکٹر رحمٰن اور فاطمہ جناح مسلسل آرام کے لیے ترغیب دیتے رہے لیکن وہ آرام نہیں کر پاتے تھے۔ ایک ہفتہ بڑی مشکل سے آرام کیا۔ ان تمام حالات میں محترمہ کا ڈینٹسٹ ہونا، میڈیکل سائنس سے واقفیت ہونا، اپنی ذات پر اعتماد ڈاکٹروں سے ملاقاتیں، مشاورت ہی کی وجہ سے اتنی صحت تھی۔

20 اپریل 1948ء کننگھم پارک پشاور میں بہت بڑے جلسہ کو خطاب کر رہے تھے آپ کا لباس نہایت شستہ، سفید شلوار سیاہ شیروانی، کراقلی کی ٹوپی، اس وقت آپ تقریر کر رہے تھے بڑے ہی کمزور تھے، اور لاؤڈ سپیکر کے سامنے جھکے ہوئے تھے صرف عوام کی قدر کرتے ہوئے آپ ٹھنڈ میں بیٹھے رہے کوئی کمبل نہ لیا۔ شیروانی کے سارے بٹن بند تھے جب آپ جلسہ گاہ میں تشریف لائے گورنر سرحد کننگھم اور خان عبدالقیوم خان موجود تھے جب آپ سرحد (ہزارہ) کے منتخب نمائندوں سے بات چیت کر رہے تھے آپ کی شیروانی سفید تھی۔ اس میٹنگ میں خان عبدالقیوم خان بابا جلال، فرید خان اور دیگر لیڈر موجود تھے۔ جب ایئر بیس رسالپور تشریف لے گئے۔ آپ کی شیروانی سفید تھی گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے یہاں آپ نے ہاتھ میں چھڑی رکھی محترمہ فاطمہ جناح ہمراہ تھیں، اور عینک سیاہ لگائی تھی۔

13 اپریل رسالپور جب باوردی آفیسرز سے ملاقات کرنی تھی تو آپ کی شیروانی سیاہ تھی۔ ہاتھ میں چھڑی نہ تھی، فاطمہ جناح نے شلوار قمیض کے اوپر کوٹ نما چیز نہیں رکھی تھی۔

17 اپریل 1948ء خیبر پاس جب آپ گئے لاتعداد قبائلیوں نے والہانہ استقبال کیا دور دراز پہاڑوں سے لوگ آپ کے دیدار کے لیے آئے روایتی جلوس میں آپ کی کار کو سنبھالا، تحفے دنبے پیش کیے، اور علاقے کی مخصوص تندور کی روٹی پیش کی قائد اعظم بڑے کمزور تھے مگر بڑے خوش تھے مسکراہٹ ان کے چہرے پر نور کی طرح تھی قبائلی علاقے میں آپ نے سوٹ نک ٹائی اور جناح کیپ پہن رکھی تھی۔

واپسی پر کراچی جب اینٹی ایئر کرافٹ گن کا معائنہ کر رہے تھے آپ کا لباس اجلا سفید شیروانی بٹن بالکل بند اور جناح کیپ تھی کمزوری ضرور تھی ساتھ فاطمہ جناح سفید شلوار قمیص پہنے تھیں۔

21 فروری 1948ء جب آپ کراچی میں ایک رجمنٹ کا معائنہ کر رہے تھے آپ کے پیچھے سید منظور حسین کا بینر لکھا ہوا تھا۔

"مسلمانو نہ گھبراؤ خدا کی شان باقی ہے، ابھی اسلام زندہ ہے،
قائداعظم زندہ باد خداداد پاکستان زندہ باد۔

10 مارچ 1948ء آپ ریڈ کراس سوسائٹی کے اجلاس میں تقریر کر رہے تھے آپ کے ہاتھ میں کاغذ تھے ہاتھوں میں صرف ہڈیاں ہی نظر آتی تھیں فاطمہ جناح سفید دوپٹہ اور شلوار قمیض میں بیٹھی تھیں۔

1948ء میں آپ نے مہاتر آف چترال کو شرف نیاز بخشا۔ محترمہ کے سفید بال، جاذب نظر لباس قائد اعظم نے عمدہ شیروانی اور شلوار پہن رکھی تھی۔ جب قائد اعظم صحت مند تھے، تو سیر و تفریح کیا کرتے تھے۔ آپ کے ہمراہ فاطمہ جناح، لیاقت علی خان بیگم لیاقت علی خان گھوڑا سواری کیا کرتے تھے پہاڑی علاقے قدرتی مناظر کے شائق ہوا کرتے تھے مچھلی کا شکار کر لیا کرتے تھے، آپ نے مصر میں پرانڈ کے درمیان فاطمہ جناح کے ہمراہ اونٹ سواری بھی کر رکھی ہے اس وقت آپ کا لباس انگریزی سوٹ ٹائی ہوتا تھا۔ قائد اعظم بلیئرڈ کا کھیل کھیلتے تھے سگار بھی پیتے تھے۔ پائپ تمباکو کے شوقین تھے طلباء سے خوش مزاجی، لطافت بھی کرتے تھے قائد اعظم کو پھول بھی پسند تھے۔

(تحریر: پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی)



بہن بھائی (محترمہ فاطمہ جناحؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ)

عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب میں خطاب

قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان نے عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب پر اپنے اعزاز میں بار ایسوسی ایشن کی جانب سے دیئے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔

قائداعظم نے فرمایا:

''آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔''

گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا: ''جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یا کچھ لوگ جو اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں، میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں، کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

''اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔ قائداعظم

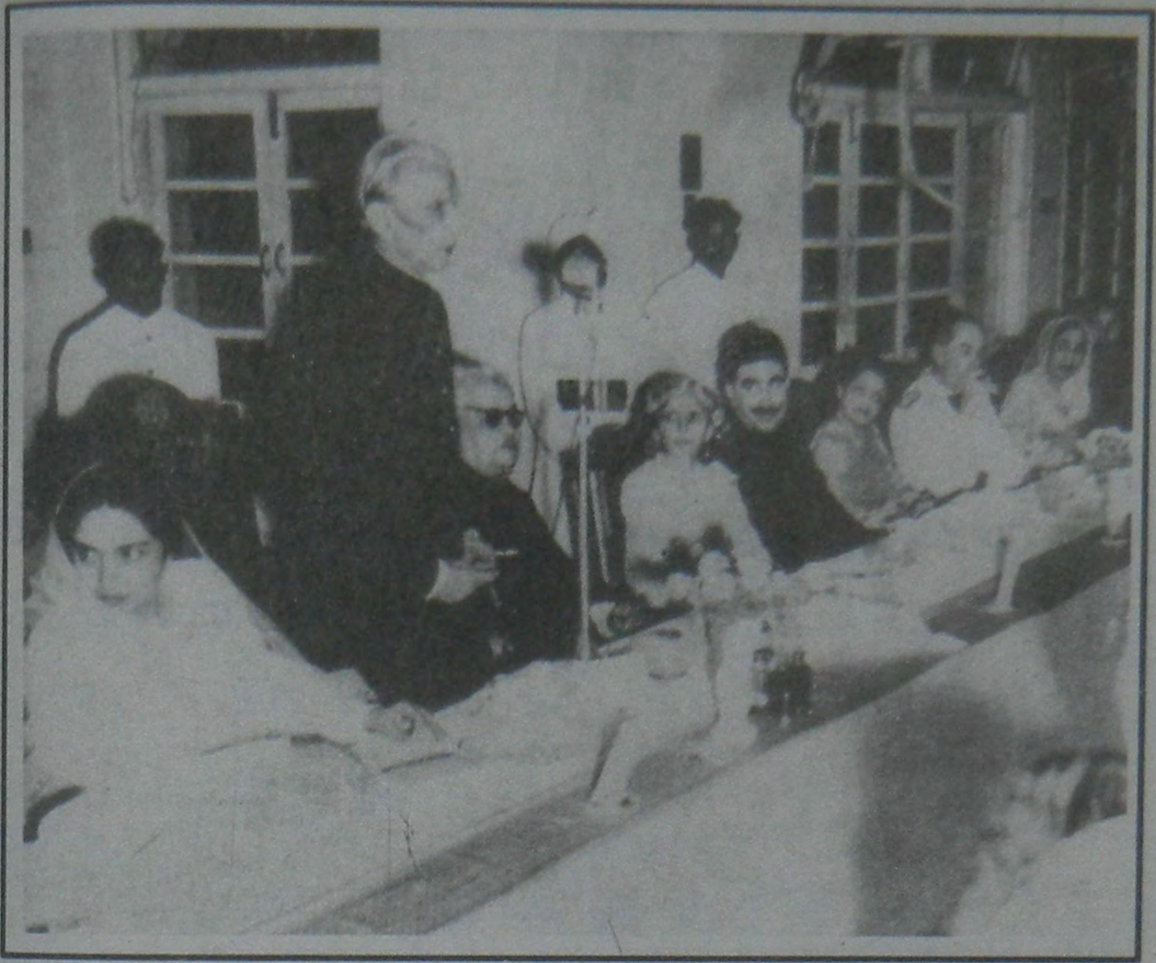
محمد علی جناح نے فرمایا ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنا لینے دیجیے ہم یہ بنائیں گے اور ہم اسے ساری دنیا کو دکھائیں گے۔"

صوبائی عصبیت کے بارے میں گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا کہ "یہ ایک بیماری ہے اور ایک لعنت، انہوں فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صوبائی عصبیت کی بیماری سے چھٹکارا پالیں ایک قوم جب تک کہ وہ ایک صف میں نہ چلے، کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ ہم سب پاکستانی اور اس مملکت کے شہری ہیں اور ہمیں مملکت کے لیے خدمت، ایثار اور زندگی کا نذرانہ پیش کرنا چاہیے تا کہ ہم اسے دنیا کی عالیشان اور خود مختار مملکت بنا سکیں۔"

قائداعظم نے اس عظیم اور تاریخی موقع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا "میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے خوش آمدید کہا میں اس بار ایسوسی ایشن سے کافی عرصے سے واقف ہوں آج ہم یہاں تھوڑی سی تعداد میں اس عظیم شخصیتؐ کے حضور خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے جن کے لیے نہ صرف لاکھوں دل احترام سے لبریز ہیں بلکہ جو دنیا کے عظیم ترین لوگوں کی نظر میں بھی محترم ہیں میں ایک حقیر آدمی، اس عظیم المرتبت شخصیت کو کیا خراج عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔"

"رسول اکرم ﷺ ایک عظیم رہبر تھے۔ آپ ﷺ ایک عظیم قانون عطا کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ ایک عظیم مدبر تھے۔ آپ ایک عظیم فرمانروا تھے جنہوں نے حکمرانی کی جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بلا شبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس بات کو بالکل نہیں سراہتے۔

> "اسلام نہ صرف رسم رواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی حیات اور اس کے رویہ بلکہ اس کی سیاست و اقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے یہ وقار، دیانت، انصاف اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے ایک خدا اور خدا کی توحید، اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے، اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی



یوم آزادی ۱۴ آگست ۱۹۴۷ء گورنر جنرل ہاؤس کراچی کے موقع پر تقریر کر رہے ہیں
محترمہ فاطمہ جناح ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں



قائداعظم محمد علی جناحؒ کے یوم پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ

میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات، آزادی اور یگانگت، اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔"

گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا: "اس زمانہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی زندگی سادہ تھی، تاجر کی حیثیت سے لے کر فرمانروا کی حیثیت تک آپ ﷺ نے جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالا کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔ رسول اکرم ﷺ عظیم ترین انسان تھے جن کا چشم عالم نے کبھی آپ ﷺ سے پہلے نظارہ نہیں کیا۔ تیرہ سو سال گزرے کہ آپ ﷺ نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔



یکم جولائی ۱۹۸۴ء سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناحؒ
سپاسنامے کا جواب دے رہے ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ خواجہ ناظم الدین بیٹھے ہیں



سفارتی استقبالیہ گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ

قائداعظم کی شخصیت کا فاطمہ جناح پر اثر

قائداعظم شروع ہی سے ایک بڑے لیڈر کی طرح مضبوط شخصیت کے مالک تھے وہ قومی جدوجہد آزادی میں مکمل یکتا تھے۔ 1937ء ۔ 1947ء کے دوران ان کے راستے میں مخالفت کے پہاڑ اور رکاوٹیں تھیں۔ مگر اس تنہا شخص نے ان مخالفین کو شکست دی۔ اللہ نے قائد کو ذہنی قوت اس قدر عطا کی کہ وہ جلد ہی اعلیٰ قانون دان، تقریر و گفتگو میں ماہر، فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ قابلیت کے مالک ہو گئے وہ بہت سارے ہمعصروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ ان کی سوجھ بوجھ اور فہم و فراست منفرد تھی ایک خاتون جو اس کی بہن تھی ان کے ساتھ تھی اس نے کیا کچھ نہ حاصل کیا ہوگا۔

فاطمہ جناح نے قائد کی سیاسی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا، بے شمار میٹنگوں میں گئیں۔ بحث و مباحثہ میں حصہ لیا قائد کو مشورہ دیا، ہر وہ نئی ساعت جو ہندوستان کی سیاست میں بدلتے ہوئے حالات میں آئی، فاطمہ نے بھائی کا ساتھ دیا یہیں سے فاطمہ کی سیاسی شعور کی ٹریننگ ہوئی، سٹرٹیجی کو تیار کرنا اور اس کا مقابلہ کرنا قائد کا سرمایہ افتخار تھا یہ قائد کی مضبوط سٹرٹیجی ہی تھی جس نے طاقتور قوتوں کو مجبور کیا کہ وہ تقسیم ہند اور مسلمانوں کے لیے جداوطن کا فارمولا تسلیم کریں جس کی بدولت پاکستان حاصل ہوا قائد کی سٹرٹیجی کیا تھی؟ وہ تھی کانسٹیٹیوشن اس کو پرکھنا، ''آئین پر عمل کرنا'' جناح بچپن سے قانون کی پاسداری کرتے رہے، اور بیرسٹری کے دوران بھی انہوں نے اپنی اس روش پر فتح حاصل کی کہ اپنا نام محمد علی جناح بھائی سے محمد علی جناح کر دیا اور ایک سال تعلیم میں کمی کرا کر دنیا میں واحد انسان تھے

جن کی عمر بیرسٹری کے وقت کم تھی۔

وہ ایک فقرہ، ایک لفظ، سوچ اور تول کے بعد فرماتے، اور فقرہ شخصیت کے مطابق ہوتا، ان کا انداز بیان اس قدر مسحور کن ہوتا، کہ سننے والے متعجب ہو جاتے ان واقعات اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے، آپ اندازہ لگا لیں کہ محترمہ پر ان کی شخصیت کے اثرات کس قدر ہوں گے جنہوں نے 1929ء سے لے کر 1948ء تک کے سال ایک ہمہ گیر صفات کے ساتھ گزارے ہوں ہم نے جب محترمہ کو 1948ء میں دیکھا تو وہ سوچ، مزاج، اظہار، لباس، نفاست، گفتار، اور ذہنی استعداد میں قائد کی شخصیت کو پایا قائد کی ساری زندگی نے فاطمہ کو متاثر کیا۔

محترم رضوان احمد نے ''قائد کی باتیں'' قائد اعظم ''چند یادیں چند ملاقاتیں'' مرتب آفتاب احمد (1972ء) ص 116 میں فرماتے ہیں کہ:

قائد اردو میں تقریر کرنا پسند کرتے تھے، لیکن اردو کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے قاصر تھے۔ ان کی خواہش ہوتی کہ وہ قوم کو اردو زبان میں خطاب کریں۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے رفقاء کو ہدایت کر رکھی تھی جہاں وہ اردو غلط بولیں، انہیں ٹوک دیا جائے، خواہ وہ جلسہ عام ہو یا پرائیویٹ محفل ہو، نواب بہادر یار جنگ تو اکثر جلسہ میں ٹوکتے تھے۔ قائد ملت نہیں ٹوکتے تھے۔ سید مطلوب حسن پرائیویٹ سیکرٹری کی ڈیوٹی تھی کہ وہ غلط اردو کی نشاندھی کریں ملازموں کو بھی حکم تھا کہ اگر کوئی ملازم ٹوکتا تو اس کا شکریہ ادا کرتے۔

بمبئی میں قائد ڈرائیور محمد حنیف کی کسی بات پر ناراض ہوئے تو آپ نے کہا ''گدا'' اس پر حنیف نے کہا نہیں سر ''گدھا'' یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔ غلطی ٹوکنے پر شکریہ ادا کیا۔ قائد کام بہت کرتے تھے۔ دن رات کی تھکن مصروفیات کے بعد بھی مزاج متوازن اور خوشگوار رہا کرتا تھا لیکن بے جا دخل اندازی نہ پسند فرماتے۔ ایک دفعہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی طویل میٹنگ کے بعد گھر تشریف لائے موڈ بڑا اچھا تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے قائد سے پوچھا ''آج کے اجلاس میں کن مسائل پر بحث ہوئی؟'' قائد نے مسکرا کر جواب دیا ''تمہاری نمائندہ تو بیگم محمد علی جوہر ہیں ان سے رپورٹ

طلب کرو۔ میں تو مردوں کی نمائندگی کرتا ہوں"

مادرِ ملت نے جواب دیا "لیکن انہوں نے تو مجھ سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ قائد نے ہنستے ہوئے کہا "یہ تو خیر بری بات ہے، انہیں چاہیے تھا کہ تم کو بتائیں لیکن اچھا ہے کہ نہیں بتایا" "وہ کیوں؟" مادرِ ملت نے حیرت سے پوچھا "وہ اس لیے کہ عورت گفتگو شروع کر دے تو خاموش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔" محترمہ اس ذومعنی جواب پر خاموش ہو گئیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقع محترم رضوان صاحب فرماتے ہیں کہ **1943**ء میں قائد اعظم جناح مسلم گرلز کالج لاہور کے سالانہ جلسے میں مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کرنے تشریف لائے محترمہ فاطمہ جناح، قائد ملت لیاقت علی خان اور ان کے پرسنل سیکرٹری ہمراہ تھے۔ استقبالیہ کمیٹی کے اراکین گیٹ پر تھے۔ انہوں نے صرف قائد اور محترمہ کو اندر آنے کی اجازت دی، لیاقت علی خان اور سیکرٹری کو باہر کھڑا رہنا پڑا، وجہ یہ تھی، طالبات پردے کی سخت پابند تھیں۔

تقریب سے فارغ ہو کر کار میں سوار ہوئے، ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے (نیڈوز ہوٹل) جہاں ان کا قیام تھا، راستہ میں خوشگوار موڈ تھا۔ خود ہی فرمانے لگے یہ حیرت کی بات ہے کہ لڑکیاں مجھ سے پردہ نہیں کرتیں۔ مس جناح نے برجستہ جواب دیا "یہ کوئی خوبی کی بات نہیں" لیاقت علی خان نے کہا "سر یہ بات نہیں لڑکیاں آپ کو بے تاج بادشاہ تصور کرتی ہیں اور بادشاہ سے پردہ نہیں کیا جاتا، قائد یہ بات سن کر ہنسے بادشاہ والی بات تو نہیں مگر تمہاری دلیل میں تسلیم کرتا ہوں۔

گویا قائد ہر معاملہ میں مشورہ لیتے تھے۔ بات چیت کرتے تھے، فاطمہ کی ٹریننگ ایک ایسے بااصول انسان کے ساتھ ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک بات واضح ہے کہ ہمشیرہ کو مسلم لیگ کی میٹنگ میں ساتھ لے کر نہیں گئے کیونکہ وہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی ممبر نہ تھیں۔ عام تقریبات میں محترمہ ساتھ ہوتیں۔

قائد اعظم کو آزادی کے لیے ہمہ گیر قسم کی سیاسی تحریک چلانے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ **1935**ء کے ایکٹ کے مطابق جو انتخابات ہوئے اس میں لیگ کو چند سیٹیں

جن کی عمر بیرسٹری کے وقت کم تھی۔

وہ ایک فقرہ، ایک لفظ، سوچ اور تول کے بعد فرماتے، اور فقرہ شخصیت کے مطابق ہوتا، ان کا انداز بیان اس قدر مسحور کن ہوتا، کہ سننے والے متعجب ہو جاتے ان واقعات اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے، آپ اندازہ لگالیں کہ محترمہ پر ان کی شخصیت کے اثرات کس قدر ہوں گے جنہوں نے 1929ء سے لے کر 1948ء تک کے سال ایک ہمہ گیر صفات کے ساتھ گزارے ہوں ہم نے جب محترمہ کو 1948ء میں دیکھا تو وہ سوچ، مزاج، اظہار، لباس، نفاست، گفتار، اور ذہنی استعداد میں قائد کی شخصیت کو پایا قائد کی ساری زندگی نے فاطمہ کو متاثر کیا۔

محترم رضوان احمد نے ''قائد کی باتیں'' قائد اعظم ''چند یادیں چند ملاقاتیں'' مرتب آفتاب احمد (1972ء) ص 116 میں فرماتے ہیں کہ:

قائد اردو میں تقریر کرنا پسند کرتے تھے، لیکن اردو کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے قاصر تھے۔ ان کی خواہش ہوتی کہ وہ قوم کو اردو زبان میں خطاب کریں۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے رفقاء کو ہدایت کر رکھی تھی جہاں وہ اردو غلط بولیں، انہیں ٹوک دیا جائے، خواہ وہ جلسہ عام ہو یا پرائیویٹ محفل ہو، نواب بہادر یار جنگ تو اکثر جلسہ میں ٹوکتے تھے۔ قائد ملت نہیں ٹوکتے تھے۔ سید مطلوب حسن پرائیویٹ سیکرٹری کی ڈیوٹی تھی کہ وہ غلط اردو کی نشاندھی کریں ملازموں کو بھی حکم تھا کہ اگر کوئی ملازم ٹوکتا تو اس کا شکریہ ادا کرتے۔

بمبئی میں قائد ڈرائیور محمد حنیف کی کسی بات پر ناراض ہوئے تو آپ نے کہا ''گدا'' اس پر حنیف نے کہا نہیں سر ''گدھا'' یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔ غلطی ٹوکنے پر شکریہ ادا کیا۔ قائد کام بہت کرتے تھے۔ دن رات کی تھکن مصروفیات کے بعد بھی مزاج متوازن اور خوشگوار رہا کرتا تھا لیکن بے جا دخل اندازی نہ پسند فرماتے۔ ایک دفعہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی طویل میٹنگ کے بعد گھر تشریف لائے موڈ بڑا اچھا تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے قائد سے پوچھا ''آج کے اجلاس میں کن مسائل پر بحث ہوئی؟'' قائد نے مسکرا کر جواب دیا ''تمہاری نمائندہ تو بیگم محمد علی جوہر ہیں ان سے رپورٹ

طلب کرو۔ میں تو مردوں کی نمائندگی کرتا ہوں"

مادر ملت نے جواب دیا "لیکن انہوں نے تو مجھ سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ قائد نے ہنستے ہوئے کہا "یہ تو خیر بری بات ہے، انہیں چاہیے تھا کہ تم کو بتائیں لیکن اچھا ہے کہ نہیں بتایا" "وہ کیوں؟" مادر ملت نے حیرت سے پوچھا "وہ اس لیے کہ عورت گفتگو شروع کر دے تو خاموش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔" محترمہ اس ذو معنی جواب پر خاموش ہو گئیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقع محترم رضوان صاحب فرماتے ہیں کہ 1943ء میں قائداعظم جناح مسلم گرلز کالج لاہور کے سالانہ جلسے میں مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کرنے تشریف لائے محترمہ فاطمہ جناح، قائد ملت لیاقت علی خان اور ان کے پرسنل سیکرٹری ہمراہ تھے۔ استقبالیہ کمیٹی کے اراکین گیٹ پر تھے۔ انہوں نے صرف قائد اور محترمہ کو اندر آنے کی اجازت دی، لیاقت علی خان اور سیکرٹری کو باہر کھڑا رہنا پڑا، وجہ یہ تھی، طالبات پردے کی سخت پابند تھیں۔

تقریب سے فارغ ہو کر کار میں سوار ہوئے، ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے (نیڈوز ہوٹل) جہاں ان کا قیام تھا، راستہ میں خوشگوار موڈ تھا۔ خود ہی فرمانے لگے یہ حیرت کی بات ہے کہ لڑکیاں مجھ سے پردہ نہیں کرتیں۔ مس جناح نے برجستہ جواب دیا "یہ کوئی خوبی کی بات نہیں" لیاقت علی خان نے کہا "سر یہ بات نہیں لڑکیاں آپ کو بے تاج بادشاہ تصور کرتی ہیں اور بادشاہ سے پردہ نہیں کیا جاتا، قائد یہ بات سن کر ہنسے بادشاہ والی بات تو نہیں مگر تمہاری دلیل میں تسلیم کرتا ہوں۔

گویا قائد ہر معاملہ میں مشورہ لیتے تھے۔ بات چیت کرتے تھے، فاطمہ کی ٹریننگ ایک ایسے بااصول انسان کے ساتھ ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک بات واضح ہے کہ ہمشیرہ کو مسلم لیگ کی میٹنگ میں ساتھ لے کر نہیں گئے کیونکہ وہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی ممبر نہ تھیں۔ عام تقریبات میں محترمہ ساتھ ہوتیں۔

قائداعظم کو آزادی کے لیے ہمہ گیر قسم کی سیاسی تحریک چلانے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ 1935ء کے ایکٹ کے مطابق جو انتخابات ہوئے اس میں لیگ کو چند سیٹیں

میسر آئیں۔ آپ دیکھئے ایک مہم کی دس سال قبل ابتداء کی جاتی ہے تو 1940ء میں وہ اپنے مقاصد کا اعلان قرار داد لاہور میں کرتی ہے جولائی 1937ء میں مختلف صوبوں میں کانگریس وزارتیں قائم ہو گئیں۔ اس پر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے لوگوں کو پیغام دیا ''آپ منظم ہو جائیں، متحد ہو جائیں اور ایک مضبوط اکائی بن جائیں۔ یاد رکھیں کچھ حاصل کرنے کے لیے خدمات، قربانیاں، دینا ضروری ہوتی ہیں صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم مسلمان اس ملک میں اپنا حق اور قومی سطح کا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔''

اسی طرح قائد نے اکتوبر 1937ء میں فرمایا ''میں دوبارہ اسی بات پر زور دوں گا کہ ہم طاقت اور قوت پیدا کریں اس میں ہر مرد، عورت، بچہ آگے آئے مسلم لیگ میں شمولیت حاصل کرے اور مسلم لیگ کی صفوں میں ورکرز کا سیلاب آجائے، لہٰذا آپ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں شمولیت مسلم لیگ میں کریں۔''

قائد کی اپیل مردوں اور عورتوں کے لیے برابر کی تھی کیونکہ ان کی بہن فاطمہ ان کے ساتھ تھیں۔ کیا ہوا، آپ کی اپیل کا اثر، پرائمری لیگ، ٹاؤن، شہر میں قائم ہونے لگیں، آپ نے مذہب کے مختلف مکاتب فکر سے کہا، ''آپ کا روشن مستقبل اسی وقت ہو سکتا ہے کہ آپ پہلے ارادہ کریں کہ ہم نے پہلے مسلمانوں کی خدمت کرنی ہے اور پھر ملک کی آپ نے کہا کہ لیگ کو مضبوط اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔''

آپ نے ہندو اور مسلم کے فرق کو یوں اجاگر کیا کہ اگر وادھا سے ایک فیصلہ کانگریس کا یا گاندھی کا آتا ہے لاکھوں ہندو اسے مان لیں گے، لیکن اگر ہم یعنی مسلم لیگ کوئی فیصلہ کرے تو کتنے مانیں گے، فرق یہ ہوا کہ ہم ابھی تک تیار نہیں ہوئے ہماری ٹریننگ ہی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو ترغیب دے رہے ہیں کہ وہ مسلم لیگ کو منظم کریں اور ایک ہو جائیں۔

قائد نے 1938ء کے جلسہ پٹنہ میں فرمایا ''ابھی ہم نے مسلم شعور اور قومی شعور یعنی قوت ایسی پیدا کرنی ہے جو ہماری پہچان ہو سکے آپ نے تمام مسلمانوں اور کانگریسی مسلمانوں پر زور دیا کہ آپ کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہوں یہ آپ کے لیے

فائدہ ہے اور تمام امت مسلمہ کا مفاد ہے۔ قائد کی جدوجہد اصولوں پر تھی اس کا یہ نظریہ تھا کہ مسلمان اپنی پہچان کے لیے متحد ہو جائیں ایک طاقت بن جائیں تب ہی وہ ہندو نظریہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

قائد کے ارادوں، قوت نے تیز رفتاری سے ہندوستان کے مسلمانوں کی روش بدلنے میں مدد کی اپنی سوجھ بوجھ اور فہم کی بدولت بہت سارے مسلمان سیاست دانوں کو مرغوب کیا وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے مثلاً عبدالقیوم خان جو کانگریس پارلیمنٹ کے ڈپٹی لیڈر تھے مگر عبدالغفار خان آخری وقت تک نہیں مانے۔ یہ جناح کی سیرت اور اعلیٰ کردار تھا، جس کی بدولت انہوں نے اپنے آپ کو منوا لیا وہ تقریر کرتے نقشہ بدل دیتے۔

فاطمہ ان تمام واقعات اور حوادث سے پوری واقفیت حاصل کر رہی تھی۔ جو بعد میں انہوں نے ثابت کیا وہ زمانہ تھا جب بیوروکریسی نے ملک پر قبضہ جما لیا تھا محترمہ کا ہر بیان سیاست کا نچوڑ ہوتا الفاظ جچے تلے اور با مقصد ہوتے تھے محترمہ قائد کی وفات کے بعد ملکی معاملات پر بڑی گہری نظر رکھتی تھیں انہیں غصہ اور دکھ ہوتا تھا کہ پاکستان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ اپنے احساسات اور جذبات کا استعمال لوگوں کے حقوق کے لیے بیان کرتی تھی وہ ہر اس چیز کی مخالفت کرتیں جو عوام کے مفاد میں نہ ہوتے وہ بنیادی آزادی میں دخل اندازی برداشت نہیں کرتیں تھیں، وہ قوم کے تعمیری افکار کی قدر کرتی تھیں نظم و نسق پر بڑی کڑی نظر رکھتیں تھیں وہ حکومت وقت کو ترغیب دیتیں کہ عوام سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، اور عام لوگوں کی ترقی میں رکاوٹ نہ بنیں کیونکہ پاکستان کا واحد مقصد عام انسان کی حالت کو بدلنا تھا وہ گورنمنٹ سے مکمل پروگرام اور پالیسی کا مطالبہ کرتی تھیں اور قوم کو زندہ فعال دیکھنا چاہتی تھیں، قائد کی ولولہ انگیز سوچ، لیڈرشپ نے مسلم ہند کا احیاء کر دیا 1906ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا روح رواں نواب بسم اللہ نواب آف ڈھاکہ، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک تھے آغا خان نے صدارت کی، لارڈ منٹو سے ہندوستان کے سرکردہ مسلمانوں کی ملاقات کا اچھا اثر ہوا، اصلاحات ہوئیں مسلمانوں کے لیے علیحدہ حلقہ انتخاب ہو گیا یہ دفعہ مسلمانوں کی راہ آزادی میں سنگ میل تھی۔

سر سید امیر علی، سلطان محمد آغا خان، مشیر حسن قدوائی، مرزا ہاشم اصفہانی سر سید علی امام، راجہ محمد علی خان، راجہ آف محمود آباد، سر سید وزیر حسن، مولانا محمد علی اور سر میاں محمد شفیع، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شروع ہی سے مسلم لیگ کو اپنایا۔ اس منظر کے تحت بنگال میں 1937ء میں 1935ء کے ایکٹ کے مطابق جو انتخابات ہوئے اس میں مسلم لیگ کی وزارت پہلی مرتبہ آ گئی۔ اس بیداری سے ہندوؤں کو فکر لاحق ہو گئی اور انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں نفاق پیدا کر دیا۔

قائد کی خوبی یہ تھی کہ وہ مسائل سے گھبرایا نہیں کرتے تھے۔ ایم ایم اصفہانی اپنی کتاب ''قائد اعظم میری نظر میں'' ص 8 پر تحریر کرتے ہیں کہ نتیجہ یہ نکلا کہ 1941ء میں اے کے فضل حق نے اپنی جماعت کی کامیابی کے بعد بنگال کے ہندوؤں، کانگریسیوں مہا سبھائیوں سے اتحاد کر لیا ان کو ایسا کرنے سے ناکامی ہوئی۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ اے کے فضل بنگال اور پنجاب میں سردار شوکت حیات خان قائد کے لیے سر درد رہے قائد لیگ کی تنظیم میں لگے رہے۔

جون 1936ء میں صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے آسام کے عبدالمتین چوہدری مرحوم سیکرٹری کے ذریعہ آل انڈیا پارلیمنٹری بورڈ کے پہلے جلسے کے لیے لاہور مدعو کیا گیا بنگال کے 40 ارکان میں سے صرف دو ''ایم ایم اصفہانی، عبدالرحمٰن صدیقی'' شامل ہوئے۔ پہلا اجلاس 8 جون 1938ء میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے ہاں منعقد ہوا باقی اجلاس ہوٹل نیڈو میں منعقد ہوئے یہ مسلم لیگ کا جلسہ بڑی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ آئندہ الیکشن کے لیے جو جولائی میں ہونے تھے بحث ہونی تھی اس میں سعد اللہ خان آسام سے نہیں آئے لوگ بڑے کم تھے زیادہ فکر بنگال میں تھی کہ وہاں ایک متحدہ مسلم لیگ بنائی جائے جو انتخابات میں اپنے امیدوار کھڑے کرے۔ ڈھاکہ کے نواب سر خواجہ نظام الدین، نواب حبیب اللہ رتن پور کے جی ایم فاروقی، ایم عزیز الحق خواجہ شہاب الدین حسین شہید سروردی جو متحرک تھے۔ اے کے فضل حق نے کانگریسیوں کے ساتھ مل کر ''نکھل بانگلا کرشک پرجا سمیتی'' پارٹی بنائی جس میں ہندو اور ہندو نواز شمس الدین احمد عمل دخل تھا لاہور کی میٹنگ میں سب سے زیادہ

مندوبین جو با اثر تھے وہ یوپی سے آئے تھے۔ ان میں مولانا شوکت علی، نواب اسمٰعیل خان، نواب زادہ لیاقت علی خان راجہ آف محمود آباد، چوہدری خلیق الزمان راجہ صاحب آف سلیم پور فرنگی محل کے مولانا عنایت اللہ شامل تھے۔ لاہور سے بھی لوگ کم شامل ہوئے۔ پنجاب میں انگریزوں کے حامی فضل حسین ان دنو ڈلہوزی میں بیمار تھے تاہم اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ مسلم لیگ اتنی طاقتور نہ ہو جائے انگریزوں سے ان کا تعلق تھا، پنجاب سے جن لوگوں نے دعوت قبول کی ان میں علامہ سر اقبال، ملک برکت علی عتیق، میاں عبدالعزیز راجہ غضنفر علی خان اور مظفر علی قزلباش تھے۔ لیکن ہندو کے پٹھوں نے کوشش کی کہ مسلم لیگ ترقی نہ کرے، چنانچہ پنجاب سے راجہ غضنفر علی خان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے اور بعد میں یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے اور تقسیم ہند تک اسی پارٹی کے ساتھ رہے بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ اس لاہور کے اجلاس میں 36/35 آدمی اکٹھے ہو سکے مدراس کی نمائندگی سید مرتضیٰ صاحب نے کی جمعیت علماء کی جانب سے مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی شامل ہوئے۔

اس اجلاس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو قصر مایوسی سے باہر نکالنا تھا۔ علامہ اقبال کا گلہ خراب تھا کافی بحث ہوئی کہ کس طرح مسلم لیگ آئندہ انتخابات میں کامیاب ہو، کس قدر یہ مشکل وقت تھا۔ لوگ آپ کے ساتھ نہ تھے پنجاب میں سر فضل حسین کا اشارہ چلتا تھا، بنگال میں اے کے فضل حق کانگریسیوں کے ساتھ جا ملے۔ قائد جب گھر آتے ان حالات کا ذکر کرتے، تو فاطمہ سارے منظر سے واقف ہوتی گئی۔ اس پارلیمانی بورڈ نے لائحہ عمل تیار کیا اور وہ منظور ہوا۔ اس ساری مایوسی کے باوجود قائد مطمئن تھے کہ مسلم لیگ ایک زندہ تنظیم اور عوامی تحریک بن کر ہندوستان میں ابھرے گی قائد نے کہا ہمیں ایک قوم کی طرح زندہ رہنا ہے اور اپنے حقوق کو طلب کرنا اور حاصل کرنا ہے۔ آپ نے کہا کہ سارے رہنما اپنے علاقوں میں لوگوں سے رابطہ قائم کریں۔ ان سے اپنی قوت اور طاقت حاصل کرنی ہوگی۔ مندوبین اور ایم اصفہانی قائد کے طرز گفتگو اور اظہار خیال سے متاثر ہوئے سب نے وعدہ کیا کہ ہم نے اس نصیحت پر عمل کرنا ہے بنگال کی تنظیم کے لیے فی الحال عبدالرحمٰن

صدیقی اور ایم ایم اصفہانی کو مقرر کیا:

مسلم لیگ اس وقت مختصر جماعت تھی مولانا کفایت اللہ اور حسین احمد مدنی نے تقریر میں کہا کہ دیوبند مدرسہ مسلم لیگ کے لیے کام کرے گا اگر مسلم لیگ مالی اعانت کرے۔ مسلم لیگ کے پاس کچھ روپیہ نہ تھا۔ کہ قائد ایسی بات کو مانتے، مولانا کی یہ پیشکش منظور نہ کر سکے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے تمام ذرائع تبلیغ مسلم لیگ کے لیے وقف کریں گے اگر مالی امداد دی جائے ایسی خواہش نہ پوری ہوئی، مولانا کانگریس کی طرف مائل ہوئے کیونکہ کانگریس یہ کام کر سکتی تھی، اور وہ کانگریس کا پرچار کرنے لگے۔ ظاہر بات ہے کہ ان کی مالی حالت اچھی ہونے لگی کس قدر افسوس کی بات ہے علماء دین مال کے عوض دشمنانان اسلام کی مدد کرنے پر راضی ہو گئے یہ وہ حالات تھے جن کا مقابلہ قائد تنہا کر رہے تھے گھر میں صرف فاطمہ ہی حوصلہ بڑھا سکتی تھیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)

مادرِ ملت کا اسلامی جذبہ

محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت کی عظمت صحیح اسلامی بنیادوں پر تھی، وہ ان خواہشات کی تکمیل نہ چاہتی تھیں، جو روح اسلام کے خلاف ہوں، یہی اصول تمام زندگی کے سفر، ہر گام ہر منزل پر تھا، انہوں نے متاع زیست کو شائستگی سے گزارا۔ ان کی جامعیت قرآن اور حدیث سے لگاؤ تھا۔ وہ وہ کچھ تھیں جو قائد اعظم تھے، اور قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات پر 13 ستمبر 1948ء کو ٹائمز لندن نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا۔

''ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل پاکستان محمد علی جناح کی 71 سال کی عمر میں وفات نے اس ذومین کو ایک عظیم (رہنما) قائد سے محروم کر دیا۔''

اسی طرح فاطمہ جناح بھی عظیم تھیں چنانچہ قائد اعظم کی طرح محترمہ نے نومبر 1948ء کو نوجوانوں کے سامنے اسلامی جذبہ کو اجاگر کرنے پر زور دیا آپ نے کہا ''ہمیں اپنے معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر منظم کرنا اور اپنی مملکت کو قائد اعظم کی خواہش کے مطابق ایک زبردست قوت بنانا ہے پاکستان کی بالعموم اور عالم اسلامی کی بالخصوص بڑی خدمت کرنی ہے۔''

قائد اعظم محمد علی جناح کا نئی ریاست کا کیا نظریہ تھا، پروفیسر ضیا الدین احمد صاحب ایک خط کے متن میں جو ڈان 6 ستمبر 1998ء تھا کا شائع ہوا لکھا میرا تعارف قائد اعظم سے 1942ء سے پہلے کا تھا لیکن زیادہ عرصہ مجھے 1942ء کے مسلم لیگ کے اجلاس میں مواقع ملے کہ میں قائد اعظم سے گفتگو کر پایا مجھے ہر اس اجلاس کی رپورٹ تیار کرنی ہوتی تھی لہٰذا ان دنوں مجھے موقع ملا۔ قائد سے سوال کیا گیا کہ پاکستان کیسی ریاست ہو گی؟

قائداعظم نے جواب دیا ''یہ ایک اسلامک ریاست ہوگی مدینہ طیبہ کی طرز کی ریاست جس میں انسانی حقوق، آزادی اظہار، جمہوریت مکمل قوت برداشت اور ہر شہری کو اپنے ذہنی خیالات کی آزادی بلا تفریق، مذہب رنگ، نسل زبان علاقہ پر ہوگی، جس طرح نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں یہودیوں وغیرہ کو دے رکھی تھی، گویا انصاف بھائی چارہ آزادی، اخوت برابری اور دوستی و امداد سب سے اوپر ہوگی، لہٰذا جس بہن کی ٹریننگ ایسے عظیم مسلمان کے ساتھ ہوئی ہو وہ بھی تو اسی طرح بات چیت کرے گی۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغِ راہ گزر ہے

لہٰذا محترمہ کے خیالات جذبات مذہبی عقائد بالکل قائد کی طرح کے تھے 30 جنوری 1949ء کو محترمہ نے مدرسۃ البنات اسلام کراچی کا افتتاح کیا اور فرمایا۔

''آپ لوگ علم کے ساتھ مذہب کا دامن بھی ضرور پکڑنا چاہتے ہیں اور میلاد کی برکت سمیٹنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری بچیاں یہاں سے تعلیم سے بہرہ ور ہو کر نکلیں، اسلامی شعور کا نمونہ ہوں، آپ نے نصیحت کی کہ آپ مذہب پر عمل پیرا ہوں، تاکہ اسلام کی نشاط ثانیہ کی بنیاد رکھ سکیں۔''

آپ جہاں کہیں تشریف لے گئیں ہیں آپ نے اسلام کو سراہا ہے مثلاً 20 جنوری 1949ء موتمر عالم اسلامی زنانہ اجلاس میں فرمایا ''اسلام ایک ایسا مذہب نہیں جو محض خدا کے ساتھ بندے کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے بلکہ یہ مکمل ضابطہ حیات ہے، جو ہمارے اعمال و وظائف پر حاوی ہے۔'' اس میں مساوات کا درس ہے غریب، امیر نماز با جماعت ادا اکٹھے کرتے ہیں، آپ کو فلسطین اور دیگر مسلمانوں سے بھی ہمدردی تھی کیونکہ قائداعظم کو بھی ہمدردی تھی۔

15 جنوری 1950ء کو حیدر آباد کے میلاد کے جلسہ میں فرمایا تھا کہ ہم سیرت پاک ﷺ کی سچی پیروی کر کے اپنی دیرینہ عظمت کو حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن میں آیا ہے۔

"قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبب کم الله"

''آپ ﷺ کہہ دیجئے جو اللہ کی محبت چاہتا ہے تو تمہاری اطاعت کرے اللہ اس سے محبت کرے گا۔''

گویا محترمہ کے خیالات اسلام، روح اسلام قرآن کی آیات کے مطابق تھے کتنا وسیع قرآن کا آپ نے مطالعہ کر رکھا ہو گا۔

قائداعظم نے 14 اگست 1947ء کو گورنر جنرل کا حلف لیتے وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو فی البدیہہ جواب دیا تھا کہ اکبر کون ہے؟ ہم محمد مصطفیٰ ﷺ کو مانتے ہیں، جنہوں نے 14 سو سال پہلے دستور دیا تھا۔ اسی وجہ سے محترمہ نے 18 جنوری 1950ء زنانہ انجمن تبلیغ اسلام کراچی کے اجلاس میں فرمایا۔''خدا کرے کہ انسانیت کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کی توفیق نصیب ہو۔''

مادرِ ملت کو بڑی الجھن اور بے چینی ہوتی تھی کہ تعلیمی اداروں میں قرآن کی تعلیم نہ ہو، آپ نے 14 نومبر 1950ء کو گرلز ہائی سکول کراچی میں فرمایا''مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے، کہ ہمارے سکولوں میں قرآن پاک جیسی علم و حکمت کی روشن کتاب کو شریک درس کرنے کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی۔

قائداعظم کی ٹیبل پر قرآن مجید اور عبداللہ یوسف علی کی تفسیر موجود تھی۔ اور قرآن کی حکمت، اور قانون کو بہت اہمیت دیتے تھے، اور قائداعظم محمد علی جناح کے حلف نامہ مسلم لیگ مورخہ 9، 10 اپریل 1946ء کے یہ الفاظ آخر میں تھے۔

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العلمین

(الانعام 162)

ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا و نصرنا علی القوم الکفرین (البقرہ 250)

ترجمہ: ان سے کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری

موت رب العالمین کے لیے ہے۔ ہمارے (دلوں میں) صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جما دے اور ہماری مدد کر۔ اور ہم کو کافروں پر فتح دے۔''

جس شخص نے بسم اللہ سے شروع حلف نامہ کیا اور قرآن کی آیات دعاؤں سے ختم کیا ہو ان کے دل میں کس قدر قرآن کی عظمت ہوگی، یہی حال محترمہ فاطمہ جناح کا تھا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں **14** نومبر **1950**ء گرلز ہائی سکول کراچی کو خطاب کرتے ہوئے ان ہی خیالات کا اظہار کیا کہ ''اگر ہم واقعی چاہتے ہیں کہ پاکستان کو صحیح اسلامی مملکت بنا دیا جائے تو اس کے لیے سچی اسلامی تعلیمات کا اجراء بہت ضروری ہے وہ چاہتی تھیں کہ تمام مدرسے قرآنی تعلیم سے مزین ہوں، نصاب میں قرآنی تعلیم شامل ہو تاکہ اس کتاب کی علم و حکمت سے آگاہی ہو۔

قائد اعظم محمد علی جناح کے اسلام کے بارے میں کتنے صاف خیالات تھے آپ نے **1948**ء میں امریکہ کے عوام کے نام براڈ کاسٹ میں آئین پاکستان کے بارے میں فرمایا:

آئین پاکستان کی تشکیل ہونی ہے آئین ساز اسمبلی کا مجھے علم نہیں کہ آئین کی شکل کیسی ہوگی، تاہم مجھے یقین کامل ہے کہ یہ جمہوریت قسم کی ہوگی جس میں تمام ضروری اسلام کے اصول ہوں گے جو ہمیں سکھائیں گئے ہیں یہ جمہوریت مساوات، انصاف پر مبنی ہوں گے، تاہم پاکستان مذہبی ریاست کسی صورت میں نہیں ہوگی، ہمارے ہاں بے شمار تعداد میں غیر مسلم آباد ہیں ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو دوسرے شہریوں کو میسر ہیں کیونکہ وہ بھی پاکستان کے اتنے ہی شہری ہیں جتنا کہ دوسرے لوگ۔''

لہٰذا قائد اعظم کا اسلام، معاشرہ میں انصاف، اچھا برتاؤ، برابری سلوک اور جمہوری قدروں کا پاکستان چاہتے تھے، محترمہ کے خیالات کو جاننے کے لیے قائد اعظم کے خیالات سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، قائد اعظم اپریل **1945**ء میں قلات گئے محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ تاکہ کچھ آرام کرسکیں۔ خان آف قلات نے بڑی مہمان داری

کی تو خان نے قائد اعظم کو سکول کا دورہ کرایا قائد اعظم بچوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آئے قائد اعظم نے ایک بچہ سے پوچھا خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

یہ کون ہے؟ جواب یہ ہمارا بادشاہ ہے۔ میں کون ہوں؟ آپ بادشاہ کے مہمان" تم کون ہو؟ بچے نے قائد کو جواب دیا "میں بلوچ ہوں" قائد اعظم نے اپنے میزبان خان آف قلات سے کہا کہ ان کو پہلا سبق یہ پڑھایئے کہ "میں مسلمان ہوں" آپ بچوں کی طرف مخاطب ہوئے فرمایا "بچوں تم پہلے مسلمان ہو پھر بلوچ یا کچھ اور"

اسی طرح دسمبر 1943ء میں قائد اعظم نے فرمایا تھا، کہ وہ کونسا رشتہ ہے جس کے ساتھ منسلک ہونے سے تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں وہ کونسی چٹان ہے جس پر ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کون سا لنگر ہے جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ پھر فرمایا وہ بندھن وہ رشتہ وہ لنگر اللہ کی کتاب ہے، مجھے امید ہے جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں توں توں راستے کھل جائیں گے۔" یہ تھے قائد کے خیالات یہی محترمہ کے خیالات ہیں۔

مادر ملت پاکستان کو خوشحال دیکھنا چاہتی تھیں کہ عام آدمی کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا کی جائیں، اقتصادی نظام میں تبدیلی چاہتی تھیں، کیونکہ وہ خیال کرتی تھیں کہ اقتصادی ترقی کے بغیر ملک کا سیاسی اقتدار مضبوط نہیں ہو سکتا۔ دسمبر 1949ء میں اسلامی اقتصادی کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> اگر پاکستان کو دنیا میں اپنا صحیح مقام پیدا کرنا ہے بالحاظ رقبہ آبادی زراعت کو ترقی دینی ہوگی، اقتصادیات کو صنعتوں کی طرف پھیرنا ہوگا۔ ملک کو صنعتی بنانا ہوگا تاکہ ہم بیرونی ممالک کے انحصار کو کم کر سکیں۔ کیونکہ قائد اعظم پاکستان کو خوش حال مستحکم اور فلاحی ریاست بنانے کے خواہاں تھے، وہ معاشی و اقتصادی منصوبہ بندی کے خواہاں تھے۔

مادر ملت عظیم خاتون تھیں آپ نے 9 جولائی 1967ء کو وفات پائی آپ کی نماز

جنازہ مفتی محمد شفیع اوکاڑوی نے پولو گراؤنڈ میں پڑھائی اندازے کے مطابق پانچ لاکھ سے زائد لوگ نماز جنازہ میں شامل تھے، مادر ملت کو ان کی خواہش کے مطابق قائد اعظم محمد علی جناح کے قریب دفن کیا گیا یہ قبر سے 120 فٹ بائیں جانب پر ہے وہ تہذیب اور اخلاق میں لاثانی تھیں اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

دفاع پاکستان

جب پاکستان بن گیا تو قائد اعظم کی نظر میں پہلی ترجیح پاکستان کا مضبوط دفاع تھا تاکہ پاکستان سارے عالم اسلام کا قلعہ بن جائے، چنانچہ آپ نے 23 جنوری 1948ء کو سب سے پہلے "دلاور" پاکستان نیوی کے جہاز کا افتتاح فرمایا "آپ کے ہمراہ محترمہ فاطمہ جناح بھی گئیں آپ نے ہر طرح کی صلح و جنگ معاشرہ میں بین الاقوامی ضرورتوں پر روشنی ڈالی۔

آپ نے فرمایا "اقوام متحدہ کتنی ہی کیوں نہ مضبوط ہو، ہمارے ملک کی ذمہ داری سب سے پہلے ہم پر عائد ہوتی ہے، اپنے آپ کو اس قدر مضبوط بنائیں کہ ہمارے خلاف کوئی جارحانہ ارادہ باندھ ہی نہ سکے، قیام پاکستان کی جنگ جیت چکے ہیں مگر استحکام پاکستان کی شدید جنگ ابھی جاری ہے۔"

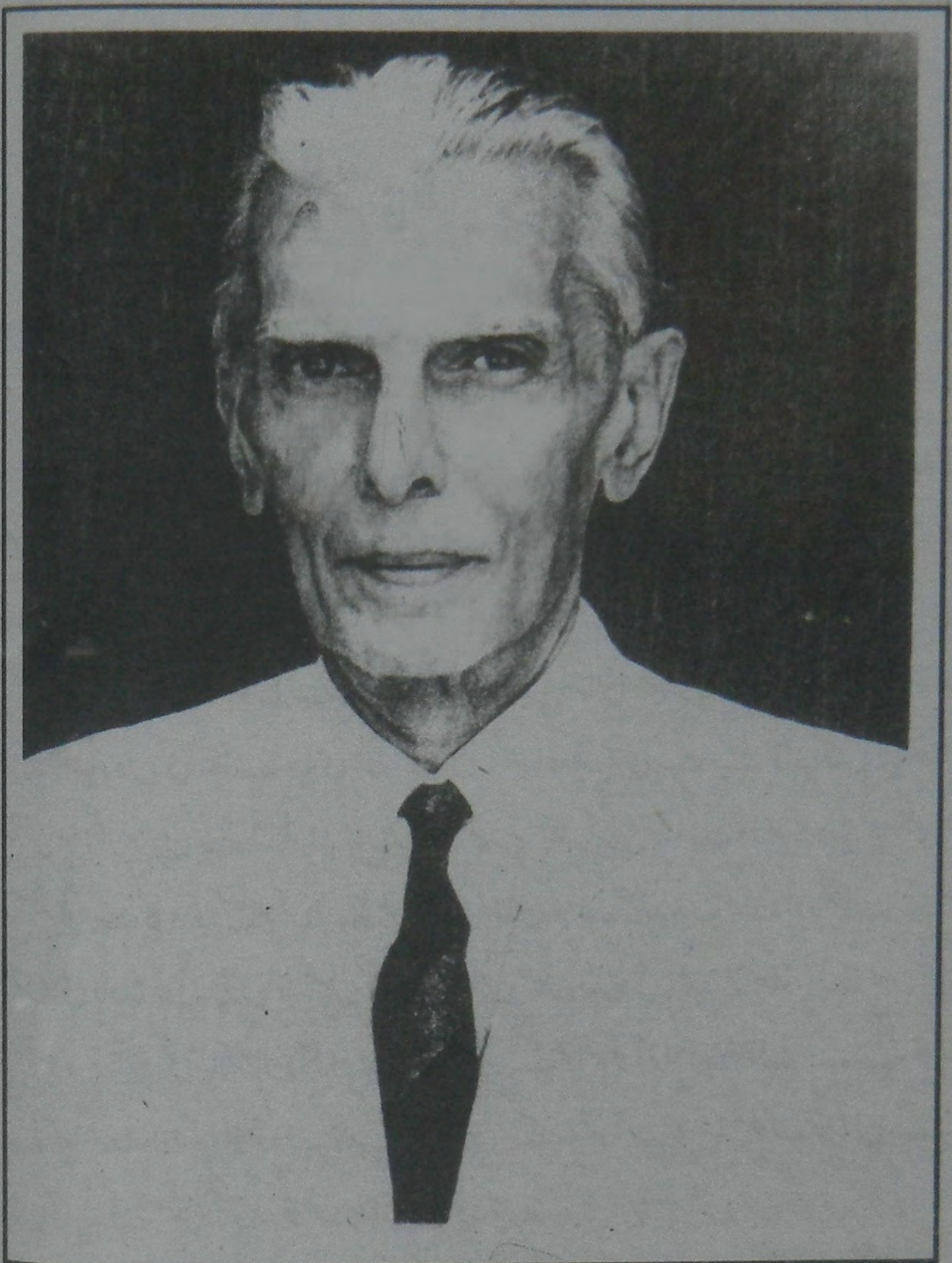
دوسری تقریب ملیر چھاؤنی میں 21 فروری 1948ء میں منعقد ہوئی، آپ نے افواج پاکستان کو خطاب کرتے ہوئے کہا پہلے پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کرنا ہے آپ نے چوکنا رہنا ہے ایمان، نظم اور بے لوث فرض کی ادائیگی کی موجودگی میں ایسا کوئی قابل قدر کام نہیں جو آپ انجام نہ دے سکیں اور فضائیہ کو کہا کہ محکم، مستحکم اور اعلیٰ پیمانے کی خود اعتمادی ہی فضائیہ کو اس قدر قابل بنا سکتی ہے، کہ پاکستان کو اس پر فخر ہو۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)

قائداعظمؒ فاطمہ جناح کی نظر میں

قائداعظم محمد جناح بے پناہ ہمت و شجاعت کے پیکر تھے' ناتواں جسم اور ٹی بی کے مریض ہونے کے باوجود جس طرح انہوں نے انگریزوں' ہندوؤں اور دیگر مخالفین سے اپنی بیماری چھپائی اور آزادی کی جنگ لڑی وہ ایک محیر العقول واقعہ ہے۔ یہ جنگ ہتھیاروں سے نہیں لڑی گئی قلم اور زبان سے لڑی گئی جس سے پاکستان منصۂ شہود پر آیا۔ یہ جنگ قائداعظم نے ہتھیاروں کی بجائے سیاسی طور پر جیتی۔ ایسا واقعہ اس سے پہلے پیش نہیں آیا تھا برصغیر جس پر انگریزوں نے شاطرانہ اور عیارانہ طور پر قبضہ کرلیا تھا اسے آزاد کروانا خصوصی طور پر مسلم قومیت کا وجود تسلیم کرواتے ہوئے پاکستان کو ایک علیحدہ ریاست اور مملکت کے طور پر آزادی دلوانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اس کھیل میں کئی اتار چڑھاؤ آئے اور کشتی منزل مقصود پر پہنچ گئی' پاکستان آزاد ہوا' پاکستان کے عوام کو آزادی دلوانے کے لئے قائداعظم نے کیا کردار ادا کیا او خود اپنے رشتے داروں کے ساتھ آپ کا کیا سلوک تھا اس کے بارے میں آپ کی ہمیشرہ محترمہ فاطمہ جناح فرماتی ہیں:

''میں ابھی دو ہی برس کی تھی کہ آغوش مادر سے محروم ہوگئی' قائداعظم ان دنوں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے' سات برس تک اپنے والد کی زیر نگرانی تربیت حاصل کرتی رہی والد کے انتقال کے بعد میں قائداعظم کے پاس بمبئی چلی گئی پھر ان کی زندگی میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہی میں غلامی کی تیرہ و تار رات کو یہاں سے گئی تھی اور آزادی کا درخشاں پیغام لے کر آئی۔ جب میں آٹھ برس کی تھی تو قائداعظم نے میری تعلیم و تربیت کا



قائداعظم محمد علی جناحؒ صدر آل انڈیا مسلم لیگ

فرض اپنے ذمے لیا۔ اس زمانے میں کسی مسلمان کی لڑکی کو انگریزی تعلیم دلانا آسان کام نہ تھا مگر قائداعظم نے بڑی جرأت کے ساتھ یہ قدم اٹھایا' میں خود کانونٹ میں داخل ہونے سے گھبرا رہی تھی مگر قائداعظم نے مجھے جبراً سکول نہیں بھیجا بڑی شفقت سے میرے اس خوف کو دور کردیا۔ وہ مجھے کئی بار خود کانونٹ میں لے گئے وہاں کی سیر کرائی اور لڑکیوں کو پڑھتے' لکھتے' کھیلتے کودتے دکھایا' اس سے میری دلچسپی بڑھی اور جب میں نے از خود تعلیم کے حصول کا شوق ظاہر کیا تو انہوں نے مجھے داخل کروایا۔

قائداعظم مجھ سے تقریباً سترہ برس بڑے تھے۔ میٹرکیولیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد جب سلسلہ تعلیم منقطع ہوگیا اور میں بیکاری سے تنگ آگئی تو قائداعظم نے 1922ء میں مجھے دندان سازی کی تربیت حاصل کرنے کے لئے کلکتہ بھجوادیا دو برس کا کورس مکمل کرنے کے بعد میں بمبئی واپس آگئی اور یہیں کئی برس تک اس کی پریکٹس کرتی رہی' 1930ء میں جب قائداعظم گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے انگلستان روانہ ہوئے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے' 1935ء تک وہیں رہے اس دوران میں ہم نے یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ بھی کیا' وہاں کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' وہاں سے عوام کی طرز زندگی کا جائزہ لیا اور ان کی ترقی کے منصوبوں کا مطالعہ کیا۔ 1935ء میں جب ہم ہندوستان آئے تو مسلمان کانگریس سے برگشتہ ہوچکے تھے مسلم لیگ ابھی مضبوط نہ ہوئی تھی قوم کو قائداعظم پر اعتماد تھا اس لئے ان کے ہاتھ میں اپنے مستقبل کی باگ دوڑ سونپ دی' قائد اعظم نے یہ عظیم ذمے داری اپنے سر لے لی اور مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوگئے' یوں تو میں نے بچپن ہی سے سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا تھا مگر گہری دلچسپی 1935ء سے ہوئی قائداعظم کے پاس اکثر ہندوستان کے مشہور سیاستدان آیا کرتے تھے اور میں ان کی باتیں سنا کرتی تھی جب میں بڑی ہوئی تو میں نے بھی کانگریس اور مسلم لیگ کے جلسوں میں شریک ہونا شروع کردیا اور قائداعظم کے دوش بدوش سیاسی سرگرمیوں میں پورے انہماک کے ساتھ حصہ لیتی رہی۔

قائداعظم کو ایک سنجیدہ' متین اور مدبر کی حیثیت سے تو سب ہی جانتے ہیں مگر یہ

تصویر کا صرف ایک رخ ہے وہ اپنی گھریلو زندگی میں ایک ہشاش بشاش انسان تھے' انہیں بے شمار لطیفے یاد تھے' وہ ہنساتے تو پہروں ہنساتے رہتے' لوگ انہیں سخت دل انسان سمجھتے ہیں حالانکہ وہ نرم دل کے مالک تھے اور کسی کو بھی دکھ میں مبتلا نہیں دیکھ سکتے تھے وہ اپنے والدین سے بے حد محبت کرتے تھے' جب ہماری امی کا انتقال ہوا تو وہ کئی روز تک مغموم و افسردہ رہے۔ جب انہوں نے ابا جان کی وفات کی خبر سنی تو بے ہوش ہوگئے' جب گورنر جنرل مقرر ہوئے تو ان کے کھانے کی میز پر کبھی بھی دو سے زیادہ کھانے نظر نہیں آئے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جب میرے ہزاروں ہم وطنوں کو ایک وقت کا کھانا میسر نہیں تو پھر مجھے طرح طرح کے کھانے پکوانا کب زیب دیتا ہے۔

قائداعظم نے اپنے اوقات کا ایک ضابطہ مقرر کر رکھا تھا اور اس سے ایک منٹ بھی ادھر اُدھر نہ ہوتے تھے مثلاً صبح سات بجے وہ ہمیشہ سو کر اٹھتے چاہے وہ رات کو ایک بجے سوئیں یا چار بجے مگر آنکھ ٹھیک سات بجے کھل جاتی اور وہ اس سے زیادہ ایک منٹ بھی نہ سوتے۔ سات بجے اٹھ کر چائے پیتے' اخبارات کا مطالعہ کرتے' نہا کر کپڑے بدلتے اور ٹھیک نو بجے ناشتہ کرتے اس کے بعد ملاقاتیں اور پروگرام کے مطابق دن کے دوسرے کام شروع ہو جاتے۔ وہ اپنے ضابطے پر آخری دم تک قائم رہے۔"

یہ اس بہن کے تاثرات ہیں جسے اپنے بھائی سے بہت محبت تھی فاطمہ جناح نے قدم قدم پر قائداعظم کا ساتھ دیا چاہے وہ گھریلو زندگی ہو یا سیاسی اس نے تحریک آزادی میں قائداعظم کے شانہ بشانہ کام کیا۔

(خلیق تبسم روزنامہ مشرق 11 ستمبر 1997ء)



1920ء کی دہائی کے آخری برسوں کی ایک یادگار تصویر۔ قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح



قائداعظم اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناحؒ اور بیٹی دینا کے ساتھ

قائداعظم کی عظمت اور فاطمہ جناح کا راستہ

تاریخ کے جھروکوں سے ثابت ہو گیا کہ محمد علی جناح ایک عظیم الشان اور اونچے درجے کے سچے وکیل تھے انہوں نے پاکستان کی تخلیق کی وکالت سچ کر دکھائی وہ بڑے اونچے درجے کے مخلص مسلمان رہنما تھے۔ اصول اور اخلاص کا مجسم پیکر بن گئے ایک ایسی پوزیشن اختیار کر گئے جو ہندوستان کا کوئی دوسرا لیڈر اتنی عظمت اور شان کردار نہ پا سکا، ان کا کردار ہر لحاظ سے بے داغ رہا، وہ نہ تو شاعر تھے، نہ فلسفی نہ ہی مذہبی دیوتا وہ صرف سیاسی رہنما تھے اور سیاست کی اتھاہ گہرائیوں، پیچیدگیوں سے واقف تھے کئی مقام مشکل کے آئے، مگر خدا نے ان کی رہنمائی کی، ان کی زندگی میں اہلیت، ڈسپلن، اعتماد اور کردار کی بلندی جھلکتی تھی وہ بلند صفات کے حامل انسان تھے، وہ خوشنما شخصیت کے مالک تھے، فطرت نے ان کے سینے کو جوش تقریر سے بھر دیا تھا، وہ نہایت متانت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ بات چیت کرتے، ان کی ہر تقریر مدلل ہوتی اور نشان منزل، مسلمانوں کی جدا مملکت پاکستان ہوتی۔

وہ جاہ و جلال کے حامی نہ تھے، نہ تو وہ بادشاہ کہلانا پسند کرتے نہ مولانا ان کی خوبی یہی تھی کہ وہ مسلمان قوم کے وکیل تھے اور سیاسی رہنما، وہ مسجد میں جاتے جہاں جگہ میسر آتی وہیں نماز ادا کرتے، کئی بار ایسا ہوا لوگ عزت و تعظیم کے لیے ان کا جوتا پکڑتے اور ہاتھ کو بوسہ دیتے تو وہ ان چیزوں کو ناپسند کرتے مسجد میں آگے نہیں جاتے تھے، کیونکہ اسلام مساوات کا درس دیتا ہے شاید حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے حضرت ابوداود کی حدیث پڑھ رکھی تھی۔

''حضرت ابو امامہ باہلی کہتے ہیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ عصا کا

سہارا لے کر باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے، آپ نے ہمیں مخاطب ہو کر فرمایا جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں تم ان کی اس روایات پر عمل نہ کرو۔ (ابوداؤد)

گویا وہ بھی نہیں پسند کرتے تھے کہ لوگ اس قدر ان کے سامنے جھکیں، ہاتھ چومیں اور تعظیماً کھڑے ہوں۔

دونوں بہن بھائی سچائی کے دو روشن چراغ تھے سیاسی بصیرت بے مثال تھی، قائداعظم نے ہمیشہ عورتوں کو سیاست کے میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی تلقین کی۔ قائد کہتے ہیں تھے۔

''مسلم خواتین کو گھر کی چار دیواری میں قیدیوں کی طرح بند رکھنا انسانیت کے خلاف جرم ہے، دنیا کی کوئی قوم عروج نہیں پا سکتی جب تک کہ اس قوم کی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ نہ چلیں۔''

محترمہ فاطمہ جناح قائد کی قیادت میں سیاست میں آئیں، اعلیٰ بصیرت کی اعلیٰ مثال قائم کی، سارے پاکستان کے مرد لیڈر، بڑے مقدر، عالم سیاست دان مادر ملت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہ وہ ایک فوجی ڈکٹیٹر کے مقابلے میں صدارت کا انتخاب لڑیں۔ فوجی حکومت کے خلاف نفرت تھی مگر خوف بڑا تھا ہر ایک کو اپنے تحفظ کی فکر تھی، اور حکمران کی پالیسی ایسی تھی کہ حکومت کا خاتمہ کسی صورت میں آسانی سے ممکن نہ تھا۔

صدر ایوب بادشاہوں کی طرح حکم دیتا تھا اور مدح خواہ حضور کے دربار میں سیکورٹی گارڈ تھے ان کا ایوان صدر صدارتی محل تھا ان کی حفاظت بڑے مضبوط ہاتھوں میں تھی۔ بی ڈی ممبران ان کے ووٹر تھے وہ یہی ہتھیار تھے ایک سازش تھی کہ ووٹر اپنی مرضی کے تیار کیے جائیں ان کو بڑی لالچ دی گئی ایوب خان کے نظام میں مداخلت کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ ایوب خان کا دس سالہ ریکارڈ تھا ارد گرد مالی مفادات حاصل کرنے والے بے شمار تھے۔

محترمہ کی ٹریننگ ایک ایسے پرمغز سیاست دان سے ہوئی جن کی سوچ سچی اور کھری حکمت تھی، اور وہ میدان میں اتر آئیں ان کی شخصیت میں تاثیر تھی ایک نئی قوت

ارادی لے کر پیرانہ سالی میں جمہوریت، انصاف، اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کی خاطر کارکنوں کے درمیان آ گئیں۔

محترمہ فاطمہ جناح نے ایک فوجی جرنیل کی طرح الیکشن مہم کا ملک بھر (مشرقی پاکستان مغربی پاکستان) میں آغاز کیا، اخبارات سرکار کے تھے حکومت کا پروپیگنڈا ان کے خلاف تھا فاطمہ جناح نے جلسے جلوس میں تقاریر سے لوگوں کو اصلی پاکستان کی جمہوریت سے آگاہ کیا اور بھائی کے مشن کو ایک دبلی، پتلی خاتون نے للکارا کیونکہ ان کی رگوں میں جناح پونجا کا خون تھا وہ خاموش نہ رہ سکی اپنی فراست سچائی سے الیکشن میں مقابلہ کیا وہ ہار کر جیت گئی ایوب خان جیت کر ہار گیا۔

ایوب خان کے لیے ذلت اسی وقت آ گئی جب اس نے مادرِ ملت کا مقابلہ کیا، اپنے ووٹروں کے ذریعہ فاطمہ جناح کو ہرایا۔ اگر وہ صحیح دماغ کا مالک ہوتا جونہی فاطمہ جناح نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا اسی وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوتا کہ یہ تو آپ کے بھائی کا پاکستان ہے۔ آپ صدر ہیں، میں آپ کا سپاہی ہوں، تو حالات اور ہوتے اور یہ ملک کبھی نہ ٹوٹتا۔

محترمہ کی الیکشن میں شمولیت یا سامنے آنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ پاک سرزمین میں اسلامی جمہوریت اسلامی معاشرتی انصاف اور انسانی مساوات کے اصولوں کو فروغ دیا جائے ان کی فکر میں آزادی افکار کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور اخوت، ایمان کے قیمتی سرمایہ کو لے کر وہ آگے بڑھیں تھیں، لوگوں کی اکثریت ان کے ساتھ تھی، لوگوں نے ان کے لیے بے پناہ محبت کا اظہار کیا۔ لیکن ایوب خان کی فوجی حکومت، بیوروکریسی کی مداخلت نے سیاست کا رخ موڑ دیا، اور اس انتخاب سے جمہوریت کے فروغ کو بہت ہی نقصان پہنچا، ایک طرف تو ایوب خان کے 10 سالہ دور کی آمریت تھی جس سے آئین کو ختم کیا گیا حکومت کی مخالفت میں تمام سیاسی جماعتوں نے کھل کر محترمہ کا ساتھ دیا، حکومت نے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے تاہم محترمہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس انتخاب کے بعد ایوب کی حکومت کمزور ہوتی گئی اور اس کو اقتدار چھوڑنا پڑا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اقتدار چھوڑتے وقت اقتدار سپیکر اسمبلی کو دیتے اور اقتدار انہوں نے

یحییٰ خان کے حوالے کیا اور خود روپوش ہو گئے۔ جب بھی قائد اعظم اور فاطمہ جناح کے کردار کا حوالہ دیتے ہیں وہ مثالی کردار تھے یہ جذباتی اظہار نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اس بات کا اظہار انڈو پاکستان کے بڑے مشہور رائیٹر خوشونت سنگھ کی خودنوشت سوانح عمری سے عیاں ہوتا ہے، کہ بھارت کے کتنے بڑے لیڈر عیاش تھے، یہ ان کی انگریزی زبان میں سوانح عمری ہے۔ سچ، محبت، اور تھوڑا سا گناہ انہوں نے ہندوستان کی سیاست میں پنڈت جواہر لعل نہرو لارڈ ماؤنٹ بیٹن، اندرا گاندھی، کرشنا مینن، اور بہت سارے ان تمام لوگوں کا سنسنی خیز معاشقہ اور رازوں سے پردہ اٹھایا کہ اتنے بڑے لوگ جنسی سکینڈلوں اور فریب کاریوں میں مبتلا تھے۔ خوشونت سنگھ نے اپنی بیوی کو بھی نہیں بخشا۔

قائد اعظم محمد علی جناح کی چہیتی اہلیہ لیڈی مریم جناح 20 فروری 1929ء کو وفات پا گئیں اور 22 فروری 1929ء کو انہیں دفن کیا گیا۔ قائد اعظم نے پھر کبھی شادی کی خواہش نہ کی اور نہ ہی کسی عورت کے سکینڈل میں پھنسے، عمر کے اعتبار سے بھرپور جوان تھے، خوبصورت تھے۔ لیکن قائد اعظم کی اس طرف کوئی ایسی بات نہیں آ سکی۔

یہی حال محترمہ فاطمہ جناح کا تھا وہ بھی خوبصورت، تعلیم یافتہ، باوقار تھیں، شادی نہیں کی، لیکن زندگی کے سفر میں کوئی ایسا سکینڈل یا بات اچھالنے والی نہ نکلی، ان کی زندگی کے تمام زاویئے وطن عزیز حاصل کرنے پر جمع ہوئے تھے اور اعلیٰ معیار کی زندگی گزاری ہر مجلس میں وہ موجود تھیں، لیکن انہوں نے زندگی کے بہترین لمحات کو خوشیاں بکھیرنے میں صرف کیا، ان کو خوشی معاشرتی مسائل حل کرنے پر میسر آتی، وہ ہمیشہ سنجیدگی سے مسائل حل کرنے پر میسر آتی، وہ ہمیشہ سنجیدگی سے مسائل کو سوچتیں اور کبھی بھی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کے کردار کی طرف کوئی انگلی اٹھا سکے۔

ان کا سب سے اہم کام، بھائی کی بیماری میں دیکھ بھال کرنا ڈاکٹروں سے قائد اعظم کی صحت کے لیے روابط رکھنا اور اندھیروں کو اجالوں میں بدلنے کی کوشش تھا۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)

فاطمہ جناح اور اسلام کا مطالعہ

شورش کاشمیری مرحوم نے مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت کا خاکہ اس طرح کھینچا ہے۔

''بھائی کی ہو بہو تصویر' بالا بلند' اکہرا بدن' ستر برس کی عمر میں کشیدہ قامت' گلابی چہرہ' ستواں ناک' آنکھوں میں بلا کی چمک بلکہ ہیرے کی دمک' جائزہ لیتی ہوئی نگاہیں بال سفید۔ ماتھے پر جھریوں کی مہک' آواز میں اقبال' چال میں کمال' طبیعت میں جلال' سرتاپا استقلال رفتار میں حکومت' گفتار میں سطوت' کردار میں عظمت' قائداعظمؒ کی معنوی صفات کا عکس جمیل' صبا کی طرح نرم' رعد کی طرح گرم ایک جیتی جاگتی کہانی' بانی پاکستان کی نشانی ایک حصار جس کی قربت سے حشمت کا احساس ہوتا ہے اور جس کی دوری میں عقیدت نشوونما پاتی ہے بھائی شہنشاہ بہن بے پناہ۔

شورش مرحوم نے محترمہ فاطمہ جناح کی لفظی تصویر اتنے بھرپور انداز میں کھینچی ہے کہ کچھ کہنے کو باقی نہیں رہ جاتا ہے کچھ کہا بھی جائے تو سب اس کی تفسیر بن جاتا ہے محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس امر سے آگاہی حاصل کی جائے کہ وہ اوّل و آخر ظاہر و باطن سرتاپا صرف اور صرف مسلمان اور پاکستانی تھیں علاقائی اور لسانی قومیتوں کے بتوں پر نہ صرف یقین نہیں رکھتی تھیں بلکہ وہ اس انداز فکر کی سخت مخالف تھیں یہی وجہ ہے کہ وہ تحریک آزادی کی جنگ میں ہر لحظہ فعال نظر آتی ہیں۔

محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی عملی زندگی کا آغاز 1923ء میں ڈینٹل سرجن کی

حیثیت سے کیا انھوں نے اپنا یہ کلینک سات سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ چلایا اور ماہرِ فن ہونے کی حیثیت سے ان کے کردار کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حرصِ زر کو انھوں نے اپنا مقصد نہیں بنایا بلکہ اپنے پیشے کی بنیاد خدمت کے اصول پر رکھی۔ وہ غریبوں کا مفت علاج کرتی تھیں اس کے علاوہ انھوں نے میونسپل کلینک کو بھی بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کر رکھی تھیں۔

1929ء میں قائداعظمؒ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے اپنے کلینک کو خیر باد کہہ دیا اور گھر کا انتظام سنبھال لیا تاکہ قوم کے سوئے ہوئے مقدر کو جگانے والے رہنما کی سرگرمیوں میں کوئی خلل نہ پڑے یہی وہ مقام ہے جہاں مادرِ ملت کردار کی اس بلندی پر کھڑی ہوئی نظر آتی ہیں جہاں دور دور کوئی ان کی ہمسری کرتا ہوا نظر نہیں آتا کہا جا سکتا ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح اس مقام سے ہی عملی سیاست میں داخل ہوئیں اور ہر مرحلہ پر قائداعظمؒ کی جدوجہد میں ان کی مکمل شریکِ کار رہیں انگلستان میں گول میز کانفرنس ہو یا ہندوستان مسلم لیگ کے اجلاس یا جلسے جلوس وہ کہیں غیر حاضر نظر نہیں آتیں برصغیر کی اعصاب شل کر دینے والی سیاست کے سرخیل قائداعظمؒ جب اپنی قوم کا مقدمہ لڑنے کے دوران ستانے کے لیے گھر لوٹتے تو مادرِ ملت اپنے حسنِ سلوک اور حسنِ تدبیر سے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیتیں اور مسلمانوں کی کشتی کا کھیون ہار ایک بار پھر تازہ دم ہو کر اپنے فرائضِ منصبی سرانجام دینے میں مصروف ہو جاتا۔

اپنی بہن کی ان قربانیوں پر قائداعظمؒ ان کے ہمیشہ سپاس گزار رہتے ایک مرتبہ قائداعظمؒ نے کہا۔

''میں گھر واپس آتا ہوں تو میری بہن میرے لیے روشنی کی کرن بن جاتی ہے پریشانیوں کے ہجوم میں گھرے رہنے کی وجہ سے میری صحت خراب ہو گئی لیکن اس کے حسنِ سلوک سے میری ساری کلفت دور ہو جاتی ہے۔'' محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظمؒ کی ذات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ نئی ذمہ داریاں بھی۔ حسن و خوبی سے سرانجام دیں انھوں نے اسلام کے سیاسی نظام کا گہرا مطالعہ کیا اور خواتین کے محاذ پر مسلمان خواتین کو متحد کرنے کے لیے زبردست خدمات سرانجام دیں مادرِ ملت کی ان خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے

ہوئے قائداعظمؒ نے ایک مرتبہ کہا۔

''میری بہن نے طویل عرصہ تک میری خدمت کر کے اور مسلم خواتین کو بیدار کر کے مجھ پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔''

تحریک آزادی کے دوران ایک وقت ایسا آیا جب قائداعظم برصغیر کے حالات سے مایوس ہو کر انگلستان چلے گئے مایوسی کے ان ایام میں محترمہ فاطمہ جناح ہی تھیں جنھوں نے وہاں بھی قائداعظمؒ کو مسلسل تحریک دلائے رکھی کہ آپ کی برصغیر میں بہت ضرورت ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعد میں جب علامہ اقبال نے قائداعظمؒ سے خط و کتابت شروع کی تو انھیں قائداعظمؒ کو قائل کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہ آئی کیونکہ اصل میدان تو فاطمہ جناح نے پہلے ہی ہموار کر رکھا تھا۔

قائداعظمؒ کی وفات کے بعد جب اقتدار کی رسہ کشی ہوئی تو محترمہ فاطمہ جناح عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئیں اور قوم کی ذاتی تربیت کا سامان کرنے لگیں وہ تمام قومی ایام کے موقع پر قوم کے نام پیغام جاری کرتیں جس کا لفظ لفظ قوم کے درد سے بھرپور ہوتا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے ان ایام میں اسلام کا گہرا مطالعہ کیا جس کے ان کی زندگی پر انتہائی گہرے اثرات مرتب ہوئے چنانچہ بعد میں جب اپوزیشن نے انھیں اپنا مشترکہ انتخابی امیدوار بنانے کی درخواست کی تو قوم کے مفاد میں انھوں نے اسے تسلیم کر لیا اسلام میں چونکہ عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا تصور نہیں ہے اس لیے انھوں نے مولانا مودودیؒ کی یہ شرط بلا چون و چراں تسلیم کر لی کہ وہ ملک کی صرف آئینی سربراہ ہوں گی چنانچہ جب انھوں نے اپوزیشن کی پیشکش قبول کر لی تو انھوں نے 70 سال کی عمر کے باوجود ملک کے طول و عرض کے طوفانی دورے کیے اور قوم کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر دیا یہ الگ بات کہ جابر حکمرانوں نے قوم کے فیصلے کو بزور تبدیل کر کے مادر ملت کو شکست سے دو چار کر دیا مگر اخلاقی اعتبار سے مادر ملت کی یہ اتنی بڑی فتح تھی کہ مادر ملت آج بھی پاکستانی قوم کے دلوں میں زندہ ہیں جبکہ ان حکمرانوں کا نام لیوا آج کوئی نہیں ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح ذاتی طور پر بڑی نفیس طبع خاتون تھیں کھیل سے بھی رغبت تھی

اور مصوری کی نہ صرف زبردست قدر دان تھیں بلکہ خود بھی مصور تھیں مطالعے کی عادت بہت پختہ تھی ہر روز علی الصبح بڑی باقاعدگی سے اخبار کا مطالعہ کرتیں ان کا لہجہ انتہائی دھیمہ ہوتا انھیں کبھی تیز آواز میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا گیا طبیعت میں ظلم و جبر برداشت کرنے کی عادت نہ تھی جو کچھ دیکھتیں اور محسوس کرتیں بڑی بے باکی سے کہہ دیتیں یہی وجہ ہے کہ ایوب خان کے خلاف صدارتی امیدوار کی حیثیت سے وہ قوم کی آواز بن کر ابھریں۔

قوم کی ماں نے 9 جولائی 1967ء کو کراچی میں آنکھیں بند کیں۔ ریڈیو پاکستان نے معمول کے پروگرام روک کر ان کی رحلت کی خبر نشر کی ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی قوم میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی ملک بھر میں غائبانہ نماز جنازہ کے علاوہ تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے جن میں قوم نے انھیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا اس موقع پر تحریک پاکستان کے رہنما سید حسین امام نے کہا۔

''قائداعظمؒ کی آخری یادگار بھی آج ہم سے جدا ہو گئی۔''

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کہا۔

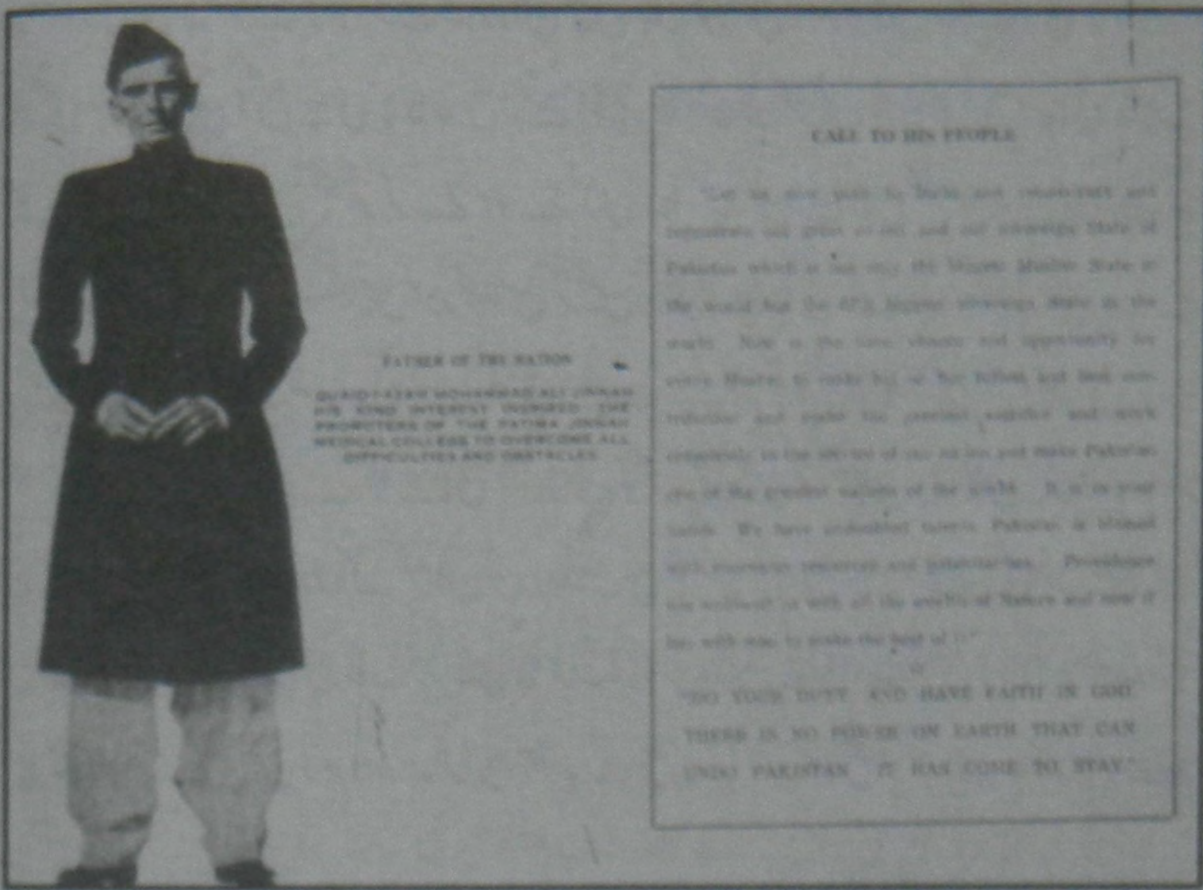
''محترمہ فاطمہ جناح نے آخری عمر تک بحالی جمہوریت کی جدوجہد جاری رکھی وہ اپنے پیغام سے عوام کو ان کے حقیقی مقاصد سے آگاہ کرتی رہیں۔''

ایوب کھوڑو نے کہا۔

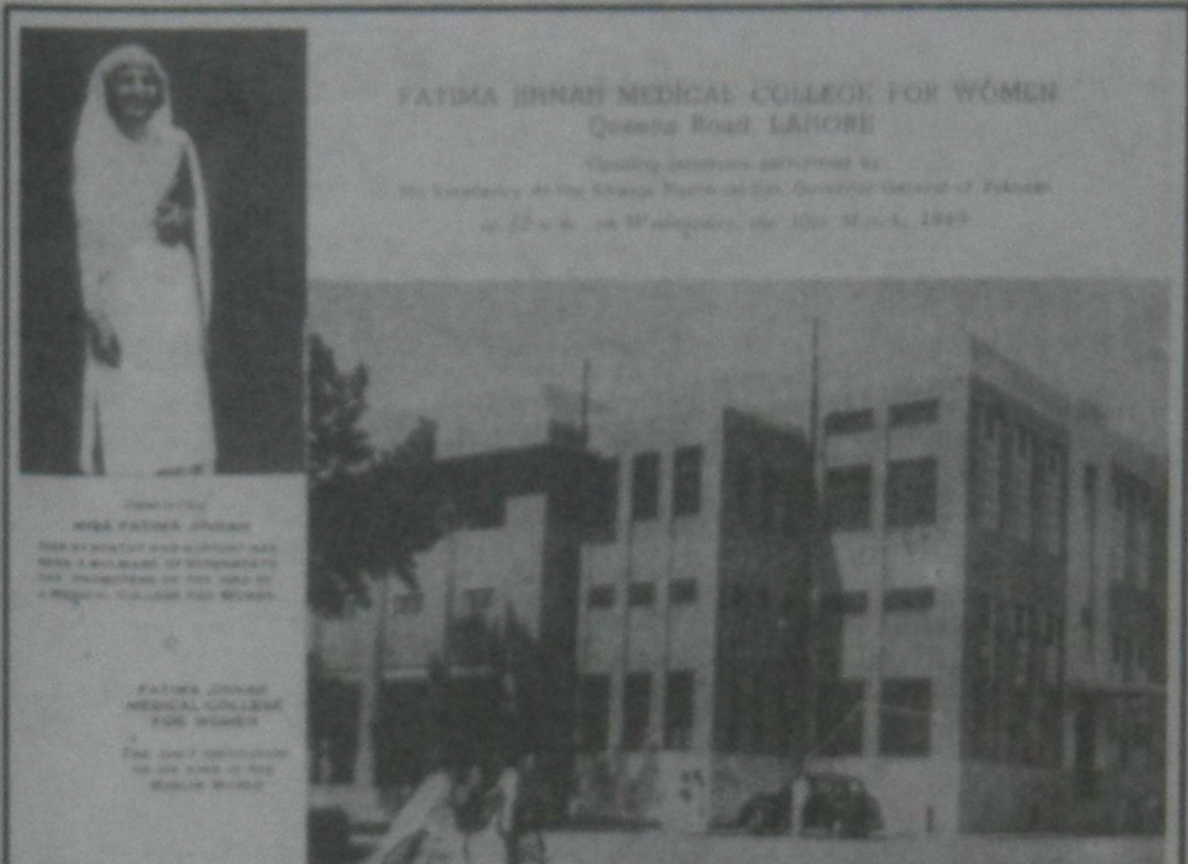
''وہ ہمارے لیے بلند حوصلگی کا منبع تھیں۔''

خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے (آمین)

(فاروق عادل روزنامہ جنگ، 8 جولائی 1987ء)



بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح" گورنر جنرل پاکستان جنہوں نے محترمہ فاطمہ جناح"
کو سرپرست اعلیٰ فاطمہ جناح میڈیکل کالج ہونے کی توثیق فرمائی



فاطمہ جناح" میڈیکل جناح" سرپرست اعلیٰ محترمہ فاطمہ جناح"

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح

فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی سرپرست اعلیٰ

مادر ملت کی تمام زندگی کا محور معاشرہ کی اصلاح و بہتری تھی۔ خاص کر وہ عورتوں کے لیے نرم گوشہ اور بڑی نیک نیت رکھتی تھی۔ وہ عورت کی تعلیم و تربیت اور مشقت کا بڑا سوچتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ ہر ایک عورت حکمت عملی، دانائی سے معاشرہ میں غلبہ حاصل کرے وہ عورتوں کو مرد کی غلامی سے نجات دلانا اس طرح چاہتی تھی کہ گھرانہ خوشحال ہو۔ دینی تعلیم ہو۔ حسن و جمال کردار کی بلندی، عفو درگزر اور امداد ہو وہ حسب و نسب اور ذات پات گروہ بندی، فرقہ بندی سے بے نیاز تھی۔ وہ اچھا معاشرہ، انصاف کا ماحول، مساوات اور آگے بڑھنے کے رجحان کی عادت کو قابل عمل بنانا چاہتی تھی۔ اور وہ عورت کے حقوق قرآن و سنت کے حساب سے چاہتی تھیں۔ وہ ہندوستان کی تمام عورتوں کو ہندو کے مکرو سازش و خیالات سے آزاد کرانا چاہتی تھیں۔

جب پاکستان معرض وجود میں آیا۔ مسلم خواتین کی درسگاہ کے لیے میڈیکل فیلڈ کیں نہ تھی۔ جس کی بدولت مسلمان عورتیں میڈیکل فیلڈ میں بہت کم تھیں۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور (1860ء) ایک واحد اس خطہ کی بڑی علمی درسگاہ تھی۔ تقسیم ہند سے قبل زیادہ تر طلباء ہندو سکھ تھے۔ چند ایک مسلمان داخل ہو سکتے تھے، اور چند ایک خواتین تھیں جو اس درسگاہ سے فارغ التحصیل تقسیم ہند سے قبل ہوئیں تھیں۔

پاکستان بننے سے قبل لاہور کو شرف فضیلت حاصل تھا کہ یہاں پر ٹرسٹ کے تین بڑے رفاہی میڈیکل فیلڈ کے ادارے تھے۔

سر گنگارام ٹرسٹ ہسپتال۔

گلاب دیوی ٹرسٹ ہسپتال فیروز پور روڈ، یہ ادارہ تپ دق کے مریضوں کی دیکھ بھال اور ادویات سے مدد کرتا ہے۔

جانکی دیوی جمعیت سنگھ، یہ ادارہ قلعہ گوجر سنگھ کے قریب واقع ہے۔ زچہ و بچہ کی حفاظت علاج اور پیدائش کی ٹریننگ اور علاج کرتا ہے۔

ادھر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے ساتھ میو ہسپتال، لیڈی ولنگڈن ہسپتال، لیڈی ایچیسن ہسپتال طلباء کی ٹریننگ کے لیے موجود تھے۔

کرنل ایس ایم۔ کے ملک اور پروفیسر ڈاکٹر شجاعت علی اس وقت بڑے متحرک افراد تھے۔ جنہوں نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ پاکستان بھر اور پڑوس ممالک کی خواتین کے لیے ایک ڈگری کالج کی ابتداء کا سوچا۔ تاکہ ملک میں لیڈی ڈاکٹرز کی کمی کو پورا کیا جائے۔ کرنل ملک انسپکٹر جنرل آف سول ہسپتالز ویسٹ پنجاب تھے۔ ساتھ سیکرٹری آف دی گورنمنٹ باڈی تھے ان کی آنکھوں میں رَس دار چمک تھی۔ آئندہ کل آنے والے حالات کا جائزہ لینا ان کا وطیرہ تھا اور سوچ و فکر کے دُھنی تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھی، ہم خیال ہم سخن ڈاکٹر شجاعت علی جو اس وقت کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں فزیالوجی کے پروفیسر اور میو ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔ ان کو بھی ایسے اچھے کام کرنے کی صلاحیت ورثہ میں میسر تھی، اور وہ کرنل ایس ایم کے ملک صاحب کو بڑی قدر و احترام کی نظر سے جانتے تھے۔ ان کی سوچ کی صحت کو خوب سوچا، منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر ایک چیز کو لیبارٹری کی طرح ناپا، تولا اور حساب لگایا، دونوں کی وسعت نظر نے زندگی کے جوہر اخلاق کو ظاہر کیا۔ نہایت بلند حوصلے کے ساتھ، انسانیت کو دوام بخشنے کے لیے فن میڈیسن کو خواتین میں عام کرنے کے لیے حکومت سے متعارف ہو کر تجویز پیش کر دی۔

ڈاکٹر شجاعت علی 18 اپریل 1898ء کو لدھیانہ میں سید فیملی کے ہاں پیدا ہوئے تقریباً سات سال کی عمر میں والدین کی شفقت سے محروم ہو گئے بڑے بھائی نے پٹیالہ میں پرورش کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور بڑا پنجاب کا ادارہ تھا۔ ایف ایس سی کر کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ڈگری کے علاوہ کئی میڈل 1923ء میں حاصل کیے۔ بچپن کے حالات محترمہ فاطمہ جناح کی طرح کے تھے، اور 1936ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کی۔ اور پھر یونیورسٹی آف ڈیورم سے پی ایچ ڈی کی۔ اتنے بڑے



مادرملت محترمہ فاطمہ جناحؒ اناٹومی ہال فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں طالبہ سے گفتگو کررہی ہیں۔
ڈاکٹر بشارت یوسف شعبہ اناٹومی کی سربراہ ساتھ ہیں کالج کے پرنسپل ڈاکٹر شجاعت علی کھڑے ہیں



Group Photograph of the founder and his students with Muhtarma Fatima Jinnah

محترمہ فاطمہ جناحؒ، ڈاکٹر شجاعت علی، کالج کے معمار، طالبات فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں کھڑے ہیں

اعزاز حاصل کیے، آپ کو کلینیکل میڈیکل کالج امرتسر میں پروفیسر کی آسامی میسر آئی تھی۔ ساتھ آپ اس ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔

جب پاکستان بننے لگا۔ آپ کو قائداعظم اور ان کے خیالات سے لگاؤ تھا۔ آپ پاکستان آ گئے دونوں عہدے لاہور میسر آئے۔ 1953ء میں ڈاکٹر شجاعت علی راقم کے ممتحن شعبۂ فزیالوجی میں تھے۔ نہایت شفیق، مستقل مزاج، ہنس مکھ اور پہچان کی نظر رکھنے والے انسان تھے۔ چنانچہ اس پر مغز خزینے نے نہایت اُلفت، محنت کے ساتھ حکومت پاکستان کے عبدالستار پیرزادہ وزیر صحت، ملک غلام محمد وزیر خزانہ، لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان، خواجہ نظام الدین گورنر جنرل پاکستان سرفرانسس موڈی گورنر کو قائل کیا۔ چنانچہ گورنر سرفرانسس موڈی نے خواتین میڈیکل کالج کے اجراء کی سکیم کو تقویت دی۔ کیونکہ مسلم دنیا کا یہ پہلا ادارہ تھا۔ وزیر اعظم نے مالی امداد کا وعدہ کیا قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان نے اس تجویز کو سراہا اور باقاعدہ اس ادارے کے نام کی تجویز فاطمہ جناح میڈیکل کالج اور محترمہ فاطمہ جناح سرپرست اعلیٰ کی خود اس تجویز کو قبول فرمایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قائد نے اپنی حیات میں فاطمہ جناح کو سرپرست اعلیٰ بننے کے لیے اجازت فرمائی اور تجویز کنندہ کے نام کو سراہا گیا۔ کالج کا باقاعدہ افتتاح 30 مارچ 1949ء میں الحاج خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان کے ہاتھوں ہوا۔ اس سکیم کو بیگم رعنا لیاقت علی خان نے بھی سراہایا۔

خواتین میڈیکل کالج کا خیال کیوں آیا؟

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرقانِ جگر سوزی دے
(اقبال)

قدرت نے آپ کو ہر نعمت سے نوازا ہے۔ اب آپ کا کام ہے کہ
پاکستان کی عمدہ سے عمدہ تعمیر کریں۔ (قائداعظمؒ)

قائداعظم اور علامہ اقبال کے فرمان کے مطابق یہ خیال ابھرا اور پایا تکمیل تک پہنچا۔ انڈیا میں چند مقامات پر میڈیکل تعلیم کے ادارے تھے۔ جس میں لدھیانہ میڈیکل سکول اور لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج دھلی میں 2/3 مسلمان لڑکیاں داخل ہوئی تھیں۔ ہندو

اور عیسائی لڑکیاں زیادہ تھیں۔ کیونکہ مسلم خواتین کا رجحان تعلیم کی طرف کم تھا۔ جب تقسیم ہند 1947ء میں ہوئی۔ سارے پاکستان میں 121 مسلم خواتین لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ 118 ویسٹ پاکستان میں اور تین مشرقی پاکستان، لہٰذا ایک لیڈی ڈاکٹر 3.7 لاکھ آبادی کے پیچھے تھی۔ یاد رہے ان میں 43 ایم بی بی ایس تھیں باقی لائسنس یافتہ تھی۔

1956ء میں ہماری جب پہلی بار بلوچستان میں تعیناتی ہوئی۔ وہاں پر سارے بلوچستان میں سرکاری سطح پر دو لیڈی ڈاکٹرز سول ہسپتال میں تھیں۔ ایک آدھ قلات میں ہو گی۔ لیڈی ڈیفرن ہسپتال میں دو بڑی لیڈی ڈاکٹرز تھیں جب ڈاکٹر مسز اقبال صوفی ہماری اہلیہ کو 1964ء سبی/زیارت میڈیکل آفیسر لگایا گیا وہ اس ضلع کی واحد لیڈی ڈاکٹر تھی۔ ہماری بیگم کا جب تبادلہ چھب ضلع اٹک اور ہری پور ہزارہ ہوا۔ وہاں پر بھی کیفیت یہی تھی۔ جس کی وجہ سے شرح اموات زچہ بچہ زیادہ تھیں۔

ان حالات کو دیکھ کر ڈاکٹر شجاعت علی اور کرنل ایس ایم ملک صاحب کی سکیم کو پذیرائی حاصل ہوئی اور فاطمہ جناح سرپرست اعلیٰ ہوئیں۔ آپ نے اس کالج کو تین بار شرف نیاز بخشا۔ آپ نے طالبات کے ساتھ، نرسز کے ساتھ اور اساتذہ کے ساتھ کافی وقت گزارا اور تعلیم و تربیت کے اہتمام کو بغور مطالعہ کیا۔ آپ نے اناٹومی ڈائسکیشن ہال میں ڈاکٹر بشارت یوسف دختر ڈاکٹر شجاعت علی سے تبادلہ خیال کیا اور ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر بشارت یوسف کو اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی قابلیت، محنت اور محسن باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اُس کرسی پر بیٹھنے کا فخر حاصل کیا۔ جس کے باپ نے بڑی کاوش اور مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ مقام حاصل کیا تھا وہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی بنیاد رکھنے والے مسیحا کہلائے، وہ گھر جا جا کر مسلمان بچیوں کو جنھوں نے ایف ایس سی کسی ڈویژن میں کر رکھا تھا، راغب کرتے۔ کہ وہ میڈیکل کالج میں داخلہ لیں۔ پھر اساتذہ کو اکٹھا کرنا بھی ایک مرحلہ تھا۔ ہماری اہلیہ اسی کالج کی فارغ التحصیل 1960ء میں ہوئیں۔ وہ ڈاکٹر بشارت اور ڈاکٹر شجاعت کی شفقت سے بہت متاثر تھیں۔ کہ ڈاکٹر شجاعت بحیثیت اتالیق بے مثل انسان تھے۔



۱۹۴۹ء محترمہ فاطمہ جناح" سرپرست اعلیٰ فاطمہ جناح میڈیکل کالج ہمراہ پرنسپل ڈاکٹر شجاعت علی،
ڈاکٹر ساجدہ، عبداللہ ڈاکٹر بشارت یوسف سے مصافحہ کر رہی ہیں

FATIMA JINNAH MEDICAL COLLEGE FOR WOMEN LAHORE

GOVERNING BODY

Patron-in-Chief
Miss Fatima Jinnah.

Patron
The Hon'ble Minister of Health, Government of Pakistan.

Chairman
Director-General of Health, Pakistan (or another official to be nominated by the Central Government).

Members

1. Surgeon General, East Bengal.
2. Inspector-General of Civil Hospitals, West Punjab.
3. Inspector-General of Civil Hospitals, N.-W.F.P.
4. Inspector-General of Civil Hospitals, Sind.
5. Begum Liaquat Ali Khan.
6. Begum Shah Nawaz, M.C.A. (Punjab).
7. Mr. M. H. Gazdar, M.C.A. (Sind).
8. Mr. Abdul Qasim, M.C.A. (East Bengal).
9. Sardar Bahadur Khan, M.C.A (N.-W.F.P.).
10. Lt.-Colonel A. K. M. Khan, Principal, Dow Medical College, Karachi.
11. Miss M. E. A. MacQueen, Lahore.
12. Begum G. A. Khan, Lahore.
13. The Commissioner, Lahore Division.
14. The Hon'ble Mr. Justice Abdur Rahman, Lahore.

Honorary Treasurer The Accountant-General, West Punjab.
Honorary Secretary Inspector-General of Civil Hospitals, West Punjab will act as Member-Secretary.

پس منظر

فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور

تقسیم ہند سے قبل لاہور کے مخیر حضرات خاص کر ہندو ساہوکار نے پنجاب میڈیکل ریلیف سوسائٹی بنا رکھی تھی۔ جس کے ذریعہ نادار، مفلس، بیمار لوگوں کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ ایک رفاہی ادارہ تھا۔ اس کی روح اولیت خدمت خلق تھی۔ ہر ایک سوسائٹی میں اچھی سوچ رکھنے والے اشخاص موجود ہوتے ہیں۔ جو نفیس خیالات سے مزین اس سرزمین کے دکھیا بسنے والوں کے آڑے وقت کام آتے ہیں۔ ان کی مثال سر گنگارام اور اس کی فیملی کے ممبران کی ہمت افزاء کاوش ہے۔ سخی سیٹھ گنگارام کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بیٹا بالک رام تھا۔ وہ بھی سماج کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھتا تھا۔ اس کا بھی اتفاق سے انتقال ہو گیا۔ اس کی بیوہ اور اس کے بیٹے لالہ سری رام (پوتے) نے اپنی رگوں میں گنگارام کے خون کی پہچان کے لیے لوگوں کی تعلیم وتندرستی کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فیملی توازن برقرار رکھا۔

کوئین روڈ گنگارام ہسپتال موجود تھا۔ ڈاکٹروں کی تعداد ان وقتوں میں کم تھی۔ صحت کا انحصار اچھے تربیت یافتہ ڈاکٹروں اور ہسپتال کے معیار پر ہوتا ہے۔ اس سوسائٹی نے طے کیا کہ نئی نسل کو ڈاکٹری کی طرف راغب کرنے کے لیے افزائش فزیشن کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ جو مفید اور اعلیٰ قسم کی تعلیم دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بالک رام کی بیوہ اور پوتے نے اس وقت مبلغ 5 لاکھ 15 ہزار روپے سوسائٹی کو قوم کی خدمت کرنے کے لیے دیا۔ منصوبہ 1940ء میں تیار ہوا۔ چونکہ خلوص موجود تھا۔ میڈیکل کالج تعلیمی اداروں کی راہ ہموار ہو گئی۔ جب نام تجویز کیا گیا تو بالک رام میڈیکل کالج تجویز کیا گیا۔ 1942ء میں میڈیکل کالج رواں ہو گیا۔ موجودہ کالج کی بلڈنگ میں اناٹومی ہال، فزیالوجی کی کلاسز شروع ہو گئیں۔ پرنسپل کے دفتر کے حصہ کو بعد میں سجایا گیا۔ یہ کوٹھی لالہ ہرکشن لال کی تھی۔ جو میڈیکل ریلیف سوسائٹی نے ان سے خریدی تھی۔

گنگا رام ٹرسٹ ہسپتال وقف ادارہ تھا۔ اس وجہ سے نہ تو اس کا نام تبدیل کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی قبضہ لیا جا سکتا تھا۔ شروع میں کلاسز اسی بلڈنگ میں تھیں۔ گلاب دیوی اور جانکی

دیوی ہسپتال میں طلباء و طالبات تجربہ حاصل کرنے کی خاطر جاتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی یہی عمل جاری رہا۔ جب کالج کا اپنا اہتمام مکمل ہو گیا۔ تو ان اداروں سے فائدہ ختم ہو گیا۔

تقسیم ہند 1947ء کو ہوئی۔ ہندوؤں کی آبادی والے علاقہ کو بھارت کا نام دیا گیا، اور مسلمانوں کی آبادی والے علاقے کو پاکستان، حالات خراب ہو گئے۔ ہندو سکھ بھارت مہاجر ہو کر چلے گئے۔ اور مسلمان مہاجر پاکستان آ گئے۔ بالک رام میڈیکل کالج بالکل خالی ہو گیا۔ نہ ٹیچرز رہے، نہ طلبا، زیادہ تر ٹیچرز ہندو اور سکھ تھے۔ طلباء زیادہ تر ہندو، سکھ عیسائی تھے۔ سب غائب ہو گئے۔

تب ڈاکٹر کرنل ایس۔ ایم۔ کے ملک، پروفیسر شجاعت علی فزیالوجی شعبہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج اور میڈیکل سپرنٹنڈنٹ میو ہسپتال آگے آئے۔ تجویز تیار کی۔ محترمہ فاطمہ جناح تک رسائی حاصل کی۔ کیونکہ ان کی دانش اور طبی رجحان میڈیکل ایجوکیشن کی طرف تھا۔ وہ قومی خدمت کو اولین ترجیح دیتی تھیں۔ خواتین کے لیے میڈیکل کالج کا منصوبہ ان کو بڑا پسند آیا۔ اس بامقصد منصوبہ نے ان کی پیاس بجھا دی۔ وہ تازہ دم ہو گئیں۔ حالات ایسے تھے کہ انہوں نے اس میڈیکل کالج کے آغاز کو وقت کی آواز سمجھا اور اچھے اثرات کی خاطر قائداعظم محمد علی جناح سے مفید مشورہ طلب کیا وہ اس بامقصد پراجیکٹ سے بڑے خوش ہوئے اور مدد کی ٹھان لی۔ یہ ان کی خالص مدد تھی۔ یہ کہ کالج کامیابی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

ڈاکٹر شجاعت علی اور کرنل ملک صاحب بڑے دانشمند تھے۔ ان کا بنیادی مقصد خواتین کے لیے معیاری میڈیکل تعلیم کے اجراء کا تھا۔ یہ ان کی فکر انگیز اور اخلاق افروز سوچ تھی۔ جس نے ایسے مشکل وقت میں قومی فکر کا سہارا لیا اور پورے معاشرے کی بہبود کے لیے میڈیکل کی تعلیم برائے نسواں کی روشنی بکھیر دی۔ تقسیم ہند کے وقت مسلمان لڑکیوں میں تعلیم کا شعور نہ تھا۔ پردہ، رواج، اور غیر اصلاحی حالات تھے۔ اس وقت ایک دیدہ زیب عمارت میں خواتین کے لیے درسگاہ کا حاصل کرنا بڑا اعزاز ہے۔

جب ان لوگوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو قائل کیا اور حکومت پاکستان نے تعاون کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح سرپرست اعلیٰ یعنی محافظ اعلیٰ ہو گئیں، اور اس کالج کو شرف ہے کہ



۱۹۵۰ء سرپرست اعلیٰ مادر ملت فاطمہ جناح صاحبہ
فاطمہ جناح میڈیکل کالج کے پہلے بیچ کی طالبات کے ساتھ گروپ فوٹو



مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ اور فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی طالبات

قائداعظم نے محترمہ فاطمہ جناح کی سرپرست اعلیٰ کی توثیق کی۔

کالج کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اساتذہ کو تلاش کرنا بڑا کٹھن دہ اور مشکل مرحلہ تھا کیونکہ خواتین طبی میدان میں بطور ٹیچرز ناپید تھیں۔ چنانچہ بنیادی سائینسز کے لیے پروفیسر شجاعت علی فزیالوجی کے خود پروفیسر تھے۔ اناٹومی کے لیے ڈاکٹر نور احمد قریشی، پیتھالوجی کے لیے ڈاکٹر یعقوب، فارماکالوجی میں میجر منصور، کمیونٹی میڈیسن کے لیے صمد شاہ کو تلاش کر کے شعبہ جات میں متعین کیا گیا۔ ان کے ساتھ خواتین ٹیچرز لگائی گئیں۔ تاکہ وہ اپنی تدریسی قوت پیدا کریں اور شعبہ کی سربراہی میسر آئے۔ مثلاً بعد میں ڈاکٹر بشارت یوسف اناٹومی کی سربراہ بن گئیں۔

کلینکل سائیڈ پر ڈاکٹر سیلرنی، خان بہادر، ڈاکٹر محمد یوسف ریٹائرڈ پروفیسر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، ڈاکٹر یار محمد خاں ریٹائرڈ پروفیسر آف میڈیسن اور بعد میں آنے والے ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ، ڈاکٹر اختر خان، ڈاکٹر احسان خان، ڈاکٹر عزیز خان، سرجن ڈاکٹر ولایت علی (ای این ٹی) اور دیگر حضرات بعد میں شامل ہوئے۔ ان کے ساتھ خواتین ٹیچرز بھی میسر آتی گئیں اور پھر پرنسپل کی پوسٹ ڈاکٹر بلقیس فاطمہ اور ڈاکٹر بشارت کو میسر آ گئی۔

ڈاکٹر شجاعت علی 1948ء سے 1966ء تک پرنسپل رہے۔ ڈاکٹر امیر محمد خان مئی 1966ء سے دسمبر 1966ء تک، پھر ڈاکٹر عبدالعزیز خان سرجن چند ماہ کے لیے ان کے بعد ڈاکٹر عبدالعزیز وائیں اور پھر ان کے بعد ڈاکٹر بلقیس فاطمہ عورت پرنسپل بنی اور بعد میں ڈاکٹر بشارت یوسف بنی۔

اس ادارہ نے بہت ترقی کی ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں فاطمہ جناح کالج کی طالبات اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہ اتنی سوچ تھی کہ محترمہ فاطمہ جناح نے رضاکارانہ طور پر اس کالج کو سرپرستی کا شرف بخشا جس کی بدولت میڈیکل فیلڈ کے اندر بہت بڑا اضافہ ہوا، اور بے شمار بیمار مریضوں کو استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا۔

ڈاکٹر شجاعت علی کے خوابوں کی تعبیر نکھر کر پاکستان اور عالم اسلام کے سامنے آئی، اور جاری ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ

جولائی 1936ء لاہور

پارلیمنٹری بورڈ میں کئی تقریریں ہوئیں۔ لیکن مولانا کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی تائید کی اور ان کی اس تحریک پر کہ مسلم لیگ کو زندہ سیاست میں لایا جائے۔ خوشنودی کا اظہار کیا۔ لیکن آخری روز دو عالموں میں سے ایک عالم نے تجویز پیش کی۔ انتخابات میں ایک جماعت کی حیثیت سے مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے مسلسل اور موثر پروپیگنڈا کی ضرورت ہوگی، لہٰذا دیو بند اپنے تمام ذرائع لیگ کی خدمت میں پیش کرے گا بشرطیکہ پروپیگنڈا کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ شروع میں 50 ہزار روپیہ درکار ہوں گے۔

ایم ایم اصفہانی تحریر کرتے ہیں اس وقت لیگ کے پاس نہ کوئی فنڈ تھے نہ چندہ تھا لیگ کا صدر اور سیکرٹری جو دونوں اعزازی تھے اپنے دفتر اپنے تھیلوں میں لیے پھرتے تھے۔ جب یہاں مولانا کو مایوسی ہوئی، وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ہوتے گئے، اور اس کا حصہ ہو گئے کیونکہ کانگریس ہی ان کے تقاضے پورے کر سکتی تھی۔ جناح اس قسم کے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

آپ نے (جناح) لاہور کے جلسے کے بعد بہت تندہی اور محنت سے مسلم لیگ کا کام شروع کر دیا صوبوں کا دورہ کیا مختلف مقامات پر پارلیمنٹری بورڈ قائم کیے اور ان بورڈوں

نے کام کرنا شروع کر دیا۔ ڈھاکہ سے عبدالرحمٰن صدیقی، ایم ایم اصفہانی نے مسلم لیگ میں شمولیت کو اعزاز سمجھا، واپس جب بنگال پہنچے تو انہوں نے کلکتہ میں خواجہ نور الدین اور دیگر لاہور کی میٹنگ کا حال سنایا اور فیصلہ ہوا کہ بنگال میں مسلم لیگ کی شاخیں کھولی جائیں۔

بنگال میں دو جماعتیں متحدہ مسلم پارٹی اور کرشک پرجا پارٹی دونوں متحرک تھیں اور دونوں میں رفاقت تھی ایک کے سربراہ فضل حق تھے ان کے ساتھ مذاکرات ہوئے۔ ٹاؤن ہال میں ہنگامہ ہوا مگر جناح کی ایسی شخصیت تھی کہ انہوں نے اے کے فضل حق جو پراجا کرشک پارٹی کے سربراہ تھے اور متحدہ مسلم پارٹی کے صدر نواب بہادر ڈھاکہ سے میٹنگ کی، دونوں کو مرغوب کر لیا گفتگو کئی روز تک جاری رہی کیونکہ جناح چاہتے تھے کہ بنگال کے مسلمانوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا جائے تاکہ خود اعتمادی کے ساتھ ہندو کا مقابلہ کر سکیں۔ جناح کو خدا نے ملکہ دے رکھا تھا ان کی دلیل سے متحدہ مسلم پارٹی نے بلا کسی شرط کے اپنی پارٹی ختم کر دی اور اس کے ارکان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ بنگال کی مسلم لیگ خود اپنی ٹکٹوں پر الیکشن لڑے گی۔ مسٹر فضل حق کی پارٹی ضم نہ ہوئی تاہم انہوں نے سوچا اور آ کر فیصلہ کر لیا کہ اس کی پارٹی بھی متحدہ مسلم پارٹی کے دوش بدوش مسلم لیگ میں شامل ہو کر لیگ کی تنظیم میں کوشاں ہو سکی اور مسٹر جناح جو بورڈ مقدمہ کریں گے وہ اس کو مانیں گے۔

یہ اتنا آسان کام نہ تھا۔ جناح کی ترغیب کام آئی فاطمہ کو اس سب کشمکش کا علم تھا۔ متحدہ مسلم لیگ پارٹی اور کرشک پراجا پارٹی، دونوں پارٹیوں کے برابر ممبران بورڈ میں شامل کیے گئے۔ نواب خواجہ حبیب اللہ ڈھاکہ، خواجہ نظام الدین مسٹر ایچ ایس سہروردی، مولانا محمد اکرم خان، مولانا عبداللہ الباقی، سر اے ایف رحمان مسٹر تمیز الدین خان، خواجہ شہاب الدین، اسی طرح کرشک پراجا سمیتی پارٹی سے اے کے فضل حق، مسٹر نوشیر علی، مسٹر حسن علی بوگرہ، مسٹر سید بدر الدجی، مسٹر شمس الدین احمد، اور قائد اعظم کی طرف سے مسٹر مرزا احمد اصفہانی، مسٹر خواجہ نور الدین مسٹر عزیز انصاری، مسٹر اے آر صدیقی، مسٹر عبداللہ کنگی، مسٹر سکندر دھلوی، مسٹر ایم اے ایچ اصفہانی، پارلیمنٹری بورڈ تشکیل دیا گیا۔ بنگال میں سیاسی شعور

زیادہ تھا مسائل بھی زیادہ تھے، مسلم لیگ کے پاس فنڈز نہ تھے، آدمی نہ تھے صرف قائد کا خلوص تھا۔ فضل حق اور ان کے رفقاء ہمیشہ مسلم لیگ کے لیے مسئلہ بنے رہے۔ انتخابی منشور کا مسودہ تیار ہو گیا فضل حق اور اس کے انتہا پسند ساتھی فرمانے لگے کہ منشور میں ذیل کے نکات شامل کیے جائیں۔

(1) زمینداری کو بلا معاوضے ختم کیا جائے۔

(2) بنگال کے صوبہ میں بغیر کسی ٹیکس کے ابتدائی تعلیم شروع کی جائے، یہاں پر بڑی بحث ہوئی۔

اس قسم کے واقعات سے اتفاق رائے ہونا مشکل تھا، کیونکہ اے کے فضل حق کے لیے مسلم لیگ کی تجاویز قابل قبول نہ تھیں، لہٰذا وہ اتحاد و اشتراک عمل جو مسٹر جناح ایک مشترکہ پارلیمنٹری بورڈ کے ذریعہ قائم کرنا چاہتے تھے، وہ انتخابات سے قبل ہی کالعدم ہو گیا۔ مسٹر فضل حق حسب عادت اپنے حق کو صحیح ثابت کرنے میں لگے رہے۔ فضل حق نے اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا او رمسلم لیگ پارٹی نے بھی انتخابات میں حصہ لیا نتیجہ یہ نکلا مسلم لیگ بنگال کی سب سے بڑی پارٹی بن گئی۔

مسلمانوں کی 119 مخصوص نشستوں میں 40 پر قبضہ کر لیا۔ فضل حق کی پارٹی نے 38 نشستیں اس 1937ء کے انتخابات میں کچھ آزاد ارکان تھے وہ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مسلم لیگ نے دوبارہ فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ مسٹر اے کے فضل حق کو وزارت اعلیٰ میسر آئی، لہٰذا طویل عرصہ کے بعد مسلمانوں کو دوبارہ بنگال میں اقتدار حاصل ہوا جس پر ان کے آباو اجداد کبھی حکمران تھے۔

یہ وقت ایسا تھا کہ جناح (قائد) کے لیے ذہنی دباؤ، عزت، کا ڈر تھا کیونکہ اے کے فضل حق بنگال کے سیاست دان پل پل میں تبدیل ہو جانے والے تھے۔ جناح دیانتداری سے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا چاہتے تھے۔ کانگریس چھوٹی موٹی باتوں قباحتوں اور شکوک و شبہات کو اجاگر کرنے میں کردار ادا کر رہی تھی تاکہ مسلمانوں میں اختلاف جاری کیا جائے۔ 1941ء میں مسٹر اے کے فضل حق نے کانگریس پارٹی کے مسٹر

سرت چندر بوس اور ہندو مہا سبھا پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر شیاما پرشا مکر جی سے ساز باز کر لی۔ ان کے ساتھ نواب صاحب ڈھاکہ اور کچھ لوگ دشمن کے کیمپ میں چلے گئے۔ اے کے فضل حق کو وزارت عظمیٰ مسلم لیگ نے دی۔ معاہدہ سے قبل بھی وہ ڈانواں ڈول تھے اور آخر وقت تک یہی حال تھا۔ مسلم لیگ اس بنا پر مضبوط ہوتی گئی فضل حق نے مخلوط وزارت جو کانگریس کے ساتھ بنائی وہ زیادہ دیر نہ چل سکی، ہندو کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ مسلمان سربراہ ہو جائے۔

کانگریس کا طریقہ یہی تھا کہ مسلمانوں کو عہدوں کا لالچ، اپنی طرف کرنا، اور لیگ کی صفوں میں بد دلی اور انتشار پیدا کرنا تھا آپ دیکھیے علماء دیو بند نے کیا کیا، فضل حق نے کیا کیا، دوسرا طریقہ کہ جو مسلم لیگی یا آزاد مسلمان منتخب صوبہ بہار، بمبئی، مدراس، ہو جاتا اس کو پھسلا کر وزارت یا پارلیمنٹری عہدہ کے عوض کانگریس میں شامل کر لیتے۔

یو پی میں شروع ہی سے آل انڈیا مسلم لیگ کو محوری حیثیت حاصل ہوئی۔ یہاں پر کانگریس نے چال چلی کہ لیگ اور کانگریس کا اتحاد ہو جائے۔ جس کا ذکر خود مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب میں کیا کہ چوہدری خلیق الزمان منتخب ہوئے ان کو وزارت کی پیشکش کی مگر ان کو مسلم لیگ سے اپنا تعلق چھوڑنا پڑے گا۔ یو پی کی سیٹ پر کوئی کانگریسی مسلمان منتخب نہ ہو سکا۔ صرف ایک ضمنی انتخاب میں کانگریسی مسلمان مسٹر رفیع قدوائی اس لیے منتخب ہوئے کہ مسلم لیگ نے اپنا امیدوار نامزد نہیں کیا ورنہ یہ سیٹ بھی مسلم لیگ کی تھی۔

محمد علی جناح (قائد اعظم) کا عقیدہ صاف تھا کہ اس وقت تک مسلمانوں کے فائدے کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس ملک کے مختلف خیالات کے لوگ ایک مضبوط اور ترقی پسند تنظیم یعنی مسلم لیگ کے تحت نہ لایا جائے کانگریس کی یہ چال تھی کہ لیگ کو کسی طرح مربوط اور مضبوط جماعت نہ بننے دیا جائے۔ ہر وقت مسلم لیگی ممبران کو ورغلاتی رہی۔

کیا اتنی مشکلات اور روکاوٹوں کا اثر جناح پر نہیں پڑتا تھا؟ کیا یہ افسوس ناک واقعات کا ذکر اپنی بہن سے نہیں کرتے تھے؟ کیا بہن اس تمام ماجرے سے بے خبر تھیں میرے خیال میں بہن کو فخر ہے کہ ان تمام واقعات سے آگاہ تھیں اور اپنے با اصول اور پختہ عمل کے بھائی پر نازاں تھیں۔

لوگوں نے مسٹر جناح پر بھروسہ کیا قائد کو افسوس رہا، ان کا اعتماد صحیح نہ تھا۔ کچھ یو پی کے لوگ دھوکہ دے گئے کانگریس یہ نہیں چاہتی تھی کہ مسلم لیگ یا مسلمان اتنے مضبوط ہو جائیں کہ وہ کسی بھی ترقی پسند جماعت کے دوش بدوش چل سکے۔ ویسے کانگریس کا ڈر صحیح تھا لیگ کانگریس کے مقابلہ میں آئی اور تقسیم ہند ہو سکی، انگریز کانگریس کی جانب تھے۔

(1) کانگریس نے شرط یہ رکھی کہ یو پی مجلس قانون ساز میں مسلم لیگی اراکین ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت سے کام کرنا ترک کر دیں گے۔

(2) اسمبلی کے موجودہ ارکان (مسلم لیگی) کانگریس پارٹی کا جزو بن جائیں گے اور پارٹی کی رکنیت میں شریک ہوں گے اور کانگریس کے ضوابط نظام کے تحت ہوں گے۔

(3) کانگریس ورکنگ کمیٹی جو فیصلہ کرے گی ان کی مکمل پابندی کانگریس کے ارکان اور لیگی کریں گے۔

(4) یو پی کا مسلم لیگی پارلیمنٹری بورڈ توڑ دیا جائے گا اور آئندہ کسی ضمنی انتخابات میں امیدوار نہیں کھڑا کرے گی۔ 6/5 کانگریس جب استعفیٰ دے گی تو ارکان مستعفی ہو جائیں گے۔

یہ شرائط مولانا آزاد نے خلیق الزمان کو بھجوا دیں اگر منظور ہیں تو ارکان صوبائی وزارت میں لیے جائیں گے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ کانگریس مسلمان اور ہندو کس قدر مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ قائد کے لیے کیسے کیسے مراحل آئے۔ وہ بمبئی کے سرکردہ رہنما تھے۔ ان کا حوصلہ بلند تھا۔ مسلمانوں کو ایک بڑی تباہی سے بچا لیا اور کانگریس کی سامراجی اور آمرنہ ذہنیت کا اظہار ہو گیا۔ یہ قائد اعظم کی ذات تھی جو اپنی بیوی کے انتقال کے بعد لندن میں وکالت چھوڑ آئے دھوکہ مسلمانوں نے دیا۔ چالیں کانگریس نے چلیں۔ انتخابات میں سیٹیں کم آئیں پھر بھی وہ حوصلہ نہیں ہارے۔ ان کا خدا پر یقین تھا ان مشکل لمحوں میں ان کے ساتھ ان کی ہمشیرہ تھیں جو ان کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ ان کے کام کی تعریف کرتیں۔ جس کی وجہ سے مسلمان بربادی سے بچ گئے۔

لکھنؤ میں عظیم الشان جلسہ مسلم لیگ کا 18/15 اکتوبر 1937ء میں ہوا۔ بڑی

شان و شوکت تھی۔ اس جلسہ کا سہرا راجہ صاحب آف محمود آباد پر تھا۔ اس جلسہ میں نواب اسماعیل ایک سیاہ سموری ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ مسٹر جناح (قائد) کو اس ٹوپی نے راغب کیا، آپ نے یہ ٹوپی نہیں لی اور جلسے میں آ گئے۔ لوگوں نے ٹوپی پر نعرے لگائے۔ زندہ باد اور دوسرے دن سارے لکھنو میں جناح کیپ تیار ہونے لگیں۔ عطا ربانی اپنی کتاب قائد اے ڈی سی ص 86 پر لکھتے ہیں کہ قائد جب 11 اگست 1947ء کو آئین ساز اسمبلی کو خطاب کرنے جا رہے تھے۔ انکا لباس بہت عمدہ تھا راستہ میں بنگال سے مولوی اے کے فضل حق سر پر سرخ ٹوپی نسواری شیروانی اور تنگ پائجامہ میں کھڑے ہیں اور قائد کو جھک کر فرشی سلام پیش کیا قائد نے تین پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ سیدھا چلے گئے فضل حق کو لفٹ نہ کرائی شیر بنگال نے قائد کے ساتھ اتنے پینترے بدلے کہ انسان بھول ہی نہیں سکتا۔ قائد نے پہچان لیا کہ کون کون ہے؟

قائد کو سیاسی زندگی میں مولوی اے کے فضل حق اور سکندر حیات خان کی بے وفائی نا پسند تھی، کیونکہ ان دونوں حضرات نے قومی تنظیم (مسلم لیگ) اور قومی مفاد (مسلمانوں) سے غداری کی۔ قائد اصولوں پر سودا نہیں کر سکتے تھے۔ قائد کبھی بھی ایسے لوگوں اے کے فضل حق، سکندر حیات خان، خضر حیات ٹوانہ کو معاف نہیں کیا یہ لوگ مشتبہ تھے۔ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ قائد کا فرمان تھا کہ بنگال کے بڑے (مسلمان) رہنماؤں نے ذاتی فوائد کے لیے اپنی قوم سے غداری کی اور پنجاب کے رہنما انگریزوں کے احسانات کے اعتراف میں جو انہوں نے ان کے آباو اجداد پر کیے تھے وفا شعار خدام بنے رہے۔

جب 1941ء میں فضل حق کانگریس سے جا ملے تو قائد نے ان کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ سے الگ کر دیا، اس سازش کے ذریعہ وہ کانگریس کے ساتھ مل گئے اور وزیر اعلیٰ ہوئے۔

قائد اعظم کو دو محازوں پر جنگ لڑنی پڑی بنگال میں کانگریس کا مقابلہ ایک طرف اور ایسے مسلمانوں کا مقابلہ دوسری طرف، کتنا مشکل وقت تھا؟ اس مخلوط وزارت جس کے صدر فضل حق تھے مالی اور ہر طرح کا کنٹرول امداد ہندو کر رہے تھے اور ذلت آمیز حالت تھی۔ اے کے فضل حق بنگال کی ایسی شخصیت تھی جن کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا

مشکل تھی۔

ایم ایم اصفہانی اپنے تجربہ کی بناء پر کہتے ہیں" وہ ایک پریشان کن عنصر تھے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ زیادہ تر لیگ کی بیخ کنی میں مصروف رہتے۔" کسی کو علم نہ تھا، دس گھنٹوں میں دس بار اپنا ارادہ تبدیل کر لیتے۔ مستقل مزاجی والی بات نہ تھی۔ جوش میں آگئے۔ 1941ء میں مسٹر جناح (قائد) نے ایک مقدمہ دائر کیا اور 1946ء میں ضلع مسلم لیگ میں شامل ہوئے، حلف لیا گیا کیونکہ گذشتہ کئی سالوں سے لیگ کے ساتھ بے وفائی کر چکے تھے، اور مقدمہ 1946ء میں واپس لے لیا۔

اب سنئے 1941ء میں قائد کی مرضی کے خلاف انڈین نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت قبول کر لی جو مسلم لیگ کی پالیسی کے خلاف بات تھی۔ ڈیفنس کونسل سے استعفیٰ تو دیا ساتھ مسلم لیگ سے بھی استعفیٰ دے دیا عجیب قسم کی شخصیت تھے۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)



قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ محمد حنیف مینار (آگرہ) (حوالہ روزنامہ جنگ کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء)

قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح تاج البلاد اکبرآباد آگرہ میں ایک مقدمہ لڑنے بحیثیت وکیل آئے آپ کے موکل لالہ کشن لال اور شام لال تھے۔ جب مسلمانوں کو علم ہوا تو آپ سے جلسہ عام میں خطاب کرنے کے لئے لوگوں نے درخواست کی۔ جلسہ گاہ آگرہ کے حسین پیکر باغ منعقد ہوا۔ ہندو مجسٹریٹ کو اس جلسہ کا علم ہوا تو اس نے دفعہ ۱۴۴ لگا دیا۔ تاہم جلسے کا اہتمام ہوا۔ قائد کو دیکھنے کے لئے لوگوں کو بے پناہ ہجوم تھا۔ آخر حکومت کو پابندی اٹھانی پڑی۔ جلسہ میں ۵۰ سے ۶۰ افراد موجود تھے۔ آپ کے ساتھ محمد حنیف مینار کھڑے ہیں۔ یہ بڑا تاریخی جلسہ تھا۔

فاطمہ جناح ہوشمند سیاستدان اور بہترین مدبر

قائداعظم کے مخلص ساتھیوں میں ان کی رفیق کار اور سب سے زیادہ قابل اعتماد ہستی خاتون پاکستان محترمہ فاطمہ جناح بھی تھیں۔ جن کی آج ہم یاد منا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے محترم بھائی کی سیاسی سرگرمیوں میں زندگی بھر ان کا ہاتھ بٹایا اور جس والہانہ محبت کا اظہار کیا اس کے نتیجہ میں وہ اپنے ذاتی حالات کی طرف سے اتنے بے فکر ہو گئے کہ سیاسی ترقی کے زینے چڑھتے چلے گئے۔ مس فاطمہ جناح 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں نیونہم روڈ پر اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے محترم بھائی سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ لیکن اپنے بڑے بھائی کی طبیعت اور مزاج پر اس قدر قابو حاصل تھا کہ عام آدمی یہ محسوس کرتا تھا کہ قائداعظم عمر میں چھوٹے ہیں اور مادرِ ملت بڑی ہیں۔

خاتون پاکستان بڑی غیر معمولی صلاحیتوں کی انسان تھیں ان کی خوبیاں احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ وہ ایسی دور اندیش تھیں کہ جو معاملہ سامنے آتا تھا اس کی تہہ تک پہنچ جاتی تھیں۔ سیاست کے نشیب و فراز پر عبور حاصل تھا۔ گفتگو ایسے نپے تلے الفاظ میں کرتی تھیں کہ مخاطب ضرور اثر قبول کرتا تھا کہ ایسی باصلاحیت بہن سے زیادہ نجات دہندہ اسلامیان ہند کا اور کون مخلص اور مشیر ہو سکتا تھا۔ قائداعظم کے قریبی ساتھیوں کا بیان ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر بانی پاکستان کچھ پریشانی محسوس کرتے تو محترمہ فاطمہ جناح بڑے سکون سے مسائل کا جائزہ لینے کے بعد بھائی کو مشورہ دیتیں کہ اس گتھی کو کس طرح سلجھایا جا سکتا ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح اس خیال کی زبردست حامی تھیں کہ قوم کی تعمیر اور اس کے

اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے خواتین کو مردوں کے دوش بدوش کام کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ ہی کی تحریک پر 1938ء میں پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی سالانہ اجلاس میں خواتین مسلم لیگ کی سب کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ 1918ء تک مس فاطمہ جناح کی زندگی سیاست کے نشیب و فراز پر غور کرنے میں گزری اور خلافت جیسی قومی تحریک میں انھوں نے کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ جس زمانہ میں یہ تحریک چل رہی تھی وہ نوجوان تھیں ظاہر ہے کہ اس قومی ماحول نے ان کے دل و دماغ پر ضرور اثر کیا ہوگا۔ جن لوگوں کو آزادی کی جدوجہد سے دلچسپی رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا قومی تشخص جس کی بنیاد پر ہم نے ایک خطہ ارض حاصل کیا تھا۔ تحریک خلافت کے زمانہ ہی میں ابھرا اور برادران وطن یعنی اہل ہنود کا مارِ آستین ہونا اسی تحریک کے زمانہ میں مسلمانوں پر واضح ہوا۔

تحریک خلافت جب اپنے عروج پر تھی۔ مس فاطمہ جناح کلکتہ کے احمد ڈینٹل کالج میں دندان سازی کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔

1922ء میں امتحان میں کامیاب ہو کر بمبئی واپس آ گئیں اور عبدالرحمان اسٹریٹ پر کلینک کھول لیا۔ فطرت میں حلم خلق' مروت و ہمدردی کا جوہر شامل تھا۔ کام چل نکلا۔ لیکن یہ مصروفیت طبیعت کو راس نہیں آئی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ پریکٹس کے زمانہ میں ان کی زندگی قائداعظم کی زندگی سے الگ تھلگ سی ہوگئی تھی۔ جو انھیں بالکل پسند نہیں تھی۔ دوسرے 1929ء میں قائداعظم کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ ایک لڑکی تھی اسے نانا نانی لے گئے۔ مشفق و مہربان بھائی کی یہ انتہائی لائق و فائق بہن برداشت نہ کرسکی بلا تامل کلینک بند کر دیا اور مستقل طور پر اسی سال جب قائداعظم گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے تو یہ چہیتی بہن بھی ان کے ساتھ تھیں اور تمام مشوروں میں شریک رہیں۔ یکم جنوری 1931ء کو لندن میں مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہوگیا اور مسلمانانِ ہند پر مایوسی چھا گئی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مایوسی کے بادل جلد چھٹ گئے اور رئیس احرار مولانا محمد علی جوہر سے تخت سیاست وراثت میں قائداعظم محمد علی جناح کو مل گیا۔ اسی زمانہ میں ہر شخص کی زبان پر یہی تھا۔

ملا ہے وراثت میں تخت سیاست؛ محمد علی کو محمد علی سے

تمام مخالفتوں اور مشکلات کے باوجود بابائے قوم قائداعظم نے فہم و فراست کا ثبوت دیا وہ انہی جیسی عہد ساز شخصیت کا کردار ہو سکتا تھا۔ پاکستان کی سرگذشت مشکلات کے خلاف ایک مسلسل دیانت داری حب الوطنی محنت سیاسی سوجھ بوجھ اور ایک بامقصد نصب العین کی تکمیل کی کہانی ہے۔

یہیں سے مسلمانان برصغیر کی آزادی کی جنگ باضابطہ اور منظم طریقہ سے شروع ہو گئی۔ اس جہاد آزادی میں مادر ملت نے بھی اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ حصہ لیا۔ ان کی قومی خدمات کے اعتراف میں سب سے پہلے 1939ء میں بمبئی صوبائی مسلم لیگ نے ان کو اپنی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا۔ انھوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لیے مسلم خواتین میں تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جہاں بھی سیاست سے دلچسپی رکھنے والی خواتین کا کوئی اجلاس ہوتا اس میں ضرور شرکت کرتیں اور کسی اجتماع میں کوئی عہدہ مقبول کرنے پر تیار نہ ہوتیں۔ متحدہ ہندوستان کا کوئی ایسا صوبہ نہیں تھا جہاں خواتین کی تنظیم کے لیے وہ تشریف نہ لے گئی ہوں اور مسلم لیگ میں شرکت کے لیے خواتین کو آمادہ نہ کیا ہو۔

پورے ہندوستان میں قائداعظم کی سیاسی سوجھ بوجھ کا کوئی دوسرا لیڈر نہ تھا۔ وہ اپنی تقریروں میں موہن داس کرم چند گاندھی' جواہر لعل نہرو اور دوسرے سیکولر رہنماؤں پر تنقید کرتے اور ان کی خودغرضیوں کی پول کھول کر رکھ دیتے اور اس مہم میں مس فاطمہ جناح بھی اپنے لائق اور واجب الاحترام بھائی کا خوب ہاتھ بٹاتی تھیں اور انھیں مفید مشورے دیتی تھیں۔

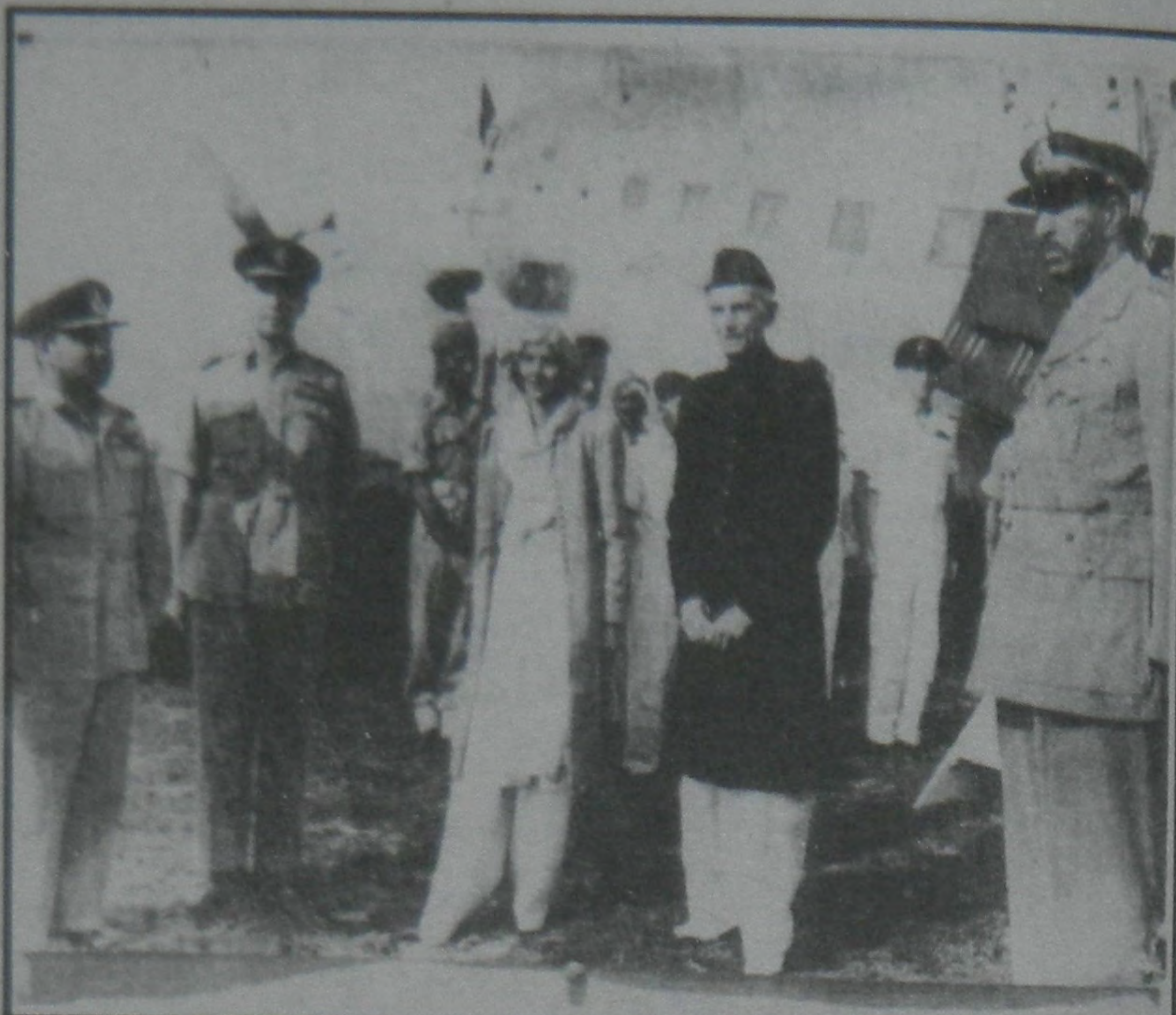
1948ء میں بانی پاکستان نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ فاطمہ جناح اس سفر میں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ قائداعظم نے اکثر و بیشتر اس کا اعتراف کیا کہ تحریک پاکستان میں میری بہن نے تاریخی خدمت انجام دی ہے اور حصول پاکستان کے لیے ہر ممکن جدوجہد کی ہے۔ 1946ء میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ حکومت آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دے گی تاکہ مسلمانانِ ہند ان کی قیادت سے محروم ہو کر سیاسی انتشار

میں مبتلا ہو جائیں۔ اس آڑے وقت میں محترمہ فاطمہ جناح نے آپ کی ہمت بڑھائی اور اس اندیشہ کو ان کے دل سے اس خوبی سے نکالا کہ قائداعظم نے اس امکان ہی کو ذہن سے سراسر فراموش کر دیا۔

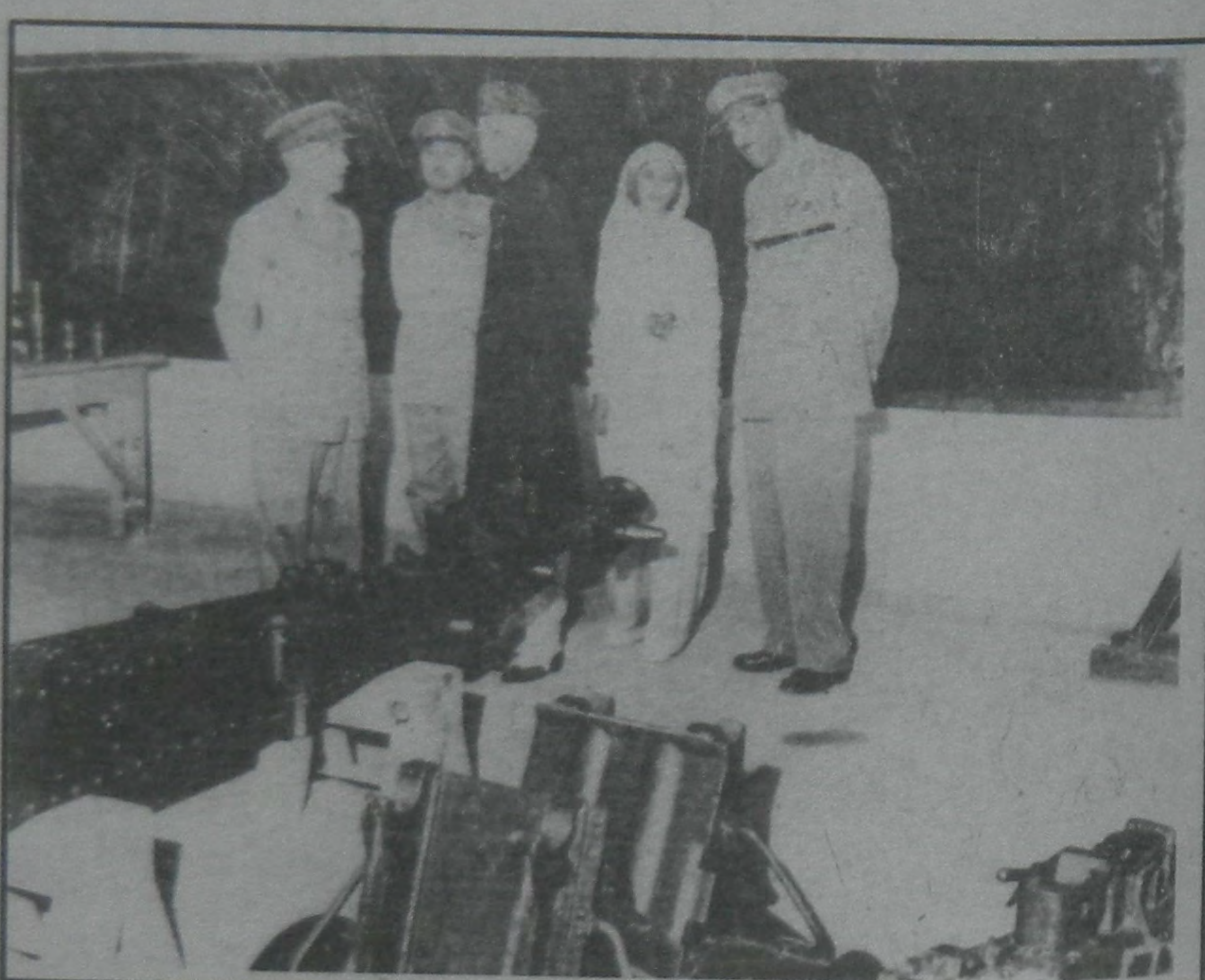
قائداعظم سے ہمیشہ قریب رہنے کی وجہ سے خاتون پاکستان میں ایک اعلیٰ سیاست دان بہترین مدبر اور عمدہ منتظم ہونے کی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

بابائے قوم کے انتقال کے بعد 1964ء تک خاتون پاکستان نے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ مگر اپنے فرائض سے ایک لمحہ غافل نہیں رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں بھی وہ 58ء تک مسلسل دس سال پاکستان مسلم لیگ کی رکن رہیں۔ لیکن یہ رکنیت صرف اعزاز کی حد تک تھی۔ البتہ ایک سال میں پانچ مرتبہ خاتون پاکستان اپنے پیغامات سے ارباب حکومت اور عوام کو مفید مشوروں سے سرفراز فرماتی تھیں۔

(حافظ بشیر احمد غازی روزنامہ جنگ، 8 جولائی 1987ء)



اپریل ۱۹۴۸ء رسالپور، قائداعظم محمد علی جناح گورنر پاکستان ہمراہ محترمہ فاطمہ جناح



قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ پاکستان آرمڈ کور سنٹر نوشہرہ میں ۱۹۴۸ء

فاطمہ جناحؒ

آمریت کے اندھیروں میں روشنی

9 جولائی مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی رحلت کا دن ہے جب وہ دنیا سے رخصت ہوئی تھیں تو پوری قوم نے ان کی وفات کو قومی نقصان قرار دیا تھا بلاشبہ ان کے ساتھ ہی تحریک پاکستان اور تحریک بحالی جمہوریت کا مکمل عہد اپنے اختتام کو پہنچا۔

31 جولائی 1893ء سے لے کر 9 جولائی 1967ء تک جب انھوں نے 74 سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا وہ جرأت کردار وعمل کی پیکر رہیں۔ انھوں نے برطانوی سامراج کے خلاف عملی جدوجہد میں اپنے بھائی کے دوش بدوش دیوانہ وار کام کیا۔ پاکستان بننے کے بعد سرکاری طور پر انھیں خاتون پاکستان کا خطاب دیا گیا۔ لیکن انھوں نے دنیاوی اعزازات سے بے نیازی برتتے ہوئے قوم کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھا۔ جس کے صلے میں قوم نے انھیں ''مادر ملت'' کہہ کر پکارا۔ 64ء کے صدارتی انتخاب میں قوم کی نگاہیں ان کی سمت اٹھیں تو انھوں نے پیرانہ سالی کے باوجود مایوس نہیں کیا اور آمریت کے گھٹاٹوپ اندھیروں کے خلاف شمع جمہوریت لے کر میدان عمل میں آ گئیں اور آمر وقت کو برسر عام للکارا۔ وہ پانچ جماعتوں کی مشترکہ دعوت پر حزب اختلاف کے متفقہ امیدوار کی صورت میں صدر ایوب کے مقابلے پر تھیں آپ کی عوام میں مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ کیماڑی سے خیبر اور چٹا گانگ تک لوگ ''گلاب کے پھول'' کالر میں ٹانکنے کی بجائے

''لالٹین'' ہاتھوں میں اٹھانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ جو محترمہ فاطمہ جناح کا انتخابی نشان تھا۔

مادرملت کی مختصر سوانح پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ پیدائش کے دو برس بعد آپ کی والدہ مٹھی بائی اور آٹھ سال کی عمر میں والد جناح پونجا انتقال کر گئے فاطمہ جناح نے 1910ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا پھر 1919ء میں ڈینٹل کالج کلکتہ میں داخلہ لیا جہاں سے ڈینٹسٹ کی سند 1924ء میں حاصل کی۔ اور واپس بمبئی آ گئیں۔ کچھ دنوں آپ نے عبدالرحمٰن اسٹریٹ بمبئی میں کلینک چلایا۔ اس دوران آپ کا جذبہ خدمت خلق دیکھنے میں آیا۔ آپ غریبوں کا بلا معاوضہ علاج کرتیں۔ لیکن جب 1929ء میں قائداعظم کی رفیقہ حیات انتقال کر گئیں۔ تو آپ نے کلینک بند کر دیا اور اپنے شفیق بھائی کے گھر کی نگہداشت کا فریضہ سنبھال لیا۔ انھوں نے قائد کے روز و شب کا شیڈول ترتیب دے رکھا تھا۔ عام لوگوں سے ملاقات کھانے، پینے، مطالعہ کرنے اور لکھنے غرضیکہ تمام معمولات ایک طریقہ کار کے مطابق طے پائے۔ کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس کا بیان ہے کہ ''فاطمہ جناح قائداعظم کا دایاں ہاتھ تھیں وہ اپنے بھائی کی دل جوئی کے ساتھ ساتھ انھیں مفید مشورے دیتی تھیں۔'' گھریلو امور کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ وہ قائداعظم کی سیاسی رفیق بھی تھیں۔ 1938ء میں پراونشل مسلم لیگ کی ممبر اور 1939ء کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی مستقل رکن رہیں لیکن انھوں نے خود کو قائداعظم کی خدمت کے لیے وقف رکھا۔ 1947ء میں قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے اپنے عہد کو نہ توڑا اور قائداعظم کے آخری ایام میں جب وہ زیارت میں آرام کر رہے تھے شب و روز تیمارداری کی خود قائداعظم بھی آپ کی محبت خلوص اور ایثار کے معترف تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے کہا تھا کہ فاطمہ میرے لیے روشنی کی کرن اور جدوجہد کی سیاہ راتوں میں شمع امید رہی ہے۔ سردار عبدالرب نشتر نے بھی مادر ملت کو ''آزادی کی مجاہدہ'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

پاکستان کی خواتین میں سیاسی شعور اجاگر کرنے کے لیے آپ نے مسلسل سعی کی اور قوم کا درد محسوس کیا۔ آپ بااصول اور جرأت مند خاتون تھیں۔ جن کا کردار آج بھی مشعل راہ ہے۔ آپ کی زندگی جدوجہد سے عبارت ہے۔ 17 جنوری 1951ء کو کمانڈر

انچیف کا عہدہ سنبھالنے والے جنرل محمد ایوب خان نے جب اکتوبر 1958ء کی ایک شب کو بیرکوں سے نکل کر ایوان اقتدار کا رخ کیا تو مادر ملت نے ان کے اقتدار کو چیلنج کیا لیکن حکمرانوں نے ملک وقوم کے فائدے پر اپنے عارضی اقتدار کو ترجیح دی

قومی سیاست میں محترمہ فاطمہ جناح کے تاریخی کردار کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر 64ء کے صدارتی انتخابات میں غلط انداز سیاست کو نہ اپنایا جاتا اور جو فیصلہ عوام نے کیا تھا اسے قبول کر لیا جاتا تو سقوط ڈھاکہ کا سانحہ کبھی رونما نہ ہوتا۔ یہ اس انتخاب کے ''جھرلو'' نتائج کا ہی کارنامہ تھا کہ شیخ مجیب جیسا نوجوان جو اس وقت مادر ملت کا ورکر بن کر متحدہ پاکستان کے لیے کام کر رہا تھا بعد میں چھ نکات پیش کر کے قومیت کی سیاست کا پرچم بلند کرنے لگا اور ڈھاکہ کے تاریخی ریس کورس گراؤنڈ میں جہاں مادر ملت اور شمع جمہوریت کے نعرے بلند کرانے میں فخر محسوس کرتا تھا بنگلہ بندھو کے لقب سے نوازا گیا۔ حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آج بھی قوم کو مادر ملت جیسی صاحب کردار اور جرأت مند قیادت کی ضرورت ہے جو ملک کو صحیح ڈگر پر لے کر چل سکے۔





اپریل ۱۹۴۸ء قائداعظم محمد علی جناحؒ گورنر جنرل پاکستان اور محترمہ فاطمہ جناح رسالپور ائیرپورٹ پر اتر رہے ہیں

شمع جمہوریت

31 جولائی پاکستان کے جلیل القدر بانی قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ہمشیرہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کا یوم ولادت ہے۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ان کی وفات بھی جولائی کی 9 تاریخ کو ہوئی تھی۔ ان کا نام نامی اور اسم گرامی جب حافظے کی سطح پر ابھرتا یا نوک زبان پر آتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے جمہوری اصولوں کی بلندی کیلئے لگاتار جدوجہد کرنیوالی اس عظیم ہستی کے قدموں میں گزری ہوئی معدودے چند دلنواز ساعتوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور میری آنکھوں کے سامنے تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے مابعد ایام کے عہد آفریں واقعات کا ایک طویل کارواں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ قائداعظم کی ہمشیرہ ہی نہیں تھیں۔ بلکہ ملک و ملت کی عظیم محسنہ بھی تھیں۔ ان کی اپنی ایک الگ شخصیت اور الگ پہچان تھی۔ وہ قائداعظمؒ کی طرح بہ نظر ظاہر دبلی اور نحیف و نزار ضرور تھیں لیکن قدرت نے ان کے عظیم المرتبت بھائی کی طرح انہیں فولادی عزم عطا کیا تھا۔ انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کا قدم قدم پر جس طرح ساتھ دیا تھا یہ اسی کا اعجاز تھا کہ برصغیر کے گلی اور بازاروں میں مردوں کے دوش بدوش خواتین بھی سرگرمی سے حصہ لینے لگی تھیں۔ اس زمانے میں خواتین کے جوش و جذبے کا یہ عالم تھا کہ گلیوں' کوچوں اور بازاروں میں مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم ہاتھوں میں اٹھائے "لے کے رہیں گے پاکستان' دینا پڑے گا پاکستان" "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" کے فلک شگاف نعرے لگا کر تحریک پاکستان کے مقاصد کو تقویت پہنچا رہی تھیں۔ ان کی اس پرعزم جدوجہد کے

باعث وہ وقت بھی آیا جب ان کے جلوسوں پر آنسو گیس کے گولے برسائے گئے' لاٹھی چارج کیا گیا' گولیاں چلائی گئیں اور ان کے مچلتے ہوئے جذبوں کی آگ بجھانے کیلئے انہیں پابند سلاسل بھی کیا گیا۔ لیکن ان تمام سختیوں کے باوجود وہ بلا خوف و خطر راہ حق پر چلتی رہیں۔ کبھی ان جیلوں پر دھاوا بول دیتی تھیں جن میں مسلم لیگی کارکنوں اور لیڈروں کو محبوس کیا گیا تھا اور کہیں سول سیکرٹریٹ کی سنگین عمارت پر مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم لہرانے کا اعزاز حاصل کرتی رہیں۔ غرض یہ وہ ایمان افروز جذبے تھے جو مادر ملت نے مسلم خواتین کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے 80 ہزار مسلمان خواتین کی عصمتوں کی قربانیوں اور دس لاکھ مسلمانوں کی شہادت کے باعث ہمیں آزادی کی گرانقدر نعمت حاصل ہوگئی۔ افسوس قیام پاکستان کے بعد جب قائداعظمؒ اللہ کو پیارے ہوگئے تو ان کی افسوس ناک رحلت کے ساتھ ہی ہماری بدقسمتی کا آغاز ہوگیا اور اس وقت کی برسراقتدار حکومت نے قائداعظمؒ کی علالت کے دوران زیارت کے مقام پر ان کے علاج معالجے کے سلسلے میں جو ناقابل معافی کوتاہیاں کیں' اس نے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے دل پر گہری چوٹ لگائی کیونکہ وہ ایک بہن کی حیثیت کے علاوہ ایک خدمت گار (نرس) کی حیثیت سے بھی اپنے عزیز بھائی کی تیمارداری میں شب روز جاگتی رہتی تھیں اور ڈاکٹروں کے اصرار اور ہدایت کے باوجود ایک پل کیلئے بھی اپنے بھائی سے جدا نہیں ہوتی تھیں۔ انہی دنوں قائداعظمؒ کو جن درد ناک حالات میں کوئٹہ سے کراچی لایا گیا وہ بھی خون کے آنسو رلانے والی داستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بابائے قوم کو جس گاڑی (ایمبولینس) پر نزع کی کیفیت میں کراچی لایا جا رہا تھا وہ گاڑی اس قدر بوسیدہ تھی کہ ائرپورٹ سے روانہ ہونے کے بعد ملیر کے قریب وہ گاڑی خراب ہوگئی۔ قائداعظمؒ کے مبارک چہرے پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ مادر ملت پسینے میں شرابور بے کسی کے عالم میں بے اختیار آنسو بہا رہی تھیں اور وہ قائداعظمؒ کے پسینے سے بھیگے ہوئے چہرے کو سکھانے اور مکھیوں کو اڑانے کیلئے ایک شکستہ سے گتے سے دستی پنکھے کا کام لے رہی تھیں۔ اس ناروا سلوک نے مادر ملت کے زخموں پر نمک چھڑک دیا بعدازاں جب قائداعظمؒ کی پہلی برسی پر ریڈیو پاکستان نے قائداعظمؒ کے بارے میں مادر ملت کی تقریر

ریکارڈ کی تھی۔ انہوں نے قوم کے نام جو پیغام ریکارڈ کرایا تو اس وقت کی حکومت نے اسے سنسر کر دیا اور اس پیغام کے اہم حصے نشر نہ کئے جس پر مادرِ ملت ایک شیرنی کی طرح غم و غصہ سے بھر گئیں۔ جسکے نتیجے میں ان پر خفیہ پولیس اہلکار سائے کی طرح ان کا تعاقب کرتے تھے۔ بالآخر ایک ایسا وقت آیا جبکہ حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا اجلاس ڈھاکہ کے مقام پر خواجہ ناظم الدین مرحوم کی اقامت گاہ پر منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر مادرِ ملت کو فیلڈ مارشل ایوب خان کے مقابلے میں صدارتی امیدوار بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ ناظم الدین مرحوم نے اس فیصلے کی روشنی میں مادرِ ملت کی خدمت میں حاضری دیکر انہیں یہ انتخاب لڑنے پر آمادہ کیا۔ مادرِ ملت کی طرف سے صدارتی انتخاب لڑنے کے اعلان سے حکومت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور حکمرانوں نے فتویٰ فروش علماء سے مادرِ ملت کے خلاف فتوے حاصل کر کے ملک بھر کے اخبارات کے صفحہ اول پر چھپوانے شروع کر دیئے جن میں پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا کہ اسلام کی رو سے عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی اور اسکے ساتھ ہی ذرائع ابلاغ کے ذریعے عورت کے سیاست میں حصہ لینے کے خلاف رائے عامہ کو ورغلانے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ انہی دنوں فیلڈ مارشل ایوب خان نے مغربی پاکستان کے گورنر کالاباغ سے کہا کہ وہ لاہور کی رائے عامہ کو ان کے حق میں ہموار کرنے کیلئے موچی دروازے میں کنونشن مسلم لیگ کا جلسہ منعقد کرنے کا اہتمام کریں جس میں مادرِ ملت کے انتخاب میں حصہ لینے کی مخالفت کی جائے اور میری (ایوب خان) کی حمایت میں تقاریر کرائی جائیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کنونشن مسلم لیگ کی سیاست ڈرائنگ روموں تک محدود ہوکر رہ گئی تھی اور اسکے لیڈر جلسہ عام منعقد کرنے کی بابت سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ یہ ریکارڈ کی بات ہے کہ یہ مجوزہ جلسہ منعقد کرنے کیلئے لاہور کے بدنام غنڈوں کے علاوہ مقامی پولیس کی بھی خدمات حاصل کی گئیں۔ جلسے سے ایک روز قبل کنونشن مسلم لیگ کے ضعیف العمر چیف آرگنائزر چودھری خلیق الزماں جب اس جلسے میں شرکت کیلئے لاہور کے ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو انہوں نے ریلوے اسٹیشن کے باہر ایک آراستہ گھوڑے پر چودھری خلیق الزماں کو "دولہا" بنا کر بٹھا دیا اور اس موقع پر بینڈ باجے والوں نے ایک مشہور فلمی

گانے کی دھن بجانی شروع کردی'' وے میرا گھوڑی چڑھیا۔''

تفنن طرف جب اگلے روز مجوزہ جلسہ شروع ہونے لگا تو اس جلسے میں راقم سمیت حزب اختلاف کے متعدد کارکن بھی موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جس جگہ جلسہ گاہ کے آخری حصے میں یہ خاکسار (خواجہ افتخار) کھڑا تھا وہاں اچھا پہلوان شوکر والا اور بھولا پہلوان چکی والا نے ہمارے پاس آکر ہمیں جلسہ گاہ سے اپنے اپنے گھر چلے جانے کیلئے کہا۔ ہم نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس وقت کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس (کوتوال شہر) شیخ ابرار احمد میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ خواجہ صاحب آپ مہربانی کرکے جلسہ گاہ سے نکل جائیں کیونکہ جلسہ کے منتظمین کو شبہ ہے کہ آپ جلسے میں گڑبڑ کرنے کیلئے آئے ہیں۔ میں نے شیخ ابرار احمد سے کہا کہ آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں اس قسم کی حرکات کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ لہٰذا میں کسی قیمت پر جلسہ سنے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ شیخ صاحب نے میرے اس حتمی جواب میں ایک ٹھنڈی سانس بھری اور جلسے کے انتظامات کو پرامن رکھنے کی تگ و دو میں مصروف ہوگئے۔

تھوڑی دیر کے بعد تلاوت کلام پاک کے بعد پرانے مسلم لیگی لیڈر منظر عالم تقریر کرنے کیلئے مائیک پر آئے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے ابتدائی حصے میں ہی مادر ملت کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کئے جس پر جلسہ گاہ میں موجود زندہ دلان لاہور نے مادر ملت کے محبت میں سرشار ہوکر جلسے کو درہم برہم کردیا۔ دریں اثناء سٹیج سے اعلان کیا گیا کہ خواجہ افتخار کو یہاں سے زندہ نہ جانے دیا جائے۔ میں نے جب یہ اعلان سنا تو جلسہ گاہ سے اپنی جان بچانے کے خیال سے نکلنے لگا۔ اس اثناء میں دو تین نیشنل گارڈ کے رضاکار میرے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے مجھے گریبان سے پکڑ لیا۔ میں نے چشم زدن میں ان رضاکاروں کے چہروں پر یکے بعد دیگرے زوردار گھونسے رسید کئے جس سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑے اور میں وہاں سے بھاگ اٹھا۔ بھاگتے بھاگتے مڑکر دیکھتا ہوں تو کنونشن لیگی غنڈے ہاتھوں میں پستول اور ڈنڈے لئے دوڑے چلے آرہے تھے۔ میں نے جلسہ گاہ کے قریب بہنے والے گندے نالے کو چھلانگ لگا کر عبور کیا اور گوالوں کے ایک خستہ کوارٹر میں داخل

ہو کر اس کوارٹر کے صدر دروازے کی اندر سے کنڈی لگا اس کنڈی میں اپنی شہادت کی انگلی پھنسا دی۔ دریں اثناء کنونشن لیگی غنڈے اس کوارٹر کے باہر پہنچ چکے تھے اور اسکے صدر دروازے کو دھکے مار مار کر توڑنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس دوران مجھے حزب اختلاف کے معروف لیڈر خواجہ محمد رفیق (شہید) اور میرے ذاتی دوست شجاعت علی عباسی کی جانی پہچانی آوازیں سنائی دیں۔ وہ غنڈوں سے کہہ رہے تھے کہ تمہارے نمبر بن گئے ہیں اب خواجہ افتخار کا تعاقب چھوڑ دو اور حکومتی پارٹی سے جا کر اپنا حق نمک وصول کرو۔

یہ تکرار جاری تھی کہ میں نے اس کوارٹر کے صحن میں موجود گوالن کو خدا کا واسطہ دیکر کہا کہ آپ چولہے کے قریب پڑے ہوئے چمٹے کو اٹھا کر دروازے کی کنڈی میں ڈال دو تا کہ میری انگلی کی ہڈی ٹوٹنے سے بچ جائے۔ چنانچہ اس گوالن کو مجھ پر ترس آ گیا اور اس نے دروازے کی کنڈی میں چمٹا ڈال دیا اور میں فوری طور پر اس کوارٹر کے عقبی راستے سے کراؤن بس کے اڈے کی طرف بھاگنے لگا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کنونشن لیگی غنڈے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور ڈنڈے پکڑے میرے پیچھے بھاگتے نظر آئے۔ میں نے کراؤن بس کے اڈے میں کھڑے ایک تانگے میں چھلانگ لگا کر کوچوان کی خوشامد کی اور اسے بھاری انعام دینے کا وعدہ بھی کیا اور کہا کہ وہ جلدی سے اپنے تانگے کو برانڈرتھ روڈ کی طرف بھگائے۔ چنانچہ اس تانگے میں بیٹھ کر جب میں نسبت روڈ پہنچا تو میرے گھر کے باہر حزب اختلاف کے سینکڑوں مقامی میری مردہ لاش کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو وہاں کی کیفیت دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان غنڈوں کے ہاتھوں سے میرا بچ نکلنا محال ہے لیکن بقول شخصے

"جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے!"

اس سے اگلے روز حکومتی غنڈوں کی اس غنڈہ گردی کے خلاف روز نامہ نوائے وقت اور روز نامہ کوہستان نے زبردست احتجاجی خبریں شائع کیں اور ادارتی نوٹ بھی لکھے جن میں حکومتی غنڈوں کو مذمت کی گئی تھی۔ اس جلسہ کی ناکامی نے جہاں نواب کالا باغ کی مونچھ نیچی کر دی وہاں ان کے دل میں مادر ملت اور حزب اختلاف کے کارکنوں کے خلاف

انتقامی جذبات بھڑک اٹھے اور انہوں نے مقامی پولیس کے ذریعے حزب اختلاف کے کارکنوں کو ڈرانے دھمکانے کی کاروائیاں شروع کر دیں۔ ابھی مشکل سے چند روز ہی گزرے تھے کہ برسراقتدار طبقہ نے اس جلسہ کی ناکامی کی خفت مٹانے کیلئے موچی دروازہ کے باغ میں ہی فیلڈ مارشل ایوب خان کی صدارت میں جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس جلسے میں بھی راقم موجود تھا جلسے میں تلاوت کلام پاک کے بعد سٹیج سے اعلان کیا گیا کہ اب شعلہ نوا خطیب آغا شورش کاشمیری اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ اس اعلان کے بعد آغا شورش کاشمیری مائیک پر آئے اور انہوں نے اپنی تقریر کے ابتدائی کلمات (حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی آخری آرام گاہ کے پڑوسیو) کہے تھے کہ جلسہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ لوگوں نے شورش کاشمیری کو تمام عمر حزب اختلاف کے جلسوں میں تقریر کا جادو جگاتے دیکھا تھا لیکن مادر ملت کے خلاف منعقد ہونیوالے جلسہ میں لوگوں نے شورش کی تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ آغا شورش کاشمیری نے جلسہ گاہ میں پیدا ہونیوالے شوروغل اور ہنگامے کو ختم کرنے کیلئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے لیکن ان کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں اور لوگوں نے بلند آواز میں نعرے لگائے کہ ”بیٹھ جاؤ ہم تمہاری تقریر نہیں سنیں گے“ شورش کاشمیری کی حالت دیدنی تھی۔ انہوں نے موچی دروازے کے باغ میں سینکڑوں جلسوں میں زندہ باد کے نعرے سنے تھے اور آج اسی باغ کے درودیوار ان کے خلاف بلند ہونیوالے نعروں سے گونج رہے تھے۔

فیلڈ مارشل ایوب خان نے جب یہ صورتحال دیکھی تو وہ غضب ناک انداز میں اپنی کرسی سے اٹھے اور آغا شورش کاشمیری کو بازو سے پکڑ کر (گھسیٹنے کے انداز میں) میں ان کی کرسی پر بٹھا دیا۔ اس جلسے کے بعد شورش کاشمیری نے شادی بیاہ کی تقریبات اور کافی ہاؤس وغیرہ میں آنا جانا بند کر دیا۔ انہی دنوں ایک روز میں ان سے ملاقات کیلئے دفتر ”چٹان“ گیا تو وہ نہایت افسردہ بیٹھے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ ہونیوالے لوگوں کے سلوک پر افسوس کا اظہار کیا تو کہنے لگے ”خواجہ افتخار میرے ساتھ جو کچھ ہوا' اگر میرا جوان بیٹا بھی حادثے میں مارا جاتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس جلسے سے خطاب میں ناکامی

کے نتیجے میں مجھے اٹھانا پڑا'' اب اس موقع پر انہوں نے انکشاف کیا کہ فیلڈ مارشل ایوب خان کے وزیر قانون شیخ خورشید احمد نے نہ جانے مجھ سے کون سے جنم کا بدلہ لیا ہے۔ وہ مجھے اپنی دیرینہ دوستی کے حوالے اور واسطے دیکر اس جلسے میں لے گیا۔ یہ زندہ دلان لاہور کا مجھ پر ایک طرح کا احسان ہے کہ انہوں نے مجھے راہ حق سے بھٹکنے سے بچالیا۔ یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے اپنا شعر بھی سنایا جو حسب حال تھا۔

میں بھی چلا تھا باد مخالف کے روبرو،
زندہ دلان شہر نے مجھ کو بچالیا

آغا شورش کاشمیری نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب ''موت سے واپسی'' کے صفحات میں کرتے ہوئے کہا تھا ''شیخ خورشید احمد وفاقی وزیر قانون میرے ذاتی دوست تھے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ایوب خان کے انتخابی جلسے میں لے گئے۔ لیکن مجھے اس جلسے میں حاضری کا اتنا ملال تھا کہ مدتوں میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہا۔ تاہم میں مطمئن تھا کہ اسکے پس منظر میں کوئی آلودگی نہ تھی ۔ یہ چوٹ دوستی میں سہی تھی جو میری زندگی کی پہلی اور آخری تھی''

شیخ خورشید احمد نے آغا شورش کاشمیری کو جمہوریت کی ٹرین کو پٹڑی سے اتارنے کے بعد اپنی وزارت اور صدارتی انتخاب کے عرصہ کے دوراں ایک اور دلچسپ اور ''سبق آموز واردات'' کی جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ایک روز فیلڈ مارشل ایوب خان نے اپنی انتخابی مہم کے نگران اعلیٰ شیخ خورشید احمد کو قصر صدارت میں طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ آج ہی مادر ملت کے خلاف ایک زوردار بیان تیار کرکے اپنی طرف سے اخبارات کو جاری کر دیں نیز ملک کے نامور علمائے کرام سے ایسے فتوے حاصل کئے جائیں جن کے ذریعے یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام میں عورت کے سربراہ مملکت بننے کا کوئی تصور موجود نہیں وغیرہ!

ایک مصدقہ اطلاع کے مطابق شیخ خورشید احمد نے صدر ایوب کے حکم کی تعمیل میں مرکزی وزارت اور اطلاعات کے سیکرٹری مسٹر الطاف گوہر کے تعاون سے اسی روز مادر ملت

کے خلاف بیان تیار کرلیا اور اسکے ساتھ نامور علمائے کرام کے فتوے بھی حاصل کرلئے۔تھوڑی دیر کے بعد شیخ خورشید احمد متعلقہ کاغذات کی فائل بغل میں دبا کر صدر مملکت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایوب خان مرحوم کو مادرملت کے خلاف تیار کردہ بیان پڑھ کر سنایا جس پر صدر مملکت ازحد خوش ہوئے اور انہوں نے مختصر سے وقت میں اتنا عمدہ بیان تیار کرنے پر شیخ خورشید احمد کو شاباش دی ۔ یہ ملاقات جاری تھی کہ اس اثناء میں شیخ خورشید احمد نے ایک زیرک سیاستدان اور قانون دانی کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے صدر ایوب سے کہا کہ حضور والا...... یہ ناچیز تو آپ کے حکم کا غلام ہے۔آپ نے جیسا فرمایا تھا میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اپنا بیان تیار کرلیا ہے لیکن مرے ذہن میں ایک تجویز ابھری ہے ۔ اگر آپ اتفاق فرمائیں تو یہ بیان میرے نام سے جاری ہونے کے برعکس مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات خان عبدالوحید خان کے نام سے جاری کردیا جائے کیونکہ اگر یہ بیان میری طرف سے جاری کیا گیا تو ہمیں اخبارات کو اس قسم کی ''پریس ایڈوائس'' جاری کرنی پڑے گی کہ اس بیان کو خصوصی اہمیت دی جائے اور اسے صفحہ اول پر نمایاں طور پر شائع کیا جائے جس سے ایک تو یہ نقصان ہوگا کہ حزب اختلاف کے لیڈر حکومت کی جاری کردہ ''پریس ایڈوائس'' کو ہدف تنقید بنائیں گے دوسرے میری اس تجویز پر عمل کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات کا بیان بغیر کسی '' پریس ایڈوائس'' کے جہاں اخبارات کے صفحہ اول کی زینت بن جائے گا وہاں دوسرے ذرائع ابلاغ اسے ازخود خصوصی اہمیت دیں گے۔''

شیخ خورشید احمد کا تیر نشانے پر بیٹھا اور ایوب خان نے شیخ صاحب کی اس تجویز سے اتفاق کرلیا اور وہ بیان عبدالوحید خان کے نام سے جاری کردیا گیا۔ اس بیان میں مادرملت کی شان میں بعض ایسے گستاخانہ الفاظ شامل تھے جن کو پڑھ کر ایک طرف حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے تو دوسری طرف عبدالوحید خان کو پورے ملک میں عوام کی اکثریت حقارت بھری نظروں سے گھورنے لگی۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ شیخ خورشید احمد نے اپنی لاجواب ذہانت سے کام لے کر جہاں اس مصیبت سے اپنی جان چھڑالی تھی وہاں انہوں نے ایک داؤ میں

اپنے سیاسی حریف عبدالوحید خان کو بھی چاروں شانے چت گرادیا تھا۔ یاد رہے کہ عبدالوحید خان کا شمار نواب کالاباغ کے معتمدترین وزیروں میں ہوتا تھا اور شیخ صاحب کو نواب کالاباغ فیلڈ مارشل ایوب خان کا بندہ سمجھتے تھے ۔ علاوہ ازیں دونوں وزیروں کی باہمی رنجش اور چپقلش ان دنوں کوئی سربستہ راز نہیں تھی۔ چنانچہ عبدالوحید خان کے نام سے جس روز مادر ملت کے خلاف بیان جاری ہوا وہ بے چارہ اسی روز لاہور کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ اس نے ریڈیو اور ٹیلیویژن پر جب اپنے بیان کی صدائے بازگشت سنی تو وہ اپنی منصبی مصلحتوں اور ایوب خان کی ناراضگی کے پیش نظر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا اور اسے اس نامناسب بیان سے لاتعلقی کا اظہار کرنے کی جرأت نہ ہوسکی اور اپنی بزدلی کے باعث وطن عزیز کے سیاسی منظر اور عوام کی نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اوجھل ہوگیا۔

عبدالوحید خان کی قابل رحم حالت کا اندازہ اس وضاحت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے وزارت کی کرسی سے اترنے کے کافی عرصہ بعد جاری کیا تھا۔ ان کے وضاحتی بیان کی سرسری سی جھلک قارئین کی دلچسپی کیلئے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

''میں نے صبح کے اخبارات میں اپنا بیان پڑھا تو بھونچکا سا رہ گیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ استعفے دے دینا چاہیے۔ نواب کالاباغ میرے دوست تھے۔ ان کی رائے ان معاملات میں بڑی صائب ہوتی تھی ۔ میں نے کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے ان سے مشورہ ضروری سمجھا۔ وہ اس وقت کالاباغ میں تھے۔ ان کو ٹیلیفون پر سارا قصہ کہہ سنایا اور اپنے فیصلے سے انہیں آگاہ کیا۔ نواب صاحب کہنے لگے ''تم مستعفی ہوجاؤ لیکن سوچ لو تمہیں فائدے کی بجائے نقصان ہی پہنچے گا' مجھے خدشہ ہے کہ تمہارا استعفیٰ اخبارات میں برطرفی کی ''خبر'' بن کر چھپے گا اور حکومت کی طرف سے کہہ دیا جائے گا کہ وحید خان کو مادرملت کیخلاف اتنا سخت بیان جاری کرنے کی پاداش میں برطرف کردیا گیا ہے۔ اس سے تم کہیں کہ نہ رہو گے اور حکومت سرخرو ہوجائے گی!''

عبدالوحید خان کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ انہی دنوں موچی دروازے کے باغ میں حزب اختلاف کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں حبیب جالب نے ''وحید خان'' اور مادر ملت کے زیرعنوان ایک خوبصورت نظم پڑھی جس پر حبیب جالب کو خوب داد ملی۔

مس فاطمہ جناح کی باتیں بھی ہیں غلط
منطق ملاحظہ ہو یہ عبدالوحید کی
اس بے ادب نے مادرِ ملت کی شان میں
گستاخ ہو کے اپنی ہی مٹی پلید کی
حق بات پر یہ داد جو دیتا تو کس طرح
اس نے ضمیر بیچ کے کرسی خرید کی
یہ جو وحید خان ہے تنہا وطن پرست
لعنت بہت بڑی ہے یہ دورِ جدید کی

یہ تھی ایوب خان کے صدارتی محل کی اندرونی سازشوں اور گٹھ جوڑ کی داستان جسکے کردار یکے بعد دیگرے اپنے اپنے انجام کو پہنچ گئے اور مادرِ ملت کو خداوند کریم نے جو عزت عطا کی تھی وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں بس رہی ہے۔ لیکن ایوب خان کی ملک بھر میں برسی منانے والا تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملتا۔ میرے نزدیک ایوب خان نے مادرِ ملت کے لاف انتخاب لڑ کر اپنے چہرے پر ایک ایسی کالک لگائی جس کو سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھو سکتا۔ اس صدارتی الیکشن میں جس طرح ووٹ کا تقدس پامال ہوا۔ دھن، دھونس، دھاندلی کے ذریعے شکست کو فتح میں بدلنے کے ہتھکنڈوں سے جس طرح کام لیا گیا اسکی بدولت وطن عزیز کے دولخت ہونے کی بنیاد پڑی۔ علاوہ ازیں اگر بالغ رائے دہی کے اصولوں کے تحت صدارتی انتخاب ہوتا تو مادرِ ملت کی فتح یقینی تھی۔ اس زمانے میں بی ڈی ممبروں نے ضمیر فروشی کے ریکارڈ توڑ دیئے۔ کاش ایوب خان مادرِ ملت کے مقابلے میں دستبردار ہو جاتا تو نہ صرف قوم کی نظروں میں اسکی توقیر بڑھ جاتی بلکہ اسکا نام تاریخ کے صفحات میں زریں باب کی زینت بنتا!

افسوس......صد افسوس...... مادرِ ملت ہمیں اس وقت داغِ مفارقت دے گئیں جب قوم کو ان کی بے لوث رہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں



۱۴ اگست لیڈی ایڈوینا لارڈ ماؤنٹ بیٹن، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح
ایک تاریخ ساز شخصیت

9 جولائی 1967ء مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا یوم وفات ہے۔ جبکہ آپ 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں اور اسی شہر میں پیوند خاک ہوئیں۔

آپ قائداعظم محمد علی جناح کی سب سے چھوٹی بہن تھیں۔ ان کے علاوہ تین بہنیں رحمت بائی، مریم بائی اور شیریں بائی تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کی عمر 2 برس کی تھی کہ والدہ ماجدہ اس جہان رنگ وبو کر چھوڑ کر قدرت کی وسیع آغوش میں چلی گئیں۔ اس وقت قائداعظم محمد علی جناح لندن میں زیر تعلیم تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح کا کردار اور شخصیت کی تشکیل وتکمیل کا سارا کریڈٹ قائداعظم کو جاتا ہے جنہوں نے اپنی چھوٹی بہن کی تعلیم وتربیت کو خاص اہمیت دی اور وہ ڈینٹل ڈاکٹر بن گئیں۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور وہ اس طبی پیشہ کو مستقلاً اختیار نہ کرسکیں اور اپنی زندگی کو بڑے بھائی کی خدمت کیلئے وقف کردیا۔ یہ درست ہے کہ 1923ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی انہیں ایک ڈینٹل کلینک کھول دیا تھا مگر 1929ء میں جب قائداعظمؒ کی اہلیہ رتی بائی کا انتقال ہوا تو محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی کا گھر سنبھال لیا جو اس وقت تک ہندوستان کے صف اول کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگے تھے اور صداقت یہ ہے کہ وہ زمانہ ہندوستانی سیاسیات کا پرآشوب دور تھا۔ ہندوستان اور برطانیہ

کے سیاسی امور و معاملات ایک کروٹ لے رہے تھے اور لندن میں گول میز کانفرنس کا اجرء ہو رہا تھا اور ہندوستان میں بسنے والی اقوام کے آئینی و سیاسی مسائل پر غور وفکر ہو رہا تھا۔ کانگریس کا نقطہ نظر متحدہ قومیت کے حوالہ سے ''جارحانہ'' تھا۔ وہ نہ تو مسلمانوں کے الگ تشخص کو قبول کر رہی تھی اور نہ ہی سکھوں اور شودروں کی علیحدہ قومیت و حیثیت کو......
قائداعظم محمد جناح نے پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی تھی جبکہ علامہ اقبالؒ دوسری اور تیسری کانفرنس میں شرکت ہوئے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے ان حالات میں قائداعظمؒ کے گھر کو سنبھالا۔ ایک طرف بھائی کی دیکھ بھال کا فریضہ اور دوسری جانب ان کی سیاسی رفیق بھی بن گئیں اور یوں انہوں نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا۔ 1930ء سے لے کر 1947ء تک کا یہ طویل سفر بے حد اہم ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کا یہ سفر اکٹھا ہے کیونکہ اس مدت میں دونوں بہن بھائی اکٹھے رہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ محترمہ فاطمہ جناح اور قائداعظم کی یہ مشترکہ جدوجہد تھی تو غلط نہ ہوگا۔

اس عرصہ میں محترمہ فاطمہ جناح نے برصغیر کی مسلم خواتین کو سیاسی شعور بخشا اور انہیں میدان عمل میں لائیں جیسا کہ کانگریس کی خواتین کام کر رہی تھیں۔ اس وقت کانگریس میں مسز اینی بنٹ' مسز سروجنی نائیڈو' مسز وجے لکشمی پنڈت اور مسز درگا داس کے علاوہ مسز ارونا آصف علی اور مسز دولا سارا بائی کے ساتھ مسز اندرا گاندھی بھی سرگرم عمل تھیں۔

مسلمان خواتین میں بیگم مولانا محمد علی جوہر' بیگم جہاں آراء شاہنواز' بیگم اعزاز رسول' بیگم شائستہ اکرام اللہ' بیگم عبداللہ ہارون مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر کام کر رہی تھیں۔ ان کی سرخیل محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔ یاد رہے کہ جس صوبہ یا شہر میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوتا وہاں پر خواتین کا اجتماع بھی منعقد ہوتا تھا جسکی صدارت محترمہ فاطمہ جناح کرتیں اور خواتین میں جذبہ آزادی کو بیدار کرتیں' انہیں منظم اور متحد رکھتیں۔

1947ء میں قیام پاکستان سے قبل مسلم خواتین ایک مضبوط طاقت بن چکی تھیں اور جب 1946ء میں سلم لیگ کے فیصلے کے مطابق ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک چلی تو خواتین نے تاریخی اور شاندار کردار ادا کیا اور یہ جوش و جذبہ اس تحریک کا اثر تھا جو محترمہ

فاطمہ جناح نے خواتین میں پیدا کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان میں خواتین کی قربانیوں اور خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی آوازِ حق پرست پر لبیک کہا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد محترمہ فاطمہ جناح نے 11 ستمبر 1948ء تک قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ قیام اور کام کیا۔ اس وقت قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے گورنر جنرل تھے اور ان کے فرائض میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اسی دوران ان کی صحت متاثر ہوئی تھی چنانچہ اپنے بھائی اور قوم کے محسن کی علالت کے ایام میں محترمہ فاطمہ جناح نے جو خدمت کی وہ ناقابل فراموش ہے۔ وہ ان کے ساتھ ہر لمحہ رہیں' سرکاری دوروں میں بھی اور علالت کے دنوں میں بھی......

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے محترمہ فاطمہ جناح کے ان ایام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے جذبہ محبت و اخوت کا مظہر ہے۔ وہ آخری وقت تک بھائی کی صحت یابی کیلئے سرگرداں رہیں مگر مشیت ایزدی کے آگے انسان بے بس و لاچار ہے اور ہر ذی نفس نے اپنے اپنے وقت پر اس دنیا سے اٹھ جانا ہے۔ 11 ستمبر کو قائداعظمؒ قوم کو داغ مفارقت دے گئے مگر جو غم اور دکھ بہن کو ہوا اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اب وہ تنہا تھیں۔

11 ستمبر 1948ء کے بعد محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی کا ایک اہم دور شروع ہوتا ہے۔ یہ دور غیروں سے نہیں بلکہ ''اپنوں'' سے نبرد آزمائی کا دور تھا۔ اس بدبخت دور میں ان کی ڈاک سنسر کی جانے لگی' ان کی تقریر کے دوران ریڈیو پاکستان میں خلل پیدا کیا گیا' ان کی قیام گاہ ''فلیگ سٹاف ہاؤس'' کے اردگرد ''کارخاص'' کے لوگ لگا دیئے گئے۔ ''ڈان'' کو ''ہیرلڈ'' بنا کر تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی اور مسلم لیگ کی روح کو پامال کر دیا گیا۔

جب قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس خالق دینا ہال میں منعقد ہوا جہاں پر محترمہ فاطمہ جناح کو مسلم لیگ کا صدر بنانے کی تجویز سامنے آئی تو حکومتی حلقوں نے اسے ناکام بنا دیا اور سچ یہ ہے کہ یہاں ہی سے پاکستان کی جمہوری تاریخ پر پہلا حملہ ہوا اور مسلم لیگ' حکومت کی باندی بن کر رہ گئی۔

محترمہ فاطمہ جناح نے ان حالات کو بنظر عمیق دیکھا..... آپ ہر سال قوم کو خطاب کرتیں اور انہیں سیاسی صورت حالات سے آگاہ کرتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنا فرض بڑی جرأت اور دیانتداری سے ادا کر رہی تھیں۔ 1948ء سے 1956ء تک ملک آئین سے محروم تھا۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں اللہ کو پیارے ہو گئے' خواجہ ناظم الدین کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا تھا' مسلم لیگ کے صف اول کے رہنما ''اجنبی'' بن کر رہ گئے تھے اور بیورو کریسی کی سیاست نے ملک کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ 1958ء میں مارشل لاء آگیا جو پورے 10 برس جاری رہا۔ اسی دوران 1964ء میں صدارتی انتخاب ہوا جس میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے فیلڈ مارشل ایوب خان کا مقابلہ کیا جنہیں الیکشن کمیشن نے کامیاب قرار دیا۔ یہ انتخاب بی ڈی سسٹم کے تحت ہوئے تھے۔ یہ وہ منحوس اور بدترین نظام ہیاست تھا جس نے پاکستان میں ''بونے سیاستدان'' پیدا کئے جو سیاسی شعور سے نابلد بھی تھے اور ضمیر فروش بھی اور یہیں سے ''سیاست برائے تجارت'' کا آغاز ہوا جو طالع آزماء سیاستدانوں کے باعث ''شیطان کی آنت'' کی مانند بڑھتا ہی چلا گیا تھا اور جسکی موجودہ شکل ''لوٹا کریسی'' ہے محترمہ فاطمہ جناح نے اسی نظام سیاست کے خلاف عملی آواز بلند کی تھی اور ''بونے سیاستدانوں'' کے سرپرست ایوب خاں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ 1964ء تک محترمہ فاطمہ جناح نے عملی سیاست میں حصہ نہ لیا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے کسی بھی دور میں خود کو حالات اور سیاست پاکستان سے علیحدہ نہیں رکھا تو درست ہوگا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ وہ ''پیشہ ور لیڈروں'' کی مانند یا جلب زر کے رسیا لیڈروں کی مانند میدان عمل نہیں رہیں۔ 1950ء میں مشرقی پاکستان میں انتخابات کے وقت آپ وہاں گئیں اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کیلئے مصروف جہد رہیں اور کشمیر کے مسئلہ پر متحرک رہیں۔ آزاد کشمیر کے دورے پر گئیں اور ان کا رابطہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھیوں خواجہ ناظم الدین' سردار عبدالرب نشتر' مسٹر آئی آئی چندریگر اور میاں ممتاز دولتانہ سے رہا۔

مسٹر کے ایچ خورشید کی اہلیہ محترمہ ثریا خورشید لکھتی ہیں کہ جب وہ محترمہ فاطمہ

جناح کے ساتھ فلیگ سٹاف ہاؤس میں رہتی تھیں تو مسلم لیگ کے صف اول کے رہنما مادرملت کے پاس رہنمائی حاصل کرنے کیلئے تشریف لاتے تھے، لہذا یہ کہنا کہ وہ اس عرصہ میں گوشہ نشین تھیں درست نہیں ہے۔ انہوں نے ملکی اور قومی معاملات سے کبھی خود کو علیحدہ نہیں کیا ۔ کا ثبوت ان کی تقاریر بیانات اور خطبات ہیں۔

صدر مملکت ایوب خان کا مقابلہ تو ایک طرف رہا' ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اعزاز قائداعظم محمد علی جناح کے بعد آج تک پاکستان کے کسی لیڈر کو نصیب نہیں ہوا کہ ملک کے دونوں حصوں (1964ء) کے صف اول کے لیڈر محترمہ فاطمہ جناح کی ذات گرامی قدر پر متفق ہو چکے تھے۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کے علاوہ ملک کے صف اول کے رہنما مثلاً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' چودھری محمد علی' خان عبدالولی خان' نوابزادہ نصر اللہ خان' عبدالصمد اچکزئی اور مولانا مظہر علی اظہر وغیرہ ان کی تائید اور حمایت کرر ہے تھے۔ ابتداء میں مولانا عبدالحمید بھاشانی نے بھی وعدہ کیا تھا مگر ''ممکنات کی دنیا'' انہیں لے ڈوبی اور وہ ''سرکاری تحویل'' میں چلے گئے۔ اسی لئے ہم نے محترمہ فاطمہ جناح کو تاریخ شخصیت کہا ہے کیونکہ انہوں نے پاکستان کی نئی تاریخ کا باب رقم کیا۔ اگر محترمہ فاطمہ جناح انتخاب میں حصہ نہ لیتیں تو وہ صدارتی انتخاب ایسا ہی ہوتا جیسا دوسرے فوجی سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے ریفرنڈم کرایا تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے بحالی جمہوریت کیلئے نعرہ حق بلند کیا اور پیرانہ سالی میں میدان عمل میں اتریں اور اس طعنہ کو آئندہ کے مورخ کے قلم کو یہ لکھنے سے روک دیا کہ جب پاکستان میں آمریت پھل پھول رہی تھی تو اس وقت مادرملت محترمہ فاطمہ جناح جو حیات تھیں تو انہوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ مگر ایسا نہ ہوسکا اور مورخ یہ لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ ایک آمر مطلق کا مقابلہ مادرملت نے کیا اور جمہوری اصول اور جذبہ کو زندہ کردیا۔ قوم کو جرأت دلاکر آمریت کے خلاف جہاد کا درس دیا جو قوم نے ایک دوسری آزمائش میں پورا کردکھایا اور اس اصول کو جمہوری اصول کو زندہ کردیا جسکی بناء پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔

آج مادرملت محترمہ فاطمہ جناح ہمارے درمیاں نہیں رہیں مگر ان کی جلائی ہوئی

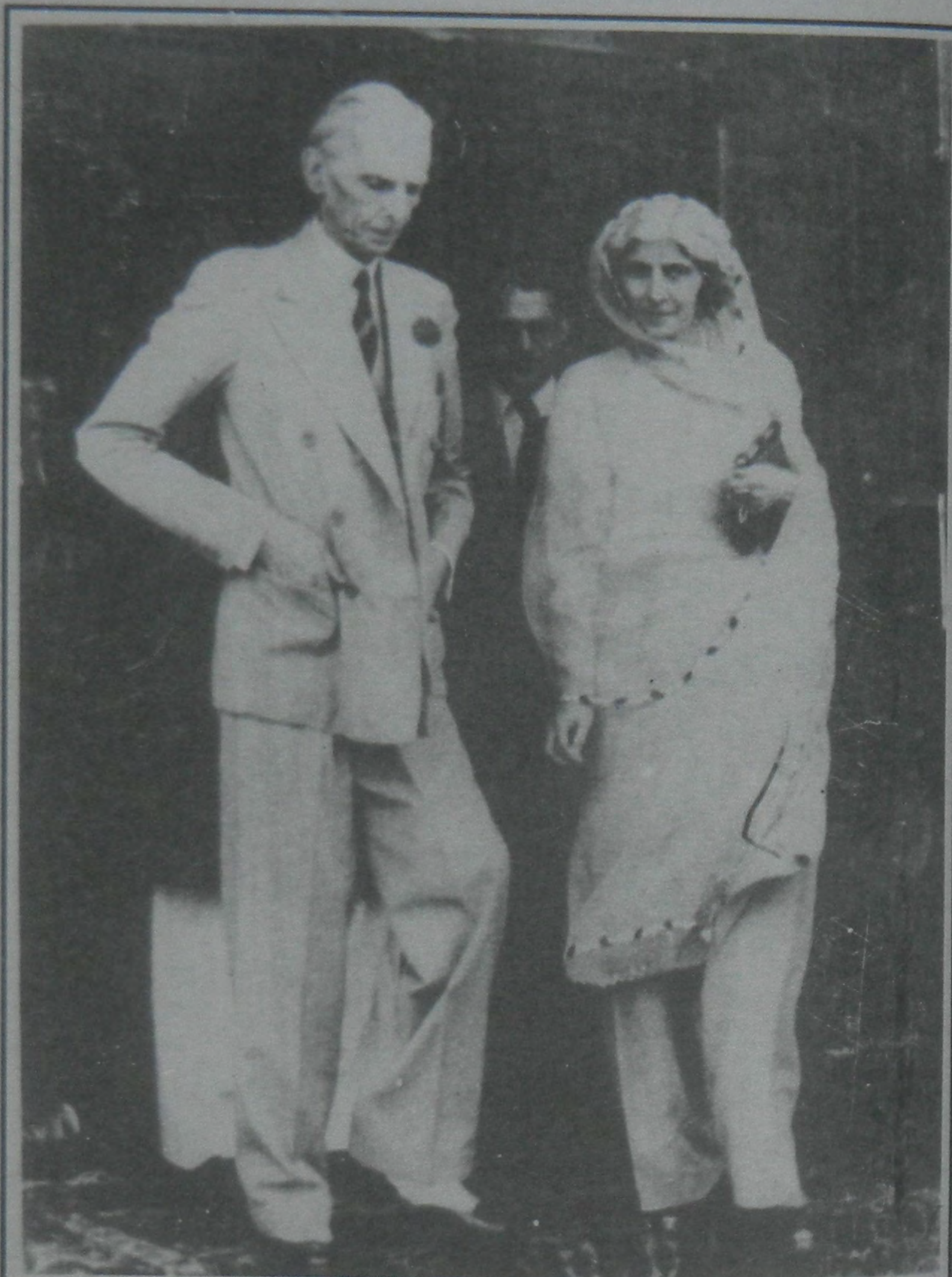
شمع جمہوریت فروزاں ہے قوموں کی زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں اور قومیں تندوتیز طوفانوں کا مقابلہ کرتی ہیں۔ آج ہم اسی دور میں گزر رہے ہیں اور امید ہیں کہ پاکستان اپنے محبِ وطن عناصر کے خلوص او ر جذبہ سے ناساعد حالات پر قابو پالے گا اور شمع جمہوریت کو نہ صرف تندوتیز ہواؤں سے بچائے گا بلکہ اسکی لوکو تیز سے تیز تر کردے گا اور ہر نشیب کو فراز اور ہر فراز کو پرعظمت و پرشوکت بنادے گا۔ کیونکہ اس ملک میں حب الوطنی کی خوشبو ابھی زندہ ہی نہیں تربھی ہے جو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ کہتی ہے۔

پاکستان پائندہ باد

قائداعظم زندہ باد

فاطمہ جناح زندہ باد

(کلیم اختر نوائے وقت 9 جولائی 1995ء)



بہن بھائی محترمہ فاطمہ جناح اور قائداعظم محمد علی جناح"

محترمہ فاطمہ جناح قائد کی نظر میں

حق و صداقت کی آواز

تاریخ کے اوراق کہنہ کہتے ہیں کہ جن قوموں نے اپنے محسنین اور مصلحین کے افکار و تعلیمات کو حرز جاں بنائے رکھا وہ ہمیشہ ہر میدان میں سرخرو رہیں اور جو اقوام اپنے نجات دہندوں' خدمت گزاروں اور غم خواروں کے ایثار و اقدامات کو فراموش کر بیٹھیں ان میں عظیم انسان پیدا ہونے بند ہو گئے' جنانچہ وہ یا تو محکوم بنالی گئیں یا گداگروں کی سی زندگی بسر کرنے لگیں تاریخ کے اس سبق کو پیش نظر رکھ کر اگر ہم اپنے موجودہ ماحول و مقام کا سطحی نظر سے بھی جائزہ لیں تو ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں کیونکہ تشکیل پاکستان سے پیشتر کہاں تو مخلص' بے لوث' بااصول' ایثار پیشہ اور صادق و شریف افراد کی ایک طویل قطار دکھائی دیتی ہے اور کہاں گذشتہ برسوں میں ایسا شخص خال خال دکھائی دیتا ہے جو جاہ و ثروت اور مال و دولت کے حصول میں ہمہ تن مصروف نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قوم سے کوئی ایسی نادر روز گار شخصیت ابھر کر سامنے نہیں آ رہی جسے کردار و گفتار کے اعتبار سے تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے اکابرین کے ہم پلہ قرار دیا جا سکے۔ بلکہ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد وہ طبقے' وہ اشخاص متحرک ہو کر غلبہ حاصل کر گئے جنہیں صرف اپنا مفاد عزیز تھا اس لئے وطن عزیز جو لمبی جدوجہد اور بیش بہا قربانیوں کے نتیجے میں کرہ ارض پر ابھرا تھا قابل فخر مقام نہیں حاصل کر سکا۔ بلکہ قرضوں' نفرتوں' دشمنیوں' عداوتوں' فرقوں' برادریوں' گروہوں اور طبقوں کی تقسیم

در تقسیم کی مکروہ دلدل میں دھنسا ہوا ہے افسوس اور ستم کی بات یہ ہے کہ چوتھی نسل سامنے آ گئی اس کے باوجود اس کی سالمیت کو استحکام حاصل نہیں ہو رہا۔ الٹا آج بھی وہ طبقے جن کے ہاتھ میں اول روز سے اس کی زمام اقتدار رہی ہے یہی روح فرسا انکشاف اُچھال رہے ہیں کہ ملک اپنی تاریخ کے نازک دور سے گزر رہا ہے یا جس خطرناک صورت حالات سے ان دنوں ملک دو چار رہے وہ قبل ازیں اسے کبھی درپیش نہیں آئی۔ ان ہر دو اعلانات کو اس قدر تواتر کے ساتھ عوام پر پھینکا جارہا ہے کہ پوری قوم نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہوکر چڑ چڑی' خود غرض اور وحشی ہوتی جارہی ہے۔

اگر قیام پاکستان کے بعد ایسے افراد کے ہاتھوں میں معاملات ریاست تھما دیئے جاتے۔ جنہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں کسی نہ کسی انداز میں حصہ لیا تھا۔ تو نہ ملک دو نیم ہوتا اور نہ اس کا ارتقاء اضمحلال کا شکار ہوتا۔ یہ ملک وملت کی بدقسمتی ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے چند ہی برس بعد ان طالع آزماؤں نے محلاتی سازشوں سے کام لے کر ایوان اقتدار کو زیر نگیں کرلیا جو برطانوی استعمار کے گماشتے تھے اور انہوں نے کھیل کھیلنے کی خاطر آزادی کے متوالوں کو یا تو پس دیوار زنداں پھینک دیا یا گمنامی کے اندھیروں میں دھکیل دیا اور تو اور بانی پاکستان حضرت قائداعظم کا مزار تعمیر کرانے کی بھی ان ملک وعوام دشمنوں نے زحمت گوارا نہ کی۔ قائداعظم کے شایان شان ان کا مقبرہ ان کی وفات کے چودہ پندرہ برس کے بعد کہیں جاکے تعمیر ہوا۔

یوں وہ جذبہ جو انگریزوں کے جلال و جبروت سے برسوں تک نبرد آزما رہا تھا۔ اپنوں کی عیاری مکاری اور خود غرضی کے باعث تادیر زندہ نہ رہا۔ صحیح بندے ملکی معاملات سے لاتعلق ہو کے بیٹھ گئے اور حریص و جاہ پسند لوگ لوٹ مار میں مشغول ہوگئے۔ آج یہ جو گاہے گاہے آہ و بکا کی جاتی ہے کہ ملک میں نفسانفسی اور اجنبیت بہت بڑھ گئی ہے تو اس کی جڑیں ایام اولین میں تلاش کرنی چاہیں۔ اگر اس نسل نے غلط بیج نہ بویا ہوتا تو موجودہ نسل کبھی حب وطن سے عاری نہ ہوتی نہ یہ رہبروں اور رہنماؤں سے شاکی و باغی ہوتی۔

نئی نسل جب ملک کی تاریخ کا مطالعہ کرتی ہے تو خجالت و ندامت سے اس کا سر

جھک جاتا ہے اور وہ تعجب کا اظہار کرتی ہے کہ سرسید احمد خان نے جس مشعل کو روشن کیا تھا وہ قائداعظم کی زندگی تک تو فروزاں رہی تھی۔ اس کے بعد یک لخت کیوں بجھ گئی۔ اس کی پاکیزہ روشنی سے قائداعظم کے پاکستان پر قبضہ کرنے والوں کے قلوب کیوں نہ منور ہوئے تھے۔ وہ مملکت خداداد کو سربلند کرنے کے برخلاف ایک دوسرے کو چت کرنے میں کیوں منہمک ہو گئے تھے۔ کیا اس خطہ پاک کو اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ انگریزوں کے غلام عوام کو اپنا غلام بنالیا جائے۔ وہ نسل جو پاکستان کی تخلیق کے بعد پیدا ہوئی ہکا بکا ہے کہ بظاہر وہ ایک نحیف و نزار شخص تھا جس نے برصغیر کے مختلف خطوں میں بسنے اور مختلف زبانیں بولنے والے مسلمانوں کو ایک چھتری تلے اکٹھا کر لیا تھا اور دوسری طرف یہ زعمائے ملت ہیں جو اپنی سیاست' دوکانداری اور چودھراہٹ چمکانے کی خاطر متحد مسلمانوں کو ہر قیمت پر منقسم کرنے کا جتن کر رہے ہیں۔

ان اندوہناک تناظر میں وطن پاک کے مستقبل کا جو نقشہ محب وطن شہریوں کے ذہنوں پر اجاگر ہوتا ہے اسے دیکھ کر لرز اٹھتے ہیں اور صدق دل سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں پھر سے حضرت قائداعظم جیسا رہنما میسر آجائے۔ لیکن ایسا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے رہبروں کی شخصیتوں کو بھرپور اور موثر انداز میں قوم کے سامنے نہیں لایا جائے گا۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے' ریڈیو کی وساطت سے' اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے۔ پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ قائدین کو صرف ان کے یوم پیدائش اور وفات ہی پر یاد کیا جائے انہیں سارا سال منظر پر رہنا چاہیے۔

یہاں تک کہ حضرت قائداعظم کی ہمشیرہ اور تحریک پاکستان کی ایک سرکردہ مجاہدہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی خدمات کو مکمل اور احسن طریق سے قوم کے سامنے نہیں پیش کیا گیا۔ ان کا تذکرہ یا احترام کیا بھی جاتا ہے تو صرف قائداعظم کی ہمشیرہ کی حیثیت سے جبکہ ان کا اپنا ایک الگ مقام ہے۔ جدا تشخص ہے۔ علیحدہ کنٹری بیوشن ہے ان کی قربانیوں اور کاوشوں کو تو رہبر ملت حضرت قائداعظم نے بھی تسلیم کیا تھا قائد نے فرمایا تھا۔

"میری بہن میرے لئے روشنی اور امید کی کرن ہے"

قائداعظم نے محترمہ فاطمہ جناح کی عظمت و اہمیت ایک اور موقع پر ان الفاظ میں بھی بیان کی تھی۔

''مس فاطمہ جناح نے برابر میری امداد اور حوصلہ افزائی کی ہے ان دنوں جب یہ خیال کیا جارہا تھا کہ برطانوی حکومت مجھے گرفتار کرلے گی۔ میری بہن ہی نے میرا حوصلہ بڑھایا اور جب میں حالات سے مایوس ہوتا جارہا تھا تو انہوں نے میرے دل میں امید کی شمع روشن کی۔ وہ میری صحت کے بارے میں خصوصاً بڑی فکر مند رہتی ہیں''

یہ خراج تحسین بھی محترمہ فاطمہ جناح کو قائداعظم نے پیش کیا تھا۔

''میری بہن فاطمہ نے طویل مدت تک میری خدمت کر کے اور مسلم خواتین کو بیدار کر کے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا'' پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ بانی پاکستان نے محترمہ فاطمہ جناح کو پاکستان کی خالق جماعت کا ایک ضروری جزو قرار دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا۔

''مسلم لیگ کیا ہے۔ صرف میں' میری بہن اور ٹائپ رائٹر''

قرار داد لاہور کی منظوری کے بعد قائداعظمؒ سیاسی محاذ پر ازحد مصروف ہوگئے تھے۔ اسوقت پوری قوم کو ایک نصب العین کے حصول کیلئے صف آراء کرنے کا مسئلہ درپیش تھا ایسے عالم میں مادرِ ملت نے خواتین کو منظم کرنے کا کام کیا اور نہایت قلیل عرصے میں برصغیر کی تمام مسلم خواتین کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ مادرِ ملت کا کہنا تھا کہ خواتین اپنے اندر نظم وضبط پیدا کریں کیونکہ خواتین کے تعاون کے بغیر پاکستان کا قیام ممکن نہیں۔

بابائے قوم حضرت قائداعظم کو عالم شباب میں اپنی اہلیہ کی وفات کا جانکاہ صدمہ سہنا پڑا۔ اس وقت محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی کی گھریلو اور معاشرتی پریشانیوں کا دلسوزی سے احساس کیا اور وہ ان کی خدمت پر کمر بستہ ہوگئیں۔ انہوں نے قائداعظم کو گھریلو تفکرات سے بالکل آزاد کردیا تھا۔ تاکہ وہ حصول پاکستان کی جدوجہد میں پوری توجہ اور دل جمعی سے حصہ لے سکیں۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح ایک فقید المثال خاتون خانہ

ہی نہیں تھیں بلکہ سیاست کے میدان میں بھی انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

بابائے قوم نے جنہیں خوشامد اور چاپلوسی سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے اگست 1947ء کو غلام حسین ہدایت اللہ مرحوم کی جانب سے دی گئی دعوت میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''تفکرات' پریشانیوں اور سخت محنت کے اس زمانے میں جب بھی گھر آتا تھا تو میری بہن روشنی اور امید کی تیز شعاع بن کر میرا استقبال کرتی 'اگر وہ میری نگران نہ ہوتی تو میرے تفکرات کہیں زیادہ ہوتے۔ میری صحت کہیں زیادہ خراب ہوتی اس نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا کبھی شکایت نہیں کی اس کے حسن سلوک سے میری ساری کلفتیں دور ہو جاتیں۔''

مادر ملت کی عظمت کا قائداعظمؒ سے بڑا گواہ کون ہو سکتا ہے۔

مادر ملت فاطمہ جناح اپنے برادر عظیم سے اس قدر متاثر تھیں کہ ان کے اندر قائداعظم کی بہت سی عادات و خصوصیات عود کر آئی تھیں مطالعہ کرنے کی عادت' گفتگو کا انداز' نشست و برخاست' پسند و ناپسند وغیرہ کے معاملے میں وہ ہو بہو قائداعظم جیسی تھیں۔

(تحریر: از شاہد رشید نوائے وقت جولائی 1996ء)

برصغیر کی عظیم خاتون سیاستدان

انہوں نے قائداعظمؒ کی طرح عوامی ذہن پایا تھا

سیدھے سادے لباس میں ملبوس ہاتھ میں پنکھی کی نازک ٹوکری اٹھائے جب وہ پھل خریدنے مارکیٹ پہنچتیں تو لوگوں کو خاتون کی آمد پر سخت تعجب ہوتا۔ مگر انہیں جب بھی فرصت ملتی وہ بھائی کے لئے تازہ پھل خریدنے چل دیتیں۔ اس عظیم بھائی کے لئے جو بہن کو پیارا ہونے کے علاوہ ملک وملت کا تارا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح جب تک زندہ رہے۔ محترمہ فاطمہ جناح کی ہمیشہ خواہش رہی کہ ان کا بھائی زندہ سلامت اور صحت مند رہے۔ بھائی کہتے تھے میں ایک خوابیدہ قوم کا لیڈر ہوں۔ جب قوم بستر پر نیند کے مزے لیتی ہے میں اس کی خاطر رات بھر جاگتا ہوں لیکن ان کے ساتھ ایک اور ذات بھی جاگتی تھیں اور وہ تھیں ان کی بہن فاطمہ

قائداعظم کے مکان پر اکثر ملاقاتیوں کا جمگھٹا رہتا۔ یہ وہ سیاسی بارگاہ تھی جہاں راجے مہاراجوں کو بھی ملاقات کے لئے اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا۔ جب قائداعظم ملاقاتیوں سے فارغ ہوتے تو گہری رات ہوجانے کے باوجود وہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو ڈکٹیشن کے لئے طلب فرماتے بعد ازاں وہ ضروری کاغذات اور سیاسی منصوبوں کی جانچ پڑتال میں مصروف ہوجاتے۔ جب رات گئے بھائی اپنے کمرے سے نہ نکلتے تو فاطمہ بار بار ان کے کمرے کا چکر کاٹتیں۔ بھائی کو کھانے کا وقت ہوجانے کا احساس دلاتیں۔ وہ بھائی کی

گرتی ہوئی صحت سے اکثر فکر مند رہتیں۔ بھائی کو گھر سے جو سکھ نصیب نہ ہوا تھا بہن کوشش کرتیں کہ وہ سکھ ان کے ہاتھوں انہیں ملے۔

محترمہ فاطمہ جناح ایک روشن خیال تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ ایک ایسی خاتون جنہوں نے خالص مشرقی ماحول میں آنکھ کھولی' ان کا گھرانہ اسلامی علوم و فنون کا قدر دان تھا لیکن دیگر تعلیم یافتہ مسلم گھرانوں کی طرح سرسید احمد کے ترقی پذیر نظریات کی شمع اس گھر میں بھی روشن تھی۔ دنیاوی ترقی کے لئے ضروری تھا کہ ہر مسلمان بچہ یورپ سے طلوع ہونے والے آفتاب سے اکتساب نور کرے۔ اس گھرانے کے بزرگ بھی اجتماعی تعلیمی تقاضوں سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے اپنی مالی مجبوریوں کے باوجود اپنے ہونہار بچے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن بھیجا اور بیٹی کی تعلیم کے لئے مقامی طور پر معقول انتظام کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مادرملت مشرق و مغرب کی فراست اور رواداری کا نادر نمونہ بن گئیں۔

محترمہ فاطمہ جناح کو بے باک گفتاری' خدمت کا جذبہ اور قومی پرستی کا احساس اپنے خاندان اور انگریزی تعلیم سے ملا۔ مصلحت شناسی اور طلب زر ان کی طبیعت کی ضد تھیں۔ مخالفت کی آندھیاں چلیں' انگریز حکمرانوں نے بہن بھائی کو حیلے بہانوں سے مصلحت شناسی کا نشانہ بنانا چاہا۔ اس دور میں مسلمانوں کی ہر چیز سستے داموں بکی لیکن ایک نہ بک سکے تو وہ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی بہن تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کے وہ واحد لیڈر تھے جنہیں ہر کلمہ گو کے حقوق اور مستقبل کی فکر تھی۔ چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ عظیم بھائی کی وفات اور سیاست میں آنے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح بھی اسی اصول پر کارفرما رہیں۔ ملک میں جس سیاسی یا غیر سیاسی جماعت نے حکومت کی عنان سنبھال لی اس کی ہمیشہ خواہش رہی کہ محترمہ فاطمہ جناح اس کے حق میں کلمہ خیر کہیں لیکن انہوں نے مصلحت شناسی برتنے کی بجائے ہمیشہ حق بات کہی۔ چاہے وہ بات حکومت وقت کی نازک طبع پر گراں گزرے۔ مادرملت نے اپنے بھائی کی طرح عوامی ذہن پایا تھا۔ وہ عوامی نقطہ نظر سے سوچتی تھیں اور ان کے مخاطب بھی ہمیشہ عوام ہوتے تھے۔

وفات سے چند سال ادھر کا واقعہ ہے۔ محترمہ فاطمہ جناح ریڈیو پاکستان کراچی سے قوم کے نام ایک پیغام نشر کر رہی تھیں کہ ملک کے حکمران طبقہ کو ان کی حق گوئی پسند نہ آئی۔ ریڈیو پر ان کی آواز کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی۔

حکمرانوں کی اس نارواروش سے عوامی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ ان کی زندگی میں ایسے مواقع بھی آئے کہ انہیں ملک کا کوئی اعلیٰ عہدہ سنبھالنے کی پیش کش کی گئی۔ لیکن ان کی طبیعت ایک ٹھنڈا میٹھا چشمہ تھی جو ہنگامی حالات سے بے نیاز چپ چاپ بہتا رہا۔ کسی نے اسے گراں بار غرور کا نام دیا کوئی انہیں ایک ٹھوس اور جامد پتھر کہہ کر خاموش رہا لیکن وہاں یہ عالم تھا کہ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ۔

بے باکی اور حق گوئی کے علاوہ خاتون پاکستان ہمت اور عزم کا پیکر تھیں۔ چشم عالم نے نہ صرف دو مواقع پر خاتون محترم کی آنکھوں کو پرنم دیکھا۔ ان کی آنکھوں نے اپنے بھائی قائداعظم محمد علی جناح کی رحلت پر محبت اور عقیدت سے مجبور ہو کر آنسوؤں کے ہار پروئے یا اس سے پیشتر یہ آنکھیں 1947ء میں لاہور کے مہاجر کیمپ کو دیکھ کر پرنم ہوئیں۔ ان دنوں لاہور کے والٹن کیمپ میں مہاجرین کے تباہ حال قافلے آ رہے تھے۔ لاہور اشک و آہ کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ فضا میں ہر طرف سسکیاں تھیں، آہیں تھیں، قائداعظم محمد علی جناح لاہور آئے تو وہ کیمپ کے منتظمین کو بغیر اطلاع دیے والٹن پہنچ گئے۔ وہاں صحت و صفائی کا معقول انتظام نہ تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر قائداعظم کو دکھ ہوا اور انہوں نے منتظمین سے کہا "دیکھو...... یہ وہ لٹے پٹے لوگ ہیں جنہوں نے جان اور مال کی قربانی دے کر پاکستان بنایا ہے۔ ہمدردی اور ایثار سے انہیں یقین دلاؤ کہ پاکستان اب ان کا اپنا ملک ہے۔"

محترمہ فاطمہ جناح والٹن کیمپ گئیں تو مظلوم اور ستم رسیدہ عورتیں ننگے پاؤں بھاگیں، اور اشک بہاتی ان کی طرف دوڑیں۔ مظلوموں کی آہ و زاری سے حشر بپا ہو گیا۔ اس موقع پر مادر ملت غم سے سکتہ کے عالم میں خاموش کھڑی تھیں اور مسلمانوں کی اس تباہی سے ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

ادھیڑ عمر کی ایک مہاجر جو فیض اللہ چک (مشرقی پنجاب) سے اپنا پورا کنبہ دشمن کے ہاتھوں کٹوا کر خون کے آنسو بہاتی یہاں چلی آئی تھیں ایک ننھے منے بچے کو سینے سے لپٹائے، بال بکھیرے مادرملت کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اس کی چیخوں سے فضا دہل گئی۔ اور ہر آنکھ پرنم تھی۔ یہ عورت دس منٹ تک سسکیاں لے کر اپنی دکھ بھری داستان سناتی رہی جب اس کی آواز سسکیوں میں ڈوبنے لگتی تو محترمہ فاطمہ جناح اسے تسلی دیتیں۔ عورت آنسو روک کر مادرملت کی طرف دیکھتی اور آنسوؤں کی لڑی پروتے ہوئے اپنی داستان بیان کرنے لگتی خیال یہ تھا کہ مادرملت بھی آخر عورت ہیں وہ اس مصیبت پر رو دیں گی۔ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ جائے گی اور وہ جذباتی انداز میں چل دیں گی۔ لیکن انہوں نے خلاف توقع بڑی باوقار آواز میں کہا "بی بی! مصیبت کا علاج یہ ہے کہ اسے برداشت کیا جائے۔ ہم عورتوں نے اس مملکت کی بقا کے لئے جو قربانیاں دی ہیں وہ تاریخ میں یادگار رہیں گی۔ ہمیں رونے پیٹنے کی بجائے ان قربانیوں پر ناز کرنا چاہیے۔

انہوں نے جس انداز سے عورت کے سر پر ہاتھ رکھا اس سے گہری شفقت اور غم و اندوہ کا پتہ چلتا تھا۔ مادرملت نے منتظمین کیمپ سے کہا کہ وہ اس عوت کے رشتہ داروں کو فوراً تلاش کریں۔ دو دن کے اندر کیمپ میں عورتوں اور بچوں کے لئے پانی کے دو نئے نل لگ گئے اور ان میں باقاعدہ دودھ تقسیم ہونے لگا۔

ملک اور عوام کو مشکل ترین حالات میں مبتلا پا کر مادر ملت فاطمہ جناح خود مقابلے کے لئے انتخابی میدان میں اتریں۔ اگرچہ مرحومہ محلاتی سازشوں کے نتیجہ میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

(تحریر: از عبدالقدیر رشک روز نامہ نوائے وقت 9 جولائی 2002ء)

مادرملت اور انتخابی سیاست اور نوائے وقت کا کردار

بانئ پاکستان حضرت قائداعظم کی ہمشیرہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی ذات گرامی کا ملکی سیاست میں حصہ لینا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اپنے عظیم بھائی کی وفات حسرت آیات کے بعد محترمہ ایک طویل عرصے تک سیاست سے الگ تھلگ رہیں۔ ان کی سیاست صرف دینی اور قومی ایام پر پیغامات جاری کرنے تک محدود تھی۔ مگر جب انہوں نے محسوس کیا کہ جمہوریت کے بطن سے حاصل کردہ ملک میں شخصی آمریت نے پر پھیلا کر اس قوم کے جمہوری تشخص کو مسخ کرنے کا راستہ اختیار کرلیا ہے تو اپنی ضعیف العمری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہوں نے آمریت کے خلاف جمہوری اقدار کے احیا کا پرچم بلند کردیا اور اس طرح مادر ملت نے مارشل لا اور شخصی آمریت سے سہمے ہوئے عوام کو اذن کلام دیا۔ زیر نظر تحریر مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح اور فیلڈ مارشل ایوب خان کے مابین صدارتی انتخابات کے آخری مرحلوں کی روداد سے عبارت ہے۔ جس کے بعد بھی محترمہ آخری دم تک قوم کا حوصلہ بڑھانے کے لئے وقتاً فوقتاً دلیرانہ بیانات جاری کرتی رہیں۔

چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے 2 جنوری 1965ء ہی کو صدارتی انتخابات کے نتائج کا اعلان کردیا گیا۔ اس کی خبر تین جنوری کے اخبارات کی زینت بنی۔ ملکی صحافت میں اس روز نوائے وقت نے حق گوئی و بیباکی اور مہارت کا مظاہرہ کیا۔ خبر کی شہ سرخی کی ہیئت

ترکیبی کا جو انداز تھا اس کی مثال صحافتی تاریخ میں کم کم ہی ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ نوائے وقت کی اس شہ سرخی سے جہاں حکمران اور ان کے حواری تلملا کر رہ گئے۔ وہاں پورا ملک عش عش کر اٹھا اور عوام نے نوائے وقت کو شائستگی سے سچ بات کہہ دینے پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ صدر ایوب خان کی جیت کے اعلان کی نوائے وقت نے یہ سرخی بنائی تھی جو چار کالمی تھی......

''چیف الیکشن کمشنر نے صدر ایوب کی کامیابی کا اعلان کر دیا''

اور اس کے سامنے تین کالمی سرخی تھی......

''پولنگ میں دھاندلی کے الزامات''

پولیس ووٹروں کو ساتھ لاتی رہی۔ پولنگ افسر خود پرچیوں پر نشان لگاتے رہے۔ مادر ملت کے بعض پولنگ ایجنٹوں کو زدوکوب کیا گیا۔ متحدہ حزب اختلاف کا بیان اس کے اگلے روز چار جنوری 1965ء کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی تصویر کے ساتھ نوائے وقت کی شہ سرخی تھی......

''جمہوریت کی بحالی کے لئے ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔''

ایوب خان صدارتی انتخابات جیت چکے تھے اور خود کو پہلے سے بھی زیادہ طاقتور اور بااختیار سمجھ رہے تھے۔ ایسے میں روز نامہ نوائے وقت نے عوام کا ترجمان ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے چار جنوری 1965ء کو اداریہ لکھا تھا جس میں دوٹوک الفاظ میں اس حقیقت کو یاد دلایا گیا کہ اس ملک میں وہی دستور چلے گا جسے جمہور چاہیں گے۔ یہ اداریہ اس قابل ہے کہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی طرف صدارتی انتخاب لڑنے کی داستان میں اس کو بھی یاد رکھا جائے۔ یہ اداریہ صدارتی انتخاب کے عنوان سے اس طرح تھا......

پاکستان میں پہلے صدارتی انتخاب کا نتیجہ نکل آیا ہے اور صدر ایوب پانچ سال کے لئے صدر منتخب ہو گئے ہیں۔ غیر سرکاری نتائج کے مطابق صدر ایوب کو مغربی پاکستان میں 28938 اور مشرقی پاکستان میں 18720 ووٹ ملے۔ مادر ملت کو مغربی پاکستان میں 10257 اور مشرقی پاکستان میں 18080 ووٹ ملے۔ مجموعی طور پر ایوب خان کو 49658

مادر ملت کو 28337ء ووٹ ملے۔

انتخاب میں ہار جیت خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ صدر ایوب نے حقیقت پسندی اور فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اپنی نشری تقریر میں تسلیم کیا ہے کہ ان کی مخالفت کرنے والوں نے وطن عزیز میں جمہوریت کی سربلندی کے لئے کام کیا ہے۔ اگر مادر ملت نے انتخابی میدان میں آنے کی زحمت گوارا نہ کی ہوتی تو ملکی حالات کا نقشہ بالکل مختلف ہوتا۔ صدر ایوب کا خراج اور نشری تقریر بالکل مختلف ہوتے۔ محترمہ نے جمہوریت کی شمع جلا کر ملک وقوم کو آمریت کی بجائے فروغ پذیر جمہوریت کی واضح راہ پر ڈال دیا ہے۔ قوم نے ان کی جو والہانہ پذیرائی کی ہے اس پر صدارتی انتخاب کی ہزار ہا فتحیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ قوم نے اپنے طرز عمل سے مادر ملت کیلئے والہانہ عقیدت سے ثابت کردیا ہے۔ کہ بی ڈیز کی اکثریت خواہ صدر ایوب کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو قوم مادر ملت کے ساتھ ہے۔ اپوزیشن کو اس ہزیمت سے جو غیر متوقع نہیں تھی۔ مایوس یا پریشان نہیں ہونا چاہیے اور بحالی جمہوریت کی منزل کی راہ پر پرامن طور پر گامزن رہنا چاہیے۔

صدر ایوب انتخاب جیت گئے ہیں۔ یہ ان کے وقار کا مسئلہ تھا۔ دونوں صوبوں کے گورنروں انتظامیہ اور پولیس کے بھی وقار کا مسئلہ تھا اس کامیابی پر ہم ان کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ انتخاب میں دھاندلی لازمی تھی۔ صدر ایوب انسان ہیں فرشتہ نہیں۔ انہوں نے بڑی ہمت اور پامردی کے ساتھ انتخابی مہم میں حصہ لیا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انتخابی مہم میں وہ تن تنہا تھے۔ ان کے ساتھ وزیر مشیر امیر اور پیر، ان کے لئے باعث تقویت ہونے کی بجائے بوجھ ثابت ہوئے۔ ہمیں یقین ہے کہ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوگا وہ ان کا اعادہ نہ کریں بلکہ خود غرض اور غلط کار مشیروں وزیروں اور پیروں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس موقع پر ہم ایک بار پھر یہ یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ ملک جمہور کا ہے جو قائداعظم کی رہنمائی میں جمہور نے حاصل کیا تھا اس میں وہی دستور چلے گا جسے جمہور منظور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور موقع عطا فرمایا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی

کوشش کریں۔ انہوں نے اپنی نشری تقریر میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اب دلوں میں کوئی میل یا تلخی نہیں رہنی چاہیے۔ یہ لڑائی سیاسی لڑائی ہے۔ کوئی ذاتی لڑائی نہیں۔ اصولوں کی لڑائی ہے۔ شخصیات کا جھگڑا نہیں۔ وہ تدبر اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے پہلی فرصت میں اعلان کریں کہ......

☆ غیر اسلامی قوانین ختم کردیئے جائیں گے۔
☆ جمہوریت کاملہ بحال کردی جائے گی یعنی
☆ اسمبلیاں بااختیار ادارے ہوں گے' پارلیمنٹ کو حسب سابق بجٹ پر پورا کنٹرول حاصل ہوگا۔
☆ آئندہ انتخابات براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوا کریں گے۔
☆ ......مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں موثر صوبائی خودمختاری کی خاطر آئین میں ترمیم کی جائے گی اور صدر کی طرح گورنر بھی راہ راست ووٹ سے منتخب ہوا کریں گے۔
☆ عدلیہ آزاد ہوگی۔
☆ پریس آزاد ہوگا اور نیشنل پریس ٹرسٹ ایسے غیر جمہوری ادارے کو ختم کردیا جائے گا۔
☆ ......بنیادی جمہوریتوں کے نظام میں کسی سطح پر نامزدگیاں روا نہیں رکھی جائیں گی اور ان اداروں میں موجود افسریت اور دفتریت کو ختم کردیا جائے گا تاکہ حکومت خود اختیاری کے یہ ادارے صحیح معنوں میں عوام کی خدمت اور جمہوری تربیت کے گہوارے بن سکیں۔

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح آٹھ اور نو جولائی 1967ء کی درمیانی رات کو رحلت کر گئیں۔ یہ خبر روزنامہ نوائے وقت نے دس جولائی کو پورے صفحہ اول کے موٹے سیاہ ماتمی حاشیہ کے ساتھ سات کالمی شہ سرخی سے شائع کی۔ اسی روز نوائے وقت کی صفحہ اول اور صفحہ آخر پر مادر ملت کی وفات اور تعزیتی بیانات کے سوا کوئی دوسری خبر شائع نہ کی گئی۔ خبر میں صفحہ اول پر مادر ملت کی سلام کرتے ہوئے بائیں طرف اپر ہاف پر شہ سرخی کے ساتھ دو کالمی

تصویر تھی جبکہ شہ سرخی کے نیچے دائیں طرف محترمہ کی ایک اور تصویر کے ساتھ مقالہ خصوصی تھا صفحہ اول ہی پر نامور صحافی اور شاعر آغا شورش کاشمیری آہ مادر ملت کے عنوان سے نظم تھی جو انہوں نے نوائے وقت کے لئے فی البدیہہ لکھی تھی۔ صفحہ آخر پر اس عہد کے شہر آفاق شاعر حبیب جالب کا مادر ملت کے عنوان سے تین شعری قطعہ تھا۔

نوائے وقت نے صفحہ اول پر مادر ملت کے عنوان مقالہ خصوصی میں بانی وطن کی عزیز از جان بہن کے حضور اس طرح اندرانہ پیش کرنے کا شرف حاصل کیا......

مادر ملت کا انتقال ایک عظیم قومی سانحہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری قومی زندگی کا ایک حسین ترین باب ختم ہوگیا۔ محترمہ محسن قوم بانی پاکستان بابائے ملت حضرت قائداعظم کی قوم کے لئے آخر نشانی تھیں۔ ان کی صورت میں عوام کو قائداعظم کا عکس دکھائی دیتا تھا۔ قوم نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔

...........محترمہ کا شمار ہمیشہ بہادر اور ایثار پیشہ محترم خواتین میں ہوگا۔ ان کی صحت پیرانہ سالی میں قابل رشک تھی۔ وہ اچانک اپنے خالق حقیقی سے جاملی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جب وہ اپنے عظیم بھائی سے ملیں گی تو سرخرو ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ایسی پاک ہستی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے.....آمین

(خالد کاشمیری نوائے وقت 9 جولائی 2002ء)

مادر ملتؒ ہار کر بھی جیت گئیں

قائداعظمؒ کی ہمشیرہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا تحریک پاکستان میں کردار نمایاں رہا۔ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کی مسلمان خواتین کو بیدار اور منظم کرنے کے سلسلہ میں جو جدوجہد کی وہ ہماری قومی سیاسی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان میں بھرپور کردار ادا کرنے پر قوم نے محترمہ فاطمہ جناح کو "مادر ملت" کا خطاب دیا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی مادر ملت نے خواتین کی بہبود کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ لیکن اس کا صلہ طلب نہیں کیا وہ اگر چاہتیں تو مسلم لیگ یا حکومت میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتی تھیں لیکن انھوں نے کسی عہدے کی خواہش نہیں کی 1965ء کے صدارتی انتخاب میں انھیں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مقابلے میں آنا پڑا۔ تیکنیکی طور پر وہ کونسل مسلم لیگ کی امیدوار تھیں لیکن دراصل متحدہ حزب اختلاف کی امیدوار تھیں جن میں مولانا مودودیؒ مرحوم کی سربراہی میں جماعت اسلامی اور خان عبدالولی خان کی نیشنل پارٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جماعت اسلامی کو ایوب دور میں زیر عتاب بنایا گیا۔ مرکزی وزیر داخلہ حبیب اللہ خان کے کہنے پر ایوب خان نے پابندی لگوا دی لیکن سپریم کورٹ نے یہ پابندی ختم کر دی۔ صدارتی انتخاب میں جماعت اسلامی کا مادر ملت کو سپورٹ کرنا ایک مشکل کام تھا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ مولانا مودودیؒ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی اور آل انڈیا مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کے طرز عمل پر سخت تنقید کی تھی اور دوسری وجہ یہ کہ مولانا

مودودیؒ کا ہمیشہ سے ہی یہی موقف رہا تھا کہ ''اسلام میں عورت کی سربراہ جائز نہیں'' چنانچہ ''نظریہ ضرورت'' کے تحت مولانا مودودیؒ نے اجتہاد کیا خان عبدالولی خان نے بھی اپنے والد خان عبدالغفار خان کی سرخ پوش تحریک میں رہ کر قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی حریف انڈین نیشنل کانگریس نے خان عبدالغفار خان کو ''سرحدی گاندھی'' کا خطاب بھی دیا تھا۔ لیکن بحالی جمہوریت کی خاطر خان عبدالولی خان اور ان کی نیشنل عوامی پارٹی نے مادر ملت کی حمایت میں اپنی ساری توانائی صرف کر دی۔ صدارتی انتخاب کی پوری مہم میں جماعت اسلامی اور نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈر متحدہ حزب اختلاف کی امیدوار کو ''محترمہ فاطمہ جناح'' کہہ کر پکارتے تھے۔ مادر ملت نہیں لیکن دونوں جماعتوں نے جس خلوص اور جوش سے مادر ملت کی حمایت کی اسے کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکے گا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان کو ان کے حواریوں نے یقین دلایا کہ متحدہ حزب اختلاف کے پاس کوئی مناسب اور موزوں امیدوار ہی نہیں لیکن مادر ملت کے صدارتی امیدوار بننے کے فوراً بعد آمریت کا قلعہ ہلنے لگا فیلڈ مارشل ایوب خان بوکھلا اٹھے۔ انھیں سب سے زیادہ غصہ مولانا مودودیؒ پر آیا۔ شہداد کوٹ میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ''مولانا مودودیؒ قائداعظمؒ کی مخالفت کیا کرتے تھے لیکن جب پاکستان بنا تو پٹھان کوٹ سے بھاگنے والوں میں سب سے پہلے مولانا مودودیؒ تھے جو اپنے جوتے بھی چھوڑ آئے۔ مولانا مودودیؒ نے کشمیر کی جنگ آزادی کے خلاف بھی فتویٰ دیا تھا اور کہا تھا کہ ''یہ جہاد نہیں ہے اور جو شخص اس جنگ میں مارا گیا وہ کتے کی موت مرے گا'' ایوب خان کے پیرِ پیر صاحب دیول شریف اپنے مرید کی انتخابی مہم میں پیش پیش تھے اور دوسرے درباری پیر بھی ''راگ درباری'' گا گا کر ایوب خان کی کامیابی کی پیش گوئیاں کر رہے تھے۔

ملک بھر میں مادر ملت کے جلسے کامیاب جا رہے تھے عوام دیدہ و دل نچھاور کر رہے تھے مادر ملت اور ان کے زیر سایہ متحدہ حزب اختلاف کے لیڈروں کی جرأت مندانہ تقریروں سے عوام میں جوش و خروش کی انتہا دیکھنے میں آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انقلاب آنے کو ہے اور آمریت کا قلعہ زمین بوس ہونے والا ہے۔ ایوان اقتدار میں زلزلے آنے

لگے۔ اس دوران قیاس آرائیاں ہوئیں کہ (ایوب خان چونکہ فیلڈ مارشل کی حیثیت سے) سرکاری ملازم ہیں لہٰذا چیف الیکشن کمشنر انھیں انتخاب لڑنے کے لیے نااہل قرار دے دیں گے۔" صدر ایوب اپنے ہی مقرر کردہ چیف الیکشن کمشنر سے بدظن ہو گئے چنانچہ مرکزی حکومت کی طرف سے ایک نوٹیفکیشن جاری کرا دیا گیا جس میں کہا گیا کہ "صدر ایوب خان فلاں پچھلی تاریخ سے فیلڈ مارشل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو چکے ہیں" اس کے باوجود جب ایوب خان نے بحیثیت صدارتی امیدوار کاغذات نامزدگی داخل کیے تو چیف الیکشن کمشنر کے پاس کنونشن مسلم لیگ کے دو ارکان وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور وزیر خزانہ محمد شعیب کے کاغذات بھی متبادل صدارتی امیدواروں کی حیثیت سے داخل کیے گئے۔ چیف الیکشن کمشنر نے ایوب خان کے کاغذات نامزدگی منظور کیے تو ان کی جان میں جان آئی۔ خوشامدیوں نے ایوب خان کو "مصطفیٰ کمال پاشا' ایشیا کا ڈیگال' صلاح الدین ایوبی ثانی' نپولین اور نہ جانے کون کون سے خطابات دیے تھے۔ لیکن مادر ملت کے میدان میں اترنے کے بعد ایوب خان ایک عام آدمی کی طرح دکھائی دیتے تھے "بوکھلایا ہوا سا عام آدمی"

قومی اخبارات میں مادر ملت کے جلسوں کی آزادانہ رپورٹنگ سے بھی ایوب خان اور ان کے حواری بے حد پریشان تھے چنانچہ اخبارات کو حکم ہوا کہ یہ خبریں مختصر کر کے دی جائیں اور محترمہ فاطمہ جناح کو "مادر ملت" نہ لکھا جائے۔ جناب مجید نظامی کے اخبار "روزنامہ نوائے وقت" کے سوا سبھی اخبارات نے سرکار کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس پر نوائے وقت کے سرکاری اشتہارات بھی بند ہوئے لیکن عوام کے دلوں میں جناب مجید نظامی اور نوائے وقت کے لیے احترام پہلے سے کہیں زیادہ ہو گیا۔ ایوب خان نے صدارتی انتخاب میں پاکستان کے ہر عاقل اور بالغ شہری کو ووٹ کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ ووٹ دینے کا حق صرف مشرقی اور مغربی پاکستان کے منتخب ممبران بنیادی جمہوریت کو تھا اس کے باوجود مادر ملت نے مشرقی پاکستان سے 20720 کے مقابلے میں 18080 ووٹ حاصل کیے اور مغربی پاکستان سے 28927 کے مقابلے میں 10563 سرکاری گماشتوں نے دھن دھونس اور دھاندلی سے ممبران بنیادی جمہوریت کو ایوب خان کے حق میں ووٹ ڈالنے پر مجبور کیا۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے خبریں دیں کہ "مادر ملت ہار کر بھی جیت گئی ہیں۔"

(علی رانا نوائے وقت 27 اگست 2002ء)

مادر ملت اور جماعت اسلامی کی حمایت

میاں طفیل محمد ایک عہد ساز شخصیت ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے دست راست کی حیثیت میں جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری اور امیر کے عہدے پر فرائض ادا کرتے رہے۔ انھوں نے جماعت اسلامی کے قیام' پس منظر اور تحریک پاکستان کے تمام ادوار دیکھے۔ وہ قیام پاکستان کے بعد جماعت اسلامی کے سیاسی و دینی فکری کردار اور ملکی صورتحال کے نشیب و فراز کی ایک زندہ تاریخ ہیں۔ ان کے سینے میں ہزاروں داستانیں ہیں جنھیں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے استاد وقار ملک نے ''طفیل نامہ'' کی صورت میں ایک کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ کتاب میں مولانا نے عہد حاضر کی تمام شخصیات سے منسوب واقعات اور سیاسی چالبازیوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ زیرنظر مضمون دراصل اسی کتاب کا ایک اقتباس ہے جس میں ایوب خاں اور مادر ملت کے انتخابی معرکہ میں جماعت اسلامی کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جنرل محمد ایوب خاں نے 6 جنوری 1964ء کو جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے دیا اور مولانا مودودی سمیت جماعت کی پوری مجلس شوریٰ گرفتار کر کے جیلوں میں بند اور مولانا کے رسالہ ترجمان القرآن کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا اس کے بعد 10 جنوری کو دستوری ترمیمات پر منظوری کے دستخط ثبت کیے۔ پیش نظر یہ بات تھی کہ اس طرح ان ترمیمات کے تحت جو بنیادی حقوق دستور میں شامل کیے گئے ہیں ان کا اطلاق جماعت اسلامی پر پابندی' اس کی مجلس شوریٰ اس کے امیر کی گرفتاری اور ترجمان القرآن کے

ڈیکلریشن کی منسوخی پر نہ ہو یہ سب پابندیاں جماعت اسلامی پر مستقل طور پر عائد اور نافذ العمل رہیں۔

اس وقت جو قومی اسمبلی موجود تھی اس میں جماعت اسلامی کے چار ارکان شامل تھے جماعت پر پابندی کے بعد قومی اسمبلی میں اپوزیشن کے ارکان نے مل کر سی او پی (متحدہ حزب اختلاف) کے نام سے ایک الگ گروپ تشکیل دیا اور بحالی جمہوریت کے لیے اکٹھے مل کر جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا اور جماعت پر ان پابندیوں کو کچھ عرصہ کے لیے نظر انداز کر دیا تاکہ حکمرانوں کا جوش بھی ذرا مدھم پڑ جائے۔ چنانچہ ہم لوگ جیل کے اندر اپنے لکھنے پڑھنے اور اپنی اپنی تعمیر سیرت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اسی اثناء میں جنرل ایوب خاں نے اپنے آپ کو از سر نو صدر منتخب کرانے کا فیصلہ کیا تو متحدہ حزب اختلاف کی جماعتوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایوب خان کے مقابلے میں اپنا نمائندہ کھڑا کریں گے لیکن ان کے سامنے مشکل یہ تھی کہ اب جنرل محمد ایوب خان کے مقابلے میں کس بھاری بھرکم شخصیت کو مقابلہ کے لیے لایا جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ ہوا کہ جنرل محمد اعظم خان جو تھوڑی دیر پہلے جنرل ایوب خان سے بعض اختلافات کی بناء پر الگ اور مخالف ہو چکے تھے اور مارشل لاء کے عرصے میں مشرقی پاکستان کے گورنر کی حیثیت سے انھوں نے عوام کی اس قدر فرض شناسی' جانفشانی' محبت اور اخلاص کے ساتھ خدمت انجام دی تھی کہ مشرقی پاکستان کے باشندوں کو انھوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ان کی اس صفت کے پیش نظر اپوزیشن نے فیصلہ کیا کہ جنرل محمد اعظم خان ایوب خان کے مقابلے میں کامیاب امیدوار ثابت ہو سکتے ہیں۔ انھیں جہاں مشرقی پاکستان کی بڑی اکثریت ووٹ دے گی وہاں مغربی پاکستان سے بھی اتنے ووٹ ضرور مل جائیں گے کہ وہ ایوب خان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔

اپوزیشن پارٹیوں نے یہ فیصلہ کراچی میں کیا۔ اس فیصلہ کے ساتھ انھوں نے مولوی فرید احمد صاحب کو جو نظام اسلام پارٹی کے بہت متحرک رہنماؤں میں سے تھے اور چودھری محمد علی مرحوم کے دست راست شمار ہوتے تھے انھیں لاہور میں جنرل محمد اعظم خان

کے پاس بھیجا تا کہ اپوزیشن کے اس فیصلہ پر ان کا ردعمل معلوم کیا جا سکے۔ مگر جونہی مولوی فرید احمد صاحب کراچی سے لاہور پہنچے تو ایئرپورٹ پر ہی کالا باغ حکومت نے ان کو گرفتار کر لیا اور پھر جنرل محمد اعظم خان صاحب کو بھی اپنے گھر میں نظر بند کر دیا۔ اس طرح حکومت نے اپوزیشن کی اس سکیم کو ناکام بنا دیا۔

اب حزب اختلاف کسی دوسری موزوں شخصیت کی تلاش میں تھی کافی غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اگر جنرل محمد اعظم خان کی عدم موجودگی میں ان سے بھی زیادہ کامیابی کے ساتھ کوئی شخصیت جنرل محمد ایوب خان کے مقابلے میں لائی جا سکتی ہے تو وہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت ہے۔ ایسے حضرات کو جو ان کے قریب سمجھے جاتے تھے ان کو محترمہ فاطمہ جناح کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری صورت حال پیش کرنے کے کام پر مامور کیا گیا۔ لیکن انھوں نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بار بار تقاضا کرنے اور اس بات کو واضح کرنے کے بعد کہ اب قوم و ملک کو بچانے اور آمریت سے نجات دلانے کی کوئی اور صورت ممکن نہیں کہ آپ اس کام کے لیے اپنا کندھا پیش کریں۔ اگر مستقل طور پر نہیں تو عارضی طور پر ہی سہی ایک مرتبہ جنرل محمد ایوب خان سے قوم کی جان چھوٹ جائے۔ پھر آپ بے شک پیچھے ہٹ جائیں پھر کسی اور کو آپ کی جگہ لایا جا سکتا ہے۔ وہ چھ ماہ اور پھر اصرار کرنے پر ایک سال تک سیاست کے لیے راضی ہو گئیں۔ اس طرح انھیں اپوزیشن کے امیدوار صدارت کے طور پر نامزد کر دیا گیا۔

یہ سارا کام اس وقت ہوا جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سمیت جماعت کے تمام رہنما جیلوں میں بند تھے اور مولانا کے رسالہ ترجمان القرآن کا ڈیکلریشن بھی منسوخ تھا۔

حالات کے اس مرحلے پر پہنچ جانے پر جماعت کے جیل سے باہر کچھ لوگوں اور بعض دوسرے بااثر اصحاب نے مل کر جماعت پر پابندی کے حکم کے خلاف لاہور اور ڈھاکہ ہائیکورٹ میں رٹیں دائر کر دیں۔ ڈھاکہ ہائیکورٹ نے جماعت پر پابندی کے حکم کو خلاف قانون قرار دے کر کالعدم اور جماعت کی بحالی کا حکم جاری کیا لیکن لاہور ہائیکورٹ نے اس کے برعکس حکومت کی عائد کردہ پابندی کو درست اور جماعت کے خلاف قانون قرار دیے

جانے کے حکم کو جاری رکھنے کا فیصلہ صادر کیا۔

ڈھاکہ ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف حکومت پاکستان نے اور لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف جماعت اسلامی کے حامیوں نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ سپریم کورٹ نے ان دونوں اپیلوں کو یکجا کر کے سماعت شروع کی۔ 25 ستمبر 1964ء کو مفصل بحث اور غور و فکر کے بعد سپریم کورٹ کے فل بنچ نے ڈھاکہ ہائیکورٹ کے فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے جماعت پر پابندی کے حکم کو ناجائز قرار دے دیا اور جماعت کی بحالی کا حکم دے دیا۔ اس دوران میں ہم لوگوں کی نظر بندی کے خلاف بھی ہائیکورٹ میں حبس بے جا کی رٹیں دائر کی جا چکی تھیں۔ سپریم کورٹ کے مذکورہ فیصلے کے بعد ہائیکورٹ میں رٹیں بھی منظور ہو گئیں اور ہم سب 9 اکتوبر 1964ء کو رہا ہو گئے۔

جماعت اسلامی کی بحالی اور مولانا مودودی سمیت ارکان مجلس شوریٰ کے رہا ہو جانے کے بعد جماعت بھی اپنے آپ متحدہ حزب اختلاف کا جزو بن گئی کیونکہ اس کے ارکان اسمبلی پہلے سے اس میں شامل تھے۔ اب جماعت کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ وہ محترمہ فاطمہ جناح جو ایک خاتون ہیں ان کی امیدواری صدارت کے سلسلہ میں کیا موقف اختیار کرے۔ بنظر غائر حالات کا جائزہ لینے کے بعد تین صورتیں سامنے آئیں۔

1- جنرل محمد ایوب خاں کے مقابلے میں جماعت اسلامی اپنا امیدوار کھڑا کرے۔
2- محترمہ فاطمہ جناح اور جنرل محمد ایوب خان میں سے کسی کی بھی حمایت نہ کی جائے۔
3- ان دونوں میں کسی ایک کی تائید کی جائے۔

تینوں صورتوں پر غور کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ہمارا اپنا نمائندہ کھڑا کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ دراصل عملاً ہم صدر جنرل محمد ایوب خان کی تائید کر رہے ہیں کیونکہ ہمارے اپنے نمائندے کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ اصل مقابلہ محترمہ فاطمہ جناح اور جنرل محمد ایوب خان میں تھا۔ ہمارا امیدوار جو ووٹ بھی لے گا وہ محترمہ فاطمہ جناح کے ووٹ ہوں گے۔ اس لیے ہم اپنا نمائندہ کھڑا کر کے آمر کو نہیں بلکہ اپوزیشن کو ناکام کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ اس طرح یہ صورت خارج از بحث ہو گئی۔

دوسری صورت یعنی کسی کی بھی تائید نہ کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ جماعت اسلامی کے زیرِ اثر ملک میں جتنے ووٹ ہیں وہ جنرل محمد ایوب خان کے حق میں جانے والے تو نہیں۔ وہ سب محترمہ فاطمہ جناح کے حق میں بھی پڑ سکتے ہیں۔ ہم علیحدہ رہ کر اپنے ان ووٹوں کو محترمہ فاطمہ جناح کے حق میں پڑنے سے روک دیں گے یا ان کی اپوزیشن کمزور کر دیں گے۔

اب تیسری اور آخری صورت ہمارے سامنے یہ تھی کہ دونوں میں سے کسی ایک کی تائید کی جائے۔ امیدوار صدارت کے لیے ایک طرف مرد دوسری طرف عورت ہے لیکن جو مرد امیدوار ہے اس میں سوائے مرد ہونے کے کوئی اور خوبی نہیں۔ باقی سارے عیب ہی عیب ہیں جبکہ محترمہ فاطمہ جناح میں سوائے اس کے کہ وہ ایک خاتون ہیں ساری خوبیاں اور بھلائیاں موجود ہیں اس لیے ہم نے محترمہ فاطمہ جناح کی ایک کمزوری یا خامی کو نظر انداز کر کے باقی خوبیوں کی بناء پر ان کی تائید کا فیصلہ کیا اور جنرل ایوب خان کو رد کر دیا کہ جن میں سوائے مرد ہونے کے کوئی اور خوبی نہیں تھی۔

جب جنرل محمد ایوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح میں صدارتی مقابلہ ہو رہا تھا تو اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جنرل محمد ایوب خان کی کابینہ کے رکن ہونے کے علاوہ ان کے الیکشن ایجنٹ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے محبوب قائد کو کامیاب کروانے کے لیے دھاندلی کی کوئی ایسی قسم نہیں جس سے کام نہ لیا ہو مگر بعد کے حالات نے یہ بات ظاہر کی کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے 1958ء سے 1962ء تک چھ سال جنرل محمد ایوب خان کا بیٹا بن کر اپنی پوزیشن مستحکم کرنے اور اندرون و بیرونِ ملک تعلقات پیدا کرنے کا انتظام کیا تھا اس سے ان کے اندر یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ ان جیسا ذہین وفطین اور غیر معمولی قابلیت والا شخص جنرل محمد ایوب خان جیسے فوجی کا خدمت گزار کیوں بنا رہے! بھٹو نے ایوب خاں کے گرد سازشوں کے جال بن دیے اس نے مادرِ ملت کو دھاندلی کے ذریعے شکست دی تھی تو اپنے مربی کو بھی اقتدار سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا تھا۔

(وقار ملک فیملی میگزین 2 اگست 1998ء)

فاطمہ جناح اور پاکستان کے حکمران

مادر ملت فاطمہ جناح ایک بااصول ہمت و عزم کا پیکر سیاستدان تھیں۔ بابائے قوم حضرت قائداعظم کی رحلت کے بعد ملک سیاسی طور پر یتیم ہو گیا تھا اور کوئی بھی حکمران ان کا جانشین بننے کا اہل نہ تھا اگرچہ نواب زادہ لیاقت علی خاں درویش صفت اور ایماندار وزیراعظم تھے لیکن بیوروکریسی، فوج اور غیر ملکی ایجنٹوں نے ان کا کردار مسخ کر کے رکھ دیا ان کے اجلے دامن کو داغدار کرنے کی کوششیں ہوتی رہتی تھیں ان کی حکومتی پالیسیاں ناپسندیدہ سمجھی جاتیں یہی وجہ تھی کہ قائداعظم کی ہمشیرہ فاطمہ جناح نوابزادہ لیاقت علی خاں سے بدظن تھیں۔ صرف یہی نہیں وہ سہروردی اور بعض دوسرے حکمرانوں پر بھی سخت تنقید کرتی تھیں اگرچہ مادر ملت خود سیاست میں براہ راست دخل نہیں دیتی تھیں لیکن وہ خاموش ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتی تھیں۔ ان کے عظیم بھائی نے اس وطن کے حصول کے لیے اپنی جان کو کئی روگ لگا لیے تھے، صحت برباد کی، دولت وطن کے نام کر دی، بیوی اور بچی کو ملی سرگرمیوں پر قربان کر دیا، شب و روز صرف کام کام کو اپنا مشن بنائے رکھا، بھلا وہ اپنے بھائی کی ان قربانیوں کو رائیگاں ہوتے کیسے دیکھ سکتی تھیں۔

میں نے 1964ء کے انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کی اس بے قراری کی انتہا دیکھی تھی نوابزادہ لیاقت علی خاں کے قتل کے بعد ملک آمریت کی آماجگاہ بن گیا تھا اور ایوب خاں کا مارشل لا تو ان کے لیے دردِ مستقلہ بن گیا تھا۔ میں اس سے پہلے بھی کئی بار محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور ان سے ملکی صورتحال پر تبادلہ خیال کر لیتا تھا۔ وہ

مارشل لاء پر سخت تنقید کرتی تھیں۔ میری والدہ راحیلہ بیگم شیروانی تحریک پاکستان کی سرگرم رکن تھیں قائداعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کی ویمن کمیٹی میں جن چار خواتین کو شامل کیا تھا' میری والدہ ان میں سے ایک تھیں' وہ تحریک پاکستان کے دوران خواتین کو فعال بنانے میں محترمہ فاطمہ جناح اور بیگم شاہنواز کے ساتھ دورے کیا کرتی تھیں۔ اس تعلق کی بنا پر محترمہ فاطمہ جناح مجھ سے ہمیشہ شفقت سے پیش آتیں اور خود بھی مجھ سے ملکی صورتحال پر تبادلہ خیال کرتیں۔

محترمہ فاطمہ جناح نہایت ہردلعزیز شخصیت تھیں۔ وہ خود بازار سے سودا سلف خرید کر لاتیں۔ اپنے ساتھ سرکاری محافظ رکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ایوب خاں کے دور حکومت سے پہلے بھی ایجنسیوں کے آدمی ان کی رہائش گاہ کے گرد منڈلاتے رہتے تھے۔ وہ اس بات پر نالاں تھیں اور اکثر غصہ کا اظہار فرماتیں۔ انھوں نے کئی بار مجھ سے کہا ''آمروں کو میرا بولنا پسند نہیں' ہر وقت میری نگرانی کی جاتی ہے دیکھتے ہیں مجھ سے کون کون ملنے آتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ مجھے کسی محافظ کی ضرورت نہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ ملکی صورتحال کے پیش نظر آپ کی حفاظت ضروری ہے۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے جب دیکھا کہ ملک مارشل لاء کے عذاب سے کسی طور نہیں نکل سکتا اور ان کے بھائی کی محنت رائیگاں جانے کا وقت قریب آ رہا ہے تو انھوں نے 64ء کے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مسلم یوتھ آرگنائزیشن بنائی اور مادر ملت کو اس کا صدر بنایا۔ میں خود سیکرٹری جنرل تھا۔ ہم نے آرگنائزیشن کا پانچ ستاروں والا ایک جھنڈا بنایا جو پانچوں صوبوں کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ جھنڈا' مادر ملت کی کار کے آگے لگا دیا گیا۔ وہ جہاں بھی جاتیں' جھنڈا ان کی گاڑی پر لہراتا رہتا۔ مسلم یوتھ آرگنائزیشن کے نوجوان محترمہ کے ساتھ ساتھ رہتے اور ان کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے۔ میں نے ان کے ساتھ لاہور اور حیدر آباد کے کئی انتخابی دورے کیے اور انھیں اپنے حصار میں رکھا۔ ہمیں خدشہ رہتا تھا کہ ایجنسیوں کے آدمی یا کوئی شر پسند شخص انھیں گزند نہ پہنچا دے لیکن اللہ تعالیٰ نے محترمہ فاطمہ جناح کو ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھا۔ عوام خود ان کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے۔ وہ انھیں دیکھنے کے لیے دیوانہ وار آگے بڑھتے۔ عوام مادر ملت میں اپنے محبوب راہنما کا عکس

دیکھتے تھے۔ وہ انھیں آمریت کے خلاف سیسہ پلائی دیوار سمجھتے تھے۔

میں نے محترمہ کے تمام جلسے جلوسوں میں ہمیشہ نظم و ضبط دیکھا۔ لوگ ان کی تقریر بڑی سنجیدگی سے سنتے تھے۔ انھوں نے نومبر 64ء میں لاہور میں وکلاء کے ایک جلسہ سے خطاب کے دوران کہا تھا۔

''پاکستان چند لوگوں کے لیے نہیں بنا عوام اس ملک کے اصل مالک ہیں۔ یہ عوام کی جاگیر ہے اور عوام کے پاس ہی رہے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو عوام سے نہیں چھین سکتی۔ اسے قائداعظم کی قیادت میں عوام نے اس لیے حاصل کیا تھا کہ قوم کی آئندہ نسلیں آرام اور عزت کی زندگی بسر کریں۔ یاد رکھیے جس پاکستان کا خیال قائداعظم کے ذہن میں تھا وہ ابھی تک پورا نہیں ہو سکا۔ اس کی جدوجہد ابھی تک جاری ہے اور جب تک آپ ہم اور پاکستان کی موجودہ نسل جمہوریت کی بحالی کے لیے انتھک کوشش نہیں کرے گی پاکستان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

مادر ملت جمہوریت پسند تھیں وہ پاکستان میں جمہوریت کا چراغ روشن کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی اپنی زندگی بھی جمہوریت کا نمونہ تھی۔ ان کے بارے میں یہ پراپیگنڈہ کیا جاتا تھا کہ وہ خود سر ہیں اور کسی عام شخص سے بات کرنا پسند نہیں کرتیں۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مادر ملت کو اپنے نوکروں اور عام لوگوں سے حسن سلوک کرتے دیکھا ہے۔ وہ صرف اپنے نظم و ضبط اور کردار کی سچائی کی وجہ سے سخت تھیں۔ وہ بڑے تحمل اور رواداری کے ساتھ دوسروں کی بات سنا کرتی تھیں۔ 64ء کے انتخابات میں مسلم یوتھ آرگنائزیشن کی روزانہ میٹنگ ان کی رہائش گاہ میں بھی ہوتی تھی۔ ہم لوگ اپنی سرگرمیوں سے انھیں مطلع کرتے اور انتخابی مہم کے طریقہ کار کے بارے میں اپنی تجاویز دیتے۔ وہ بڑی توجہ سے ہماری باتیں سنتیں اور اپنے مشورے سے نوازتیں انھوں نے کبھی ہم پر حکم صادر نہیں کیا بلکہ اتفاق رائے سے کام کرتی تھیں بعض اوقات دوران گفتگو وہ متبسم انداز میں ہماری تجاویز کو سراہتیں اور کہتیں ''مجھے یقین ہے کہ اگر پاکستان کے تمام نوجوانوں کے خیالات تم لوگوں جیسے ہو گئے تو اس ملک میں مارشل لاء پھر کبھی نہیں آئے گا۔''

مادر ملت اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ نظام کی تبدیلی کے لیے میدان سیاست میں اتریں حالانکہ وہ پیرانہ سالی میں طوفانی دوروں کی متحمل نہ ہو سکتی تھیں لیکن میں نے ان کے

چہرہ پر ہمیشہ عزم و حوصلہ ہی دیکھا۔ ان کی ذہانت آمیز پیشانی پر کبھی بھی اکتاہٹ نمودار نہ ہوئی۔ آمریت مادرِ ملت کے خلاف دھاندلی کر کے جیت گئی مگر مادرِ ملت پہلے سے بھی زیادہ پرعزم دکھائی دیتی تھیں۔

انتخابات کے بعد مادرِ ملت سماجی اور فلاحی تنظیموں کی تقریبات میں جایا کرتی تھیں۔ کراچی کے تمام گرلز کالجز اور سکولز میں مادرِ ملت کو مدعو کیا جاتا تو وہ طالبات کو مستقبل میں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتیں۔ ہماری والدہ نے تحریک پاکستان کی شمع فروزاں رکھنے کے لیے ناظم آباد میں سرسید گورنمنٹ کالج کی بنیاد رکھی اور محترمہ فاطمہ جناح کو تقریب رونمائی میں مہمان خصوصی کی حیثیت میں مدعو کیا۔

65ء کے بعد مادرِ ملت کی طبیعت اکثر خراب رہنے لگی۔ اس دوران میں اپنی کاروباری مصروفیات میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کے باوجود وقت ملتا تو ان سے ملنے کے لیے قصرِ فاطمہ جاتا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے 8 اور 9 جولائی 1967ء کی درمیانی شب 76 سال کی عمر میں وفات پائی۔ میں اس روز لاہور میں تھا ان کی وفات کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ انھیں قتل کیا گیا ہے۔ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ کم از کم بانی پاکستان کی عظیم ہمشیرہ کے ساتھ ایسا دلدوز حادثہ پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔ قائد کی روح اس قوم کے راہنماؤں کو کبھی نہیں بخشے گی جو ان کی فکر اور نظریات کے برعکس پاکستان کا نظامِ حیات چلانے پر بضد تھے میں کراچی پہنچا اور اہم ذمہ دار شخصیات سے محترمہ کی وفات کے بارے میں دریافت کیا لیکن کسی نے بھی ان کی موت کو حادثاتی قرار نہ دیا۔ میں نے اپنی پوری تسلی کی کہ ان کی رحلت فطری انداز میں ہوئی تھی۔

میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے پاکستان بنتے دیکھا ہے۔ قائداعظم اور مادرِ ملت کو پاکستان کی سلامتی، ترقی اور استحکام کے لیے سرگرم دیکھا ہے لیکن آج سوچتا ہوں کہ بابائے قوم اور مادرِ ملت نے جن مقاصد کی تکمیل کے لیے پاکستان بنایا تھا کیا ان کے پیش رو سیاستدانوں اور عوام نے ان کی لاج رکھی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ابھی تک ان دونوں عظیم ہستیوں کی شب و روز کی محنت کا قرض ادا نہیں کر پائے۔

(ہمایوں مرزا فیملی میگزین 2-8 اگست 1998ء)



بہن بھائی قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ کا ایک منفرد انداز

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح

محترمہ فاطمہ جناح 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں یہ عظیم بہن اس وقت پیدا ہوئیں جب عظیم بھائی محمد علی جناح انگلستان میں زیر تعلیم تھے آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ مٹھی بھائی آپ کو 2 سال کی عمر میں چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں لیکن آپ کے والد محترم جناح پونجا نے آپ کو مادری شفقت کی محرومی کا احساس نہ ہونے دیا آپ کے والد کو آپ سے بہت پیار تھا۔ محمد علی جناح جب انگلستان سے تعلیم مکمل کر کے 1896ء میں واپس آئے تو آپ نے اپنی پیاری بہن فاطمہ کو دیکھا' فاطمہ کے چہرے پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی اور ساتھ ہی چہرے سے ایک عظیم مستقبل کی چمک تھی۔ بھائی بہن سے ملے ۔ پیار کیا اور ایسا پیار کیا کہ دونوں ہمیشہ سے ساتھ ساتھ رہے اور زندگی کے کٹھن دن اور راتیں اکٹھی گزاریں اللہ کے فضل و کرم سے قائداعظم کی محنتیں رنگ لائیں اور پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرض وجود میں آیا۔

محمد علی جناح نے اپنی پہلی ذمہ داری نہایت اعلیٰ طریقے سے اس طرح نبھائی کہ کم عمری میں ہی بارایٹ لاء کی ڈگری انگلستان سے حاصل کی ۔ جب وطن لوٹے تو چھوٹی بہن کو محسوس نہ ہونے دیا کہ ان کی والدہ نہیں ہے ان کا اعتماد قائم کیا اور اعتماد کی یہ اعلیٰ مثال بن گئی۔ مثلاً قانون کی پریکٹس کے لئے بمبئی 1897ء میں جانے لگے تو بہن نے اداس نگاہوں سے دیکھا مگر انہوں نے بہن کو یقین دلایا کہ وہ تعلیم حاصل کریں جلد ہی کام چل جانے کی صورت میں ان کو بمبئی بلالوں گا اللہ کا بڑا شکر تھا کہ بمبئی میں محمد علی جناح کا

کام چل نکلا اور مجسٹریٹ ہو گئے فاطمہ کو اپنے پاس کراچی سے بمبئی بلالیا۔ کراچی اس وقت روزگار کے لئے سہارا نہیں ہو سکتا تھا۔ فاطمہ جناح بچپن سے ہی بڑی کفایت شعار، خوددار تھیں۔ سنجیدہ ذہن کی مالکہ تھیں اصل میں محاورہ ہے۔ ہونہار برواہ کے چکنے چکنے پات عظیم لوگ بچپن سے ہی علیحدہ پہچانے جاتے ہیں اور ان کے عزائم کا پتہ چل جاتا ہے۔

لہٰذا 1902ء میں کانونٹ سکول بمبئی میں داخل ہو گئیں 1913ء میں سینئر کیمبرج کیا اور 1919ء میں قائد نے خود ان کی مرضی کے مطابق کلکتہ کے احمد ڈینٹل کالج میں داخل کرایا جو ایک پرائیویٹ ادارہ تھا۔ اس زمانے میں دانتوں کی تعلیم کی درسگاہیں نہ تھیں برصغیر ہند کا سب سے بڑا ادارہ اور قدیم دانتوں کے علم کی درسگاہ ڈی مونٹ مورلیسی کالج آف ڈینٹسٹری لاہور میں 1934ء میں قائم ہوا تھا تاکہ میڈیکل ڈاکٹروں کو ڈینٹل سرجری کی تعلیم دی جائے۔

لاہور کے اس ڈینٹل کالج میں میڈیکل گریجویٹ داخل ہوتے تھے۔ ہمارے پاس ایک زندہ مثال ڈاکٹر محمد حفیظ ایم بی بی ایس بی ڈی ایس ہیں جو میاں محمد نواز شریف کے سسر ہیں انہوں نے بی ڈی ایس کی ڈگری ایم بی بی ایس کرنے کے بعد حاصل کی پاکستان بن جانے کے بعد پہلے ڈینٹل کالج پرنسپل ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس ڈاکٹر عبدالحق تھے۔ لہٰذا محترمہ فاطمہ جناح نے ڈینٹسٹری تعلیم میں پہل کی شاید وہ پہلی مسلم خاتون تھیں جنہوں نے امراض ڈینٹسٹری و علاج معالجہ کی تعلیم 2 سال تک کلکتہ سے حاصل کی تاکہ وہ بنی نوع انسان کی اس فیلڈ میں خدمت کریں۔

دوسرا اہم کارنامہ فاطمہ جناح کا یہ تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص کر اس زمانے میں لڑکیوں کا۔ لیکن عزم بلند تھا معاونت کرنے والا عظیم بھائی تھا۔ تعلیم کی خاطر علاقائی رسم ورواج کی کوئی پرواہ نہ کی۔ لوگ نکتہ چین تھے فاطمہ کا شوق تھا کہ وہ تعلیم میں منفرد ہو اور جہالت کے خلاف جنگ کر کے کانونٹ سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہائش وخوراک کے انتظام کے لئے داخل ہو گئیں آپ نے اس قدر محنت کی کہ بعد میں آپ کے بیان جو اکثر انگریزی زبان میں ہوتے تھے ترجمہ کرنا اور قلم اٹھانا بڑا دشوار تھا وہ زمانہ

مجھے یاد آتا ہے کہ جب آپ ایوب خان کی حکومت اور پالیسی پر نقطہ چینی کرتی تھیں تو آپ کے انگریزی زبان بیان کا ترجمہ کرنا مشکل ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ نے سکول کی سطح پر اپنی انگریزی زبان کو مضبوط کر لیا تھا۔ تعلیم کے ساتھ آپ کے لباس میں خاص جاذبیت تھی لباس دلکش ہوتا تھا خوبصورت تھا اس پر کوئی تنقید نہیں کر سکا۔ لباس کے اعتبار سے آپ کے ذہن کی پختگی ٹپکتی تھی۔ بچپن سے سکول تک اور سکول سے احمد ڈینٹل کالج تک اور پھر ہندوستان کی تحریک آزادی میں آپ اپنے بھائی کے ساتھ تھیں مگر لباس نہایت سلجھا ہوا ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہنی طور پر آپ ڈسپلن کی حامی تھیں ڈینٹسٹری کی تعلیم حاصل کر کے آپ کلکتہ سے واپس بمبئی آ گئیں۔ عبدالرحمٰن سٹریٹ میں آ نے پرائیویٹ ڈینٹل کلینک کھولا۔ آپ جلد ہی مریضوں میں مقبول ہوگئیں ساتھ ہی آپ نے مفت کلینک بمبئی کمیٹی کی طرف سے تھا اس میں کام کرنا شروع کر دیا 1929ء تک آپ بمبئی کی قابل اعتماد خاتون ڈینٹل سرجن تھیں۔ آپ نے اپنے آپ کو خدمت میں اس قدر منسلک کر لیا کہ شادی کا خیال تک نہ کیا۔ آپ نے ہر ایک کو اچھی طرح دیکھا کسی کی دل آزاری نہیں کی مشرقی ثقافت آپ کی شخصیت کی مظہر تھی۔ اپنی خواہشات کو خدمت میں ڈھال لیا خدمت میں عظمت ہے مقاصد میں حقیقت ہو تو منزل انتظار کرتی ہے۔

پیدائش کے دو سال بعد ایک آزمائش والدہ کی فوت ہونے کی تھی۔ دوسری آزمائش کہ اب پریکٹس چلی۔ مشہور ڈینٹل سرجن ہوئیں عوامی خدمات میں چرچا ہونے لگا۔ قابل قدر بھائی محمد علی جناح کی شریک حیات کا انتقال 1929ء میں ہو گیا ان کے ہاں ایک چھوٹی بیٹی تھی۔ رفیق حیات وفات پا گئی تو بہن نے بھائی کا احترام کرتے ہوئے کلینک بند کر دیا اور بھائی کے ہاں شفٹ ہو گئی تا کہ بھائی کو اکیلا نہ چھوڑا جائے ان ہی دنوں ہندوستان میں سیاست کا بڑا چرچہ ہونے لگا وہ بھائی کی معاونت کرنے لگیں۔

اس سے قبل محمد علی جناح نے بمبئی (Presidency) کے قائم مقام مجسٹریٹ کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور اپنا دفتر اپالو ہوٹل بمبئی میں لے لیا بعد میں محمد علی جناح بیرسٹر نے اپالو بندر کے علاقے میں رہائشی فلیٹ کرائے کا لیا۔ دفتر کی تزئین و آرائش انتہائی

نفاست اور باذوق انداز میں کرائی محترمہ کے ساتھ ان کے خاندان کے لوگ بھی کراچی سے بمبئی چلے گئے کیونکہ اب ان کا بیٹا بیرسٹر بمبئی کا مشہور وکیل ہوگیا اور مالی طور پر آسودگی آگئی کھڈک میں واقع خوجہ محلے میں دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لیا۔ محترمہ فاطمہ جناح ''میرا بھائی'' کتاب میں تحریر کرتی ہیں کہ ''میرے بھائی ہم سے ملنے اکثر آیا کرتے تھے'' کیونکہ اب پیشہ میں کافی روپیہ کمارہے تھے اپنے خاندان کی مالی اعانت بھی کیا کرتے تھے اپنے تمام بہن کا بھائیوں کی تعلیم کے مصارف وہی برداشت کرتے تھے۔ محترمہ نے ہر قدم پر بھائی کا ساتھ دیا جس کا ذکر قائد نے دہلی سے واپس آنے پر کراچی ایک ضیافت کی تفصیل میں کیا تھا۔

ایوب خان کی آمریت کے خلاف عملی سیاست میں تاریخی قدم

محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی زندگی میں تعمیراتی کام بھی کئے آپ کی شخصیت مشعل انسانیت کے لئے وقف تھی آپ نے جمہوریت کی خوشبو پھیلانے کا عزم کرلیا تھا فاطمہ نے اپنے بھائی کی معاونت اور سیاست کی عمیق گہرائیوں سے واقفیت حاصل کی ایک عظیم رہبر کے ساتھ رہ کر ان میں استقلال پیدا ہونا لازم تھا۔ آپ حقوق پاکستان کا احساس کرتے ہوئے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مقابلے میں صدارت کی امیدوار بن گئیں۔ پاکستان کی سیاست میں ایک نام پیدا کیا۔ آپ نے غریب طبقہ کی معاشی الجھنوں جہالت اور جمہوریت کو بیان کرنا اپنا فرض قرار دیا۔ آپ نے ٹرین کا سفر لاہور سے سکھر تک کیا اتفاق سے اس سفر میں راقم بھی اس ٹرین میں لاہور سے سکھر تک گیا۔ 32 سال قبل اتنا ہجوم اور اتنا جوش ومحبت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا اس سفر کی بنیاد ایک اصول تھا۔ وہ اصول جمہوریت تھی حکمرانوں اور سیاستدانوں کو احترام انسانیت کا سبق دینا تھا۔ اس ٹرین میں مخلص لوگ تھے۔ نام نہاد سیاستدان' انتظام کار اور بے شمار دانشور' فلسفی' اقتصادیات کے ماہرین جو ایوب خان کی مداح سرائی میں مصروف کار تھے۔ اللہ وہ کیا شور تھا؟ کیسے بیدار ہوا؟ ایوب خان کے حامی ضمیر فروش' خفیہ ادارے سب کے سب دھرے رہ گئے۔ ٹرین بغیر کسی اشتعال انگیزی کے اپنے وقت پر لاہور سے روانہ ہوئی لوگوں کا ہجوم' انسان لاتعداد سروں

کے بل آئے۔ محترمہ فاطمہ جناح ایسی شخصیت تھیں جسے قوم کے سردار اور لوگ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

فاطمہ جناح کا عمل آمریت کے انسداد و تدارک کے لئے منفرد اور انوکھا تھا۔ کیونکہ فاطمہ جناح کی تربیت ہی کچھ ایسی تھی کہ انہوں نے گلشن کو سنوارنا تھا اور جمہوریت کو شاہراہ زندگی پر چلانا تھا پاکستان کے غریب لوگوں کے حصول معاش کو بھی بدلنا ہے دولت کو چند گھروں میں رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا جمہوریت کے اعلیٰ اصول اور تکمیل انسانیت کے حصول کو لے کر وہ اپنی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے کے لئے سامنے آ گئیں۔ اس وقت ان کی صحت اور عمر نہ تھی کہ وہ اتنا بوجھ اٹھا لیتیں ہر فرد ملک و قوم کی حقیقی خدمت کا اہل نہیں ہوتا بے شمار تبلیغ و اصلاح کے ماہرین موجود تھے مفکرین جرنیل سیاستدان موجود تھے مگر مصلحت کی بنا پر کوئی سامنے نہیں آیا محترمہ میدان میں ایک جابر حکمران کے سامنے آ گئیں بزرگ سیاستدان خاموش بیٹھے رہے وہ ایک ایسا سیاسی ارتعاش تھا، بہت سے چیزیں یاد نہیں تاہم لاہور' لاہور چھاؤنی 'کوٹ رادھا کشن' چونی' رائے ونڈ' ساہیوال' ملتان' خانیوال' بہاولپور' خانپور' رحیم یار خان اور سکھر تک ایسے مناظر آئے کہ بیان کرنا مشکل ہے۔

لاہور جتنا علم کا مرکز ہے اتنا ہی سیاست کا مرکز ہے اس شہر کے لوگ احساس ذمہ داری اور جمہوریت کی بقاء کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ **1940**ء کی قرار داد لاہور کی تاریخی اہمیت بڑی ہے لاہور ہی وہی جگہ ہے جہاں قومی آبرو کی راہ معین کی گئی۔ اسی طرح لاہور کے لوگوں نے ہدایت شاندار اور قابل فخر طریقے سے محترمہ کے سفر کی ابتدا کی اور صدق دل سے دعا ایوب خان کی آمریت کے خلاف مانگی۔ کاروان جمہوریت چل نکلا اور ایوب خان جیت کر ہار گئے۔ محترمہ ہار کر جیت گئیں حالانکہ نہ وہ جیتا نہ محترمہ ہاریں۔ حکومت کے کارندوں نے **B.D.** کے ممبران کو غیر اخلاقی طریقوں سے ملوث کر کے نتائج کا اعلان کیا۔ ہم تفصیل کسی اور جگہ دیں گے کیونکہ افسر شاہی کے لوگ ہمارے واقف تھے۔ ان دنوں ہم میں ڈینٹل سرجن تھے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر ڈویژن کے کمشنر سب ہی واقف

تھے وہ خود بتاتے تھے کہ کس طرح محترمہ کے خلاف دھاندلی کروائی گئی اور ووٹ محمد ایوب خان کو دلوائے گئے۔

محترمہ کا اتنا شاندار استقبال ہر اسٹیشن پر ہوا۔ گاڑی رکتی یا روک لی جاتی۔ لوگ ٹڈی دل کی طرح اتر آتے۔ انجن سے لے کر گاڑی کے ہر ڈبے میں لوگ ہی لوگ تھے۔ پلیٹ فارم پر تل رکھنے کی جگہ نہ ملتی ریل کی پٹڑی انسانوں سے بھری ہوتی' درختوں پر انسان' کھمبوں پر انسان' ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ محترمہ کو دیکھ لے اتنے میں محترمہ کمرہ سے باہر آئیں ایک جھلک کی تمنا ہر غریب' نوجوان' امیر بڑے کی خواہش تھی۔ عقیدت ایسی کہ بیان کرنا مشکل ہے جوں ہی گاڑی آہستہ ہوتی رکتی اور لوگ دوڑتے اور اظہار محبت کرتے۔ اسٹیشن پر لاؤڈ سپیکر بیٹری والا رکھا جاتا جو بیٹری سے چلتا تھا۔ حبیب جالب مرحوم نوجوان تھا۔ جوش تھا' جذبہ تھا' تڑپ تھی' آمریت کے خلاف نقطہ نظر کی جنگ تھی۔ انہوں نے جرأت کے پھول یوں پھینکے'' یہ ماں ہے اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ ادھر آؤ''

زبان میں وہ لذت تھی کہ دل پر بجلی کی طرح گرتی تھی۔ باقی اشعار یاد نہیں آرہے ہیں ایک ایسا سماں بنتا تھا کہ لوگ جوش میں آکر نعرے لگاتے تھے۔ ملت کی آواز تھی لیکن راہزن قابض تھے۔ حبیب جالب کی ذہنی تخلیق اسی موقع و محل پر بیٹھی کہ سارا ٹرین کا سفر جوش میں کٹا۔ لیکن کسی جگہ بھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا گیا۔

محترمہ کا لاہور سے ٹرین کا سفر رابطہ عوام کی مہم تھی اور ایوب خان کی حکومت کو بڑا چیلنج تھا بڑا جوش تھا اس ڈکیٹر کا لوگوں پر جو اثر تھا وہ توڑ دیا گیا اور فوجی حکومت کو خطرات لاحق ہو گئے۔

جوں ہی ٹرین جمہوریت کسی اسٹیشن پر پہنچتی قائداعظم کی بہن کے فدائیوں کا جم غفیر محترمہ مس فاطمہ جناح کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ان کے ڈبہ پر ٹوٹ پڑتا۔ لوگوں کا جوش و خروش فوجی جنرل کی مخالفت کے لئے ان کا عزم و حوصلہ دیدنی تھا۔ بیان کرنا مشکل ہے محترمہ نہایت خوبصورت انداز میں لوگوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کرتیں کوئی شخص اس عقیدت بھرے نظارے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا مگر مادرِ ملت کی نگاہوں سے

مضبوط عزم اور ارادہ ظاہر ہوتا تھا انہیں اطمینان بھی تھا کہ قوم جاگ اٹھی ہے ہر اسٹیشن پر وہ حوصلہ بخش الفاظ کہتیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کئی لوگ اپنے درمیان صدارتی امیدوار مادر ملت کو دیکھ کر شدت جذبات سے خوشی کے آنسو ان کی آنکھوں میں تیرنے لگتے کیونکہ فاطمہ جناح بالکل محمد علی جناح کی کاپی تھیں آپ کا سفر جمہوریت کی مشعل تھی اور لوگوں کے درمیان محبت کا پل تھا۔

محترمہ خود ہر بڑے اسٹیشن پر تقریر کرتی۔ ان کا چہرہ بالکل قائد کا چہرہ تھا محترمہ کا لب ولہجہ اور زندگی کے ساتھ رویہ بالکل عظیم بھائی کی طرح تھا وہ تھکی ماندی تھیں مگر چہرے پر خوشی کے آثار تھے لوگ ان کو ہر جگہ سلام کہتے جلوس ہر اسٹیشن پر اتنا ہوتا تھا کہ لوگوں کا گزرنا مشکل تھا رضا کار سرگرم تھے۔

وہ انتہائی مشکل حالات میں ہمت نہیں ہارتی تھیں ان میں خود اعتمادی کی چمک عظیم تر تھی خود اعتمادی قائداعظم محمد علی جناح کی طرح تھی انہوں نے تحریک جمہوریت کی شمع کو نہایت جرأت سے روشن کیا۔ انہوں نے عمر کے اس حصہ میں نہایت جانفشانی سے کام لیا سارے ملک کا دورہ کیا اور ان کو جو عزت نصیب ہوئی وہ تاریخ میں کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

الیکشن براہ راست ووٹ سے نہیں تھا بلکہ بنیادی جمہوریت کے 80 ہزار ووٹر تھے ایوب خان کو 52 ہزار ووٹ ملے جبکہ محترمہ کو 28 ہزار ووٹ ملے۔ ایوب خان وقتی طور پر کامیاب ہوگئے اندر سے وہ ہار چکے تھے محترمہ کے ساتھ متحدہ اپوزیشن پارٹیز تھیں۔

8 اکتوبر 1958ء کا مارشل لاء جب آیا تو ملک پر فوج کا قبضہ ہوگیا تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگادی گئی۔ مرکزی و صوبائی تمام سول ادارے میونسپل کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ سب پر فوجی عوامی نمائندوں کی جگہ مقرر ہوگئے اور 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا گیا۔

بنیادی جمہوریت کا قانون ایوب خان نے 1962ء میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اس کا بڑا پروپیگنڈہ کیا گیا پورے ملک میں تقریباً ایک ہزار آبادی کے لئے ایک بی۔ ڈی ممبر مقرر ہوا یہی لوگ صوبائی اسمبلی کا انتخاب کرتے اور یہی ممبر صدر مملکت کا انتخاب

کرتے تھے یہ نظام اس لئے رائج کیا گیا تاکہ ایوب خان کا راستہ ہموار کیا جائے تاکہ وہ طویل عرصہ تک صدر رہیں حاکم وقت نے پولیس کے ذریعے ووٹروں پر دباؤ ڈال کر ووٹ حاصل کئے افسر شاہی نے بی۔ ڈی کا نظام ڈرافٹ کیا الیکشن میں دھاندلی ہوئی۔1962ء کے آئین میں سیاسی پارٹیوں سے پابندی اٹھالی گئی اور خود وہ مسلم لیگ کے صدر بن گئے اور انکے گرد کافی مسلم لیگی اکٹھے ہوگئے ان کی مسلم لیگ کونشن مسلم لیگ تھی انہوں نے صدارت کے لئے انتخاب کرائے۔1965ء میں صدارتی انتخاب ہوئے صدر ایوب کے مقابلے میں متحدہ اپوزیشن سی۔ او۔ پی کی جس میں مسلم لیگ جماعت اسلامی نظام اسلام پارٹی عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی شامل تھی محترمہ فاطمہ جناح صدارتی امیدوار تھیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔اے صوفی)

محترمہ فاطمہ جناح اور خواتین کی فلاح و بہبود

دنیا نے ایسی ہستیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جو تاریخ میں اپنے گہرے نقوش چھوڑ جاتی ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح دور حاضرہ کی ایک ایسی شخصیت تھیں جن کا تابناک ماضی اور خلوص اور قربانی کے انمول کارنامے ہر پاکستانی کے دل میں ایک ایسا اثر چھوڑ گئے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ اور ابھریں گے۔ ایک خاموش کارکن کی حیثیت سے انہوں نے قائداعظم کی زندگی اور بعد میں جو کارنامے انجام دیئے وہ معمولی نہیں۔

زندگی بھر قائداعظم کی مونس اور ہمدرد رہیں پاکستان کی تحریک میں ایک سچے محب الوطن کی طرح اپنا کردار ادا کیا اور بعد میں جاہ وحشمت یا کسی مرتبے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ملک قوم کا ایسا درد ان کے دل میں ہمیشہ بسا رہا جو ان کے کردار کے ہر پہلو میں آشکار تھا۔ گھنٹوں کی ملاقات میں بھی وہ اپنے ملنے والوں کے ساتھ ملک وملت کی بہتری اور فلاح کی باتیں ہی کرتی تھیں۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جب قوم کی معمولی سی تکلیف نے انہیں خون کے آنسو نہ رلائے ہوں ان کی زندگی کا ہر فعل اور مقصد اس سرزمین کے لئے تھا وہ ناقابل بیان محبت تھی جو پاکستان کی صورت میں ایک حقیقت بن کر دنیا والوں کے سامنے تھی ۔ انہوں نے کبھی کسی عہدے یا منصب کی پراوہ نہ کی۔ صرف ایک درد تھا قوم کے لئے۔ جسے ہر وقت محسوس کرتی تھیں۔ اور معمولی سی چیز بھی ان کے لئے سوہان روح بن

جاتی تھی۔ زندگی کے اس دور میں بھی وہ نہایت با قاعدگی کی عادی تھیں، اپنا ہر کام خود کرتی تھیں۔ ہر چیز کا دھیان رکھتی تھیں اور ایسی بیدار مغز کہ بعض اوقات ان کے نحیف جسم اور عمر کو دیکھ کر ان کے عزم اور جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن یہ ماننا پڑتا تھا کہ وہ صرف عزم اور ہمت کے سہارے زندہ ہیں ...... اور زندہ انسانوں کی زندگی گزار رہی ہیں...... آئندہ آنے والی نسلیں ان کے عظیم کارنامے فراموش نہیں کریں گی۔ ملک کی خدمت انہوں نے نہایت خاموشی سے کی۔ تصنع و بناوٹ سے انہیں بری طرح نفرت تھی۔ لیکن قوم کے اصرار پر صدارتی انتخاب میں حصہ لے کر جس حکمت اور بردباری سے کام لے کر انہوں نے قابل ستائش کردار ادا کیا۔ وہ قوم کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ شدید سردی میں ملک کے طول و عرض میں گئیں۔ لوگوں سے ملتیں......اور انہیں جمہوریت کے ان بنیادی اصولوں کی یاد دلاتیں جو پاکستان کی تحریک کے روح رواں تھے۔

عوام کو ان کے حقوق یاد دلوائے۔ جن کی خاطر قائداعظم نے مسلمانانِ ہند کے لئے الگ اسلامی مملکت کی تگ و دو زندگی بھر جاری رکھی۔ انگریزوں اور ہندوؤں سے ٹکر لی۔ یہ صرف اس مردِ مجاہد کا ہی کام تھا اور یقیناً اس عظیم ہستی کی عظیم بہن کسی صورت میں اپنے بھائی سے کم نہ تھی۔ زندگی کے لمحے وہ کتنے خوشگوار تھے۔ جب ان کی رفاقت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی باتیں ایسے گہرے نقوش چھوڑ گئی ہیں۔ جنہیں بدلنا آسان نہیں بلکہ مشعل راہ بن گئیں ہیں۔

انہوں نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ نہ یہ خیال کیا کہ دوسروں کا تاثر کیا ہوگا۔ اس لیے انہیں کوئی فکر نہیں تھی۔ جن لوگوں نے انہیں دنیاوی باتوں سے قائل کرنے کی کوشش کی۔ انہیں ہمیشہ ان سے کوفت ہوئی۔ ایک صحیح مومن کی طرح سچائی اور صاف گوئی سے ہمیشہ قائم تھیں اور اس بات کا خیال انہوں نے کبھی نہ کیا کہ وقتی طور پر اس کا اثر کیا ہوگا۔ انہیں اپنے کردار کی بلندی کا اگر احساس نہیں تھا تو اتنا ضرور جانتی تھیں کہ وہ حقیقت پر ہیں۔ ان کا دل صاف ہے اور ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ جھوٹ سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ راست بازی سے کوئی اپنے قصور کا اعتراف کر لیتا۔ تو خندہ پیشانی سے معاف کر دیتی تھیں۔ اپنے گھریلو

ملازموں کے ساتھ بارہا مرتبہ ایسے واقعات پیش آئے کہ وہ غلط بیانی سے کام لیے: تو نہایت ناراض ہوتیں۔ اس بات کا انہیں شکوہ تھا کہ آخر قوم کو کیا ہوگیا ہے؟ جھوٹ کے سہارے کیوں زندہ رہنا چاہتے ہیں ...... کردار کا یہ کھوکھلا پن انہیں ہر چھوٹے بڑے میں خار کی طرح کھٹکتا اکثر کہتیں...... ''یہ زندہ قوموں کی باتیں ہیں؟...... آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔''عوام کے متعلق وہ پر امید تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ' پاکستان کے عوام میں ابھی بھی وہ خوبیاں ہیں' جن کی وجہ سے قائداعظم نے مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پاکستان حاصل کرلیا تھا۔ صرف معاشرے کی برائیوں کو ان کی تذلیل کا ذمہ دار ٹھہراتیں اور کہتیں کہ ابھی بھی اگر انہیں صحیح رہنمائی ملے تو وہ گمراہ نہیں ہوسکتے۔ نااتفاقی کو قوم کے لئے زہر سمجھتیں۔ اس بات کا انہیں بہت دکھ تھا کہ لوگوں میں اتفاق اور محبت نہیں اس لئے وہ تباہی کا شکار ہیں اور کئی ایسی مصیبتیں ٹل سکتی ہیں جو محض ایک دوسرے سے جدا اور الگ رہنے سے انہیں در پیش ہیں اکثر کہتیں کہ صرف مسلمان قوم ہی دنیا بھر میں اس مسئلے کا شکار کیوں ہے؟ آخر وہ بنیادی اوصاف کہاں گئے...... جن سے انہوں نے دنیا میں عزت و آبرو کا ایک ایسا مقام حاصل کرلیا تھا کہ دنیا والے انگشت بدنداں تھے' بار بار کہتیں کہ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر انفرادی طور پر قوم کی ہر ماں اپنے بچوں میں کردار کی بلندی اور وہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرے' تو مجموعی طور پر قوم ایک مرتبہ پھر زندہ ہوجائے گی۔ خواتین کی بہتری انہیں زندگی بھر عزیز رہی۔ دور حاضرہ کی بڑھتی ہوئی آزادی کی خرابیوں کو بہت محسوس کرتیں۔ اور اکثر کہتیں کہ خواتین گھروں کی اہم ذمہ داریوں کو بھول گئی ہیں۔ شوہروں اور بچوں کو گھروں میں سکون اور آرام میسر نہ ہوگا تو یہ قوم کے بہترین شہری کیسے بنیں گے۔ اور ان ذمہ داریوں سے کیسے نبٹیں گے جو انفرادی طور پر ہم میں سے ہر شخص پر عائد ہوتی ہے۔'' یہ صحت بخش آزادی کی حامی تھیں۔ جہاں یکسانیت ہو' اور وہ ماحول پیدا ہو جس میں مرد اور عورت دونوں قوم کے بہترین معمار ثابت ہوں۔ اکثر باتوں میں اپنے نچلے طبقے کا ذکر کرتیں۔ جہاں عورتوں کی حالت اچھی نہیں جہاں انہیں وہ حقوق حاصل نہیں جو صرف مرد کے ورثے کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ جنہیں ہر سختی سہنا پڑتی ہے اور معاشرہ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔ غلط

بے جوڑ شادیاں اور اقتصادی پریشانیاں ان کی زندگی کو گھن کی طرح کھاتی ہیں اور ان کی بہتری کے لئے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اونچے طبقے کی خواتین کی تنظیمیں اور بہبودی کے کاموں سے آخر کیا حاصل ہے؟ جب قوم کا ایک کثیر طبقہ ظلم وستم وتشدد کا شکار ہے۔ ہمیشہ فرماتیں کہ پڑھی لکھی خواتین پر یہ اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کے لئے کچھ کریں اور اپنی اچھی زندگی اور مثال سے ان کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔ اس بات کا انہیں شکوہ تھا کہ ہمارے بہت کم گھر صحیح طور پر ایک صحت مند قوم کی ترجمانی کرتے ہیں۔ گھروں کی چھوٹی موٹی پریشانیاں مالی مشکلات اور ذمہ داریاں زیادہ عورتوں کو سلجھانا ہیں اور یہ اخلاقی طور پر ان کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں میں مردوں کو بیکار نہ کریں اور ان کے دل و دماغ اور بہتر کاموں کے لئے مطمئن رہنے دیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے کردار کی تربیت کی ضرورت ہے۔

بچپن سے ہی ایسی تربیت کی ضرورت ہے جس سے بچوں میں اخلاق کی بلندی تحمل اور خوش مزاجی جیسی چیزیں پیدا ہوں تاکہ ان پر گھر کی ذمہ داریاں عائد ہوں تو وہ کامیابی سے انہیں نباہ سکیں۔ بچپن کے متعلق ہمیشہ کہتیں کہ یہی وہ عمر ہے جب ہمارا کردار بنتا ہے۔ یہی وہ دور ہے جس کے نقوش دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ہمارا معاشرہ اچھی مائیں پیدا کرے۔ کیونکہ قوم اور ملک کی بہتری کا انحصار ان پر ہے۔

خیالات میں پاکیزگی' کردار میں بلندی' اصولوں میں سختی اور قوم کا بے پایاں درد...... یہ سب باتیں ایسی تھیں جو ہمیشہ یاد آئیں گی اور کان ان کی باتیں سننے کے لئے بے تاب ہوں گے۔ ہر موقع اور ہر دور میں ان کی کمی محسوس ہوگی۔ اس ہستی کی یاد کیسے کم ہوگی...... جو پاکستان کے عوام کے لئے قائداعظم کی ہستی کے بعد حیات جاوداں کا پیغام تھی۔ جن کی ہر بات' اور ہر فعل قوم کے لئے تھا۔ جو قوم کے لئے پیدا ہوئیں قوم کے لئے خود کو وقف کیا اور قوم کا درد ہمیشہ ان کے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ وہ شمع ہمیشہ جلتی رہے گی۔ جو انہوں نے اپنے اصولوں سے جلائے رکھی۔ وقت کا دھارا اسے مٹا نہیں سکتا۔ زمانے کے نقوش اسے مدھم نہیں کر سکتے۔ زندگی میں اگر لوگ ان کے مقام کو نہ پہچان سکے تو وقت

انہیں اس کا احساس دلائے گا کہ وہ کن انمول خوبیوں کی مالک تھیں۔ زمانے نے ہمیشہ اپنے رہنماؤں کی قدر ان کی زندگی کے بعد کی ہے...... محترمہ فاطمہ جناح بھی ان میں سرفہرست ہیں...... ان کے دم سے قوم کو آسرا تھا۔ ان کی اچانک اور المناک موت سے پاکستان کے رہنے والے بے آسرا ہو گئے ہیں غم کی تاریک و اندھیری گھٹاؤں نے اس منحوس خبر سے انہیں پژمردہ بنا دیا ہے۔ وہ رہنمائی کے متلاشی رہیں گے اور اس مقدس روح کی جھلک کے لئے ترسیں گے۔

اس سے بڑھ کر خراج عقیدت ہم لوگ انہیں کیا پیش کر سکتے ہیں کہ ان کے اصولوں کو زندگی بھر یاد رکھیں، اور ان پر چلنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے ہمیشہ قائداعظم کی یاد لوگوں میں تازہ کی...... اور پاکستانیوں میں حب الوطنی، ایثار اور قربانی کا بے لوث مادہ پیدا کرنے کی بے انتہا سعی کی۔

از ثریا خورشید نوائے وقت جولائی 1996ء)



بہن بھائی (قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ ایک پہاڑی مقام پر چھٹیاں گزارنے کا ایک منظر)



ملیر چھاؤنی کراچی میں اینٹی ایئر کرافٹ گن کا معائنہ قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کر رہے ہیں

مشرقی عورت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی نظر میں

قائداعظمؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری جناب کے ایچ خورشید مرحوم (سابق صدر آزاد کشمیر) قائداعظمؒ کی وفات کے بعد کراچی میں وکالت کرتے تھے اور مادرِ ملت کے ہمراہ فلیگ سٹاف ہاؤس کے ایک حصہ میں رہائش پذیر تھے۔ 1956ء میں ان کی شادی سیالکوٹ میں مقیم انکے چچا ڈاکٹر نور حسین صاحب کی صاحب زادی محترمہ ثریا خورشید سے ہوئی۔ شادی کے بعد ثریا خورشید صاحبہ نے ایک عرصہ فلیگ سٹاف ہاؤس میں مادرِ ملت کے ہمراہ گزارا۔ اپنے قیام کے دوران محترمہ ثریا خورشید صاحبہ نے روزمرہ کے واقعات اور مادرِ ملت کے افکار کو ڈائری کی شکل میں محفوظ کرلیا تھا جو بعد میں ''محترمہ فاطمہ جناح کے شب و روز'' کے نام پر کتابی صورت شائع ہوئی محترمہ کے افکار جو وہ مشرقی عورت کے بارے میں رکھتی تھیں۔ اسی ڈائری سے اخذ کئے گئے ہیں۔ محترمہ ثریا خورشید رقمطراز ہیں کہ جب وہ بذریعہ تیز گام کراچی جارہے تھے تو کراچی پہنچنے سے پہلے خورشید نے انہیں سختی سے تاکید کی میں لمبی آستینوں والی قمیض پہنوں اور ہلکے رنگ کا سوٹ زیب تن کروں کہ مادرِ ملت عورتوں کے لئے ستر پوشی کے نقطہ نظر سے آدھی آستینوں والی قمیض اور شوخ رنگوں کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ محترمہ ثریا لکھتی ہیں کہ مادرِ ملت نے مجھے دیکھ کر کہا شکر ہے کہ تم نے ناخن نہیں بڑھا رکھے۔ انہوں نے فرمایا کہ انہیں اور قائداعظمؒ کو بھی مصنوعی لمبے ناخنوں سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے کہا کہ مغرب کا یہ کلچر نہ جانے کیوں ہم پر بری طرح مسلط ہو رہا ہے۔

عورتوں کی گری ہوئی معاشی و معاشرتی حالت سے متعلق مادرِ ملت نے فرمایا اس

حالت کے پیش نظر یہ بہت ضروری ہے کہ عورت اقتصادی لحاظ سے خوشحال ہو۔ مردوں پر ہی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کا زیادہ خیال رکھیں اور انہیں مالی طور پر کسی قسم کی تنگی محسوس نہ ہونے دیں۔ ثریا خورشید قمطراز ہیں کہ میں نے کہا کہ شاید اسی وجہ سے آجکل عورتوں کی کثیر تعداد شادی نہیں کرتی اور اقتصادی طور پر آزاد رہنا چاہتی ہے۔ مادر ملت نے جواب دیا "نہیں ایسی بات نہیں ہے اس سے سماج اور سوسائٹی کا نظام بھی خراب ہو جائے گا۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھیں۔ باہم مشورے سے گزارے کی صورت حال بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ ایک دوسرے کی خواہشات واحساسات کا خیال رکھیں۔ لیکن اس سلسلہ میں زیادہ فرائض عورت پر عائد ہوتے ہیں۔ وہ مرد کی طبیعت بدل سکتی ہے۔ دن بھر کی پریشانی کے بعد جب مرد تھکا ہارا گھر پہنچے تو اسے گھر میں پورا پورا سکون اور راحت نصیب ہونی چاہیے۔ جو ایک اچھی عورت اور اچھے گھر کی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ موقع محل دیکھ کر بات کرے۔ اگر کسی وقت کوئی ناراض بھی ہو تو اس وقت درگزر کرے اور مناسب وقت پر اظہار شکایت کرے۔ عورت اگر چاہے تو پورے معاشرے کا نظام بدل سکتی ہے۔ مرد فطرتاً آزاد طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ اور اپنے ذاتی معاملات میں کسی دوسرے کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ عورت دخل در معقولات سے پرہیز کرے اور مرد کو زیادہ سے زیادہ سکون پہنچانے کی کوشش کرے۔"

ثریا خورشید نے کہا کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود مرد کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس پر عورت کے کس قدر حقوق واجب ہیں۔ اکثر اوقات وہ عورت پر زیادتی ۔ انہیں رہتا اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ہنس کر جواباً کہا "تم نہیں جانتیں تجربہ نہیں ہے۔ یہ کبھی نہ بھولو کہ مرد سطحی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ بحث کر کے تم اسے قائل نہیں کر سکتیں۔ اس لئے تم اس سہانے وقت کا انتظار کرو کہ جب وہ خود تمہارے کہنے کے بغیر تمہارے عمل سے قائل ہو جائے۔ عورت کو ہمیشہ مرد سے زیادہ قربانی دینا پڑتی ہے۔ اسی قربانی میں اسکی بڑائی ہے۔

مادر ملت نے ایک دن کہا کہ ضروری نہیں پڑھی لکھی ہی مکمل عورت ہے بلکہ وقار،

تمکنت اور Grace ایسی چیزیں ہیں جو ایک عورت میں ضروری ہیں۔ یہ اوصاف ہیں جو ایک عورت کو مکمل عورت بناتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مکمل عورت کون ہے۔ ماڈرن عورت یہ سمجھتی ہے کہ چونکہ وہ انگریزی بول سکتی ہے۔ فیشن کے مطابق کپڑے پہن سکتی ہے۔ اس لئے اس میں عورت کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ عورت تو محبت' شفقت' اور ہمدردی کا بحر بیکراں ہے۔ جس سے گھر والے احباب اور ہمسائے سب سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری عورتیں ایسا نہیں سوچتیں۔ عورت کی تنگ نظری کی وجہ سے گھروں میں طوفان اٹھتے ہیں۔ پریشانیاں جنم لیتی ہیں۔ اور چین و سکون کی کوئی شے نظر نہیں آتی۔ مادر ملت نے زور دے کر کہا کہ تم جیسی پڑھی لکھی عورتوں کا فرض ہے کہ کسی مشین کی طرح مصروف عمل ہو کر دوسروں کو ہم خیال بنائیں۔ ہر بات میں مردوں کی برابری کوشش و خواہش معاشرے میں ایسے اہم مسائل پیدا کر دیتی ہیں جس سے سارا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے آپس کے تعلقات قائم نہیں رہ سکتے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قائداعظم بھی عورتوں کو شمع محفل نہیں بنانا چاہتے۔ آزادی نسواں کے قائل تھے لیکن لوگ آزادی نسواں کا مطلب غلط سمجھتے ہیں۔ آزادی کا مطلب بھٹکنا نہیں ان راہوں پر عمل پیرا ہونا ہے۔ جس پر چلنے میں عزت و وقار' آبرو اور عروج نصیب ہوتا ہے۔

ایک موقع پر محترمہ ثریا خورشید نے مادر ملت سے سوال کیا کہ مغربی اثرات بڑھ رہے ہیں ہم زبان، لباس اور بود و باش میں مغربیت کا اثر قبول کیوں کر رہے ہیں جواباً مادر ملت نے فرمایا!

دنیا ایک چھوٹی سی جگہ ہے یہاں پر ایک ملک یا قوم کا دوسرے ملک یا قوم پر اثر ڈالنا ایک قدرتی سی بات ہے لیکن بنیادی طور پر ہمیں اپنی روایات و اقدار کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ یہ روایات و اقدار ہر گھر میں سکھائی جانی ضروری ہے۔ لہذا ایسی ماؤں کی ضرورت ہے جو اپنے بچوں کو اپنے ماحول' کلچر' کے مطابق تربیت دیں۔

علم اور فہم صرف ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس تعلیم و تربیت سے ملتا ہے جو ہم خود اپنے آپ اور اپنے ماحول سے حاصل کرتے ہیں۔ مادر ملت نے افسردہ ہو کر کہا کہ

دراصل پاکستان بننے کے بعد ہمیں بہت کچھ مل گیا ہے اور اب ہم اپنا توازن کم ہی برقرار رکھ سکیں گے۔

مادرِ ملت نے ایک مقامی کالج کے مباحثہ میں صدارتی تقریر فرماتے ہوئے کہا

گھر اور گھر کا خوشگوار ماحول صرف عورت پر منحصر ہے اور ایک پڑھی لکھی لڑکی کو اسکا زیادہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ اپنے گھر کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور خوشگوار بنائے۔ جب ایک پڑھی لکھی لڑکی اچھی بیوی اور اچھی ماں ثابت نہیں ہوتی تو ان حالات میں بھی ہم تعلیم کو ہرگز برا نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس میں قصور بھی سراسر اس لڑکی کا اپنا ہے۔

(مفتی محمد طفیل گوندی نوائے وقت 9 جولائی 2002ء)



قائداعظم اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ۔ ہمپسٹڈ، لندن ۱۹۳۲ء

محمد علی جناحؒ کی عظمت
اور بہن کا کردار

محترمہ فاطمہ جناحؒ کی شخصیت ہماری قومی سطح پر پہلے تو اس لئے ابھری کہ آپ نہ صرف بابائے قوم کی بہن تھیں بلکہ آپ نے اپنے بھائی کے ساتھ ہر نشیب وفراز میں ان کا ایسا ساتھ دیا کہ یہ دیکھنے والوں نے یہ جانا کہ ان کا عظیم قائد پہاڑوں جیسے فیصلے کرتے وقت اپنی بظاہر نحیف و کمزور بہن سے حوصلہ اور ہمت حاصل کرتا ہے۔ افریقہ کے جنگلوں کی ایک کہانی ہے کہ اگر چہ سورج بہت طاقتور ہوتا ہے لیکن بادل جو اس کی کرنوں کی گرمی کو موسلا دھار بارش میں تبدیل کرتے ہیں اس کی اصل قوت ہیں کیونکہ اگر بارش نہ ہو تو سورج کو دیوتا کا مقام کون دے۔ بغیر بارش تو زمین کا ہر پتا جھلس جاتا ان قصے کہانیوں میں بڑے پتے کی اور دلکش باتیں ہوتی ہیں۔ مجھے محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت پر نگاہ ڈالتے ہوئے یہ احساس ہوا کہ وہ مس جناح ہی تھیں جنہوں نے مسٹر محمد علی کو قائداعظم بننے میں مدد دی۔

لیکن پاکستان بن جانے کے بعد نہ صرف قومی سطح کی اہم شخصیت رہنا بلکہ عوام کے دلوں پر راج اپنی زندگی میں اور بعد بھی قائم کئے رکھنا اس ماضی کی وجہ سے نہیں ہوسکتا جو صرف قائد کی ذات سے منسلک تھا۔ بات اس سے زیادہ ہے اور یہ ایک ایسا پہلو ہے جو قابل غور اور تجزیہ میں اس کو محترمہ جناحؒ کے لئے بطور خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قائداعظم کی زندگی تک تو مس جناحؒ نے جو کچھ کیا وہ کوئی بہن کسی بھی بھائی کے لئے کرسکتی تھی۔ یہ قدرتی اور عام بات ہوتی۔ لیکن محمد علی جناحؒ صرف ایک شخص کا نام نہیں تھا وہ

ایک سوچ اور ذہن کا نام بھی ہے ۔سوال یہ ہے کہ کیا فاطمہ جسم اور پیکر کے چلتے پھرتے بھائی کا ساتھ دیتی تھیں یا انہیں اس سوچ اور ذہن سے بھی ہم آہنگی تھی جو محمد علی جناحؒ کی سوچ تھی۔ کیا وہ اپنے بھائی سے ایک ماں باپ کے ناطے سے پیار کرتی تھیں یا نہیں اپنے بھائی کے خوابوں اور ارادوں سے پیار تھا۔قائداعظم کی وفات کے بعد قدرت نے جو وقت محترمہ جناح کو دیا اس میں ثابت ہوا کہ ان کو اپنا بھائی اس لئے بے حد پسند تھا۔ کہ وہ ان کے خیالات کی اونچائی اور خوبصورتی کی معترف تھیں اور ان کی سچائی پر یقین رکھتی تھیں۔ ان کو یہ موقعہ ملا کہ وہ یہ ثابت کرسکیں کہ انہیں اپنے بھائی کے جمہوری مزاج سے پیار تھا اور وہ اپنے بھائی کو اس لئے چاہتی تھیں کہ ان کا بھائی آمریت سے نفرت کرتا تھا۔ وہ ثابت کرسکیں کہ وہ اپنے بھائی کے لئے دن رات اس لئے ایک کرتی تھیں کہ ان کا بھائی یہ چاہتا تھا کہ پاکستانی عوام کے دن رات آزادی اور حریت کی فضا میں بسر ہوں اور وہ ہر طرح کی غلامی سے نجات حاصل کرسکیں۔

وہ یہ ثابت کرسکیں کہ ان کا بھائی انہیں جگہ جگہ اس لئے لے گیا کہ بھائی تو دھونس جما کے کہ وہ مرد اور عورت کے مساوی حقوق کا قائل تھا۔ اور اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ خواتین مردوں کے ساتھ ساتھ ملک کی تعمیر و ترقی میں برابر کی شریک ہیں۔بہر حال قدرت نے فاطمہ جناح کو یہ تمام باتیں ثابت کرنے کا موقعہ دیا اور واقعات سے یہ ثابت ہوا کہ وہ قائداعظمؒ کے اصل ورثہ یعنی پاکستان سے پیار کرتی تھیں جو ان کے بھائی کی سوچ تھی یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان کی سیاسی فضا مکدر ہونے لگی تو اپنی انہی سوچوں کی تجدید میں محترمہ فاطمہ جناحؒ نے **1965**ء کے انتخابات میں حصہ لیا۔ **1965**ء کا سال اس لیے اہم ہے کہ یہ انتخابات کا سال تھا اور انتخابات پر مبنی جمہوریت حزب اختلاف کے بغیر چل نہیں سکتی **1965**ء کے ان دنوں میں حزب اقتدار تو موجود تھا اس کا مقابلہ کرنا اور حزب اختلاف کی بنیاد رکھنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ یہ ذمہ داری محترمہ جناحؒ نے پوری کی ۔ اس وقت کے بڑے بڑے سیاستدانوں کو اس کارروائی سے حوصلہ ہوا۔شکست اور فتح سیاست کا معیار نہیں ہوتی۔تو میں یہ کہوں گا کہ اگر **1965**ء میں مس جناحؒ نے حزب اختلاف کا کردار اس شان سے ادا نہ کیا ہوتا تو غیر جماعتی بنیادوں پر قائم ہونے والی اسمبلی میں یہ کہنے والا کوئی نہ ہوتا کہ مارشل لاء اور سول حکومت اکٹھے نہیں چل سکتے یہ ان کی ہمت کی بازگشت

ہے جو آج آپ کبھی کبھار سن لیتے ہیں اور لوگ مارشل لاء سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں یہ روشنی اسی اونچے مینار سے معکوس ہو کر آجاتی ہے۔

آج کل اکثر لوگ پاکستان میں مایوسی کی بات کرتے ہیں۔ خود مجھے بھی کئی بار الجھن ہو جاتی ہے کہ کیا جمہوری روایات پر قائم رہنے والے کبھی کامیاب بھی ہوں گے یہ الجھن اس لئے ہوتی ہے کہ بار بار ایسے لوگوں کو ملک کی قسمت سے کھیلتے دیکھا ہے جو اس کے کسی طرح حق دار دکھائی نہیں دیتے اور ایسے لوگوں کے ارد گرد ایک ہی قسم کا گروہ ہر وقت موجود پایا ہے لیکن انسان فطرتاً خوش فہم ہوتا ہے اور سیاست کی دنیا میں تو خوش فہمی عادت بن جاتی ہے۔ سیاست دان اپنے خواب ٹوٹنے نہیں دیتا۔

اسے ہر دم منزل مقصود سامنے نظر آتی ہے۔ بہر حال اسے خوش فہمی کہیں۔ یا میری طبیعت کی اٹھان یا ہونے والی حقیقت مجھے یقین ہے کہ پاکستانی قوم کے مزاج کے کسی ایک کونے میں بے پناہ جمہوری قوت چھپی پڑی ہے۔ چند قائدین ہی اس خزانے تک پہنچ سکے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے لئے خزانہ کھل گیا تھا اور یہ عجب صندوق ہے کہ اس میں سے جتنا بھی مال نکالو خزانہ اور بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ کھلتا اس کے لیے جو واقعی جمہوریت کا قائل ہو اور جس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ یہ جمہوری مزاج آج بھی قوم میں موجود ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ محترمہ جناحؒ کے سیاسی کردار کے اونچے مینار سے چھنتی ہوئی روشنی راہ دکھاتی رہے گی۔ اور قوم جمہوری مزاج کا خزانہ لئے بیٹھی ہے اور جب کوئی حق دار دستک دے گا تو پھر وہ اسے مالا مال کر دے گی۔ پھر سلطانی جمہور کا دور ہوگا۔ جس میں عزت نفس مخصوص طبقوں کے لئے نہ ہوگی بلکہ مشترک ہوگی جس میں انسانی حقوق مانگے نہیں جائیں گے بلکہ بانٹے جائیں گے۔ جس میں پاکستان کے بچے، جوان اور بوڑھے ایک جان ہو کر ملک کی حفاظت کریں گے پھر پاکستان عدم جارحیت کے معاہدہ کی بھیک نہیں مانگے گا۔ پھر ملک میں بے وقت کی راگنی بجانے والے جو کنفیڈریشن کی گفتگو کرتے ہیں وہ خود گھروں میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور اس طرح دندناتے نہ پھر سکیں گے۔ پھر ایٹمی توانائی حاصل کرنے کے لئے ہم کسی دھمکی سے خائف نہ ہوں گے قوم کی توانائی ہماری ترقی کی ضمانت ہوگی مجھے یقین ہے وہ وقت آئے گا۔

(تحریر: از ایس ایم ظفر ہفت روزہ فیملی میگزین 13 جولائی 1996ء)



بہن بھائی قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ کا خاص انداز

مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ

تحریک پاکستان کا جب بھی ذکر ہوگا' اس عظیم جدوجہد کے قائدین میں سرفہرست مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کا نام گرامی آئے گا۔ جنہوں نے بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے دوش بدوش تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور برصغیر کی مسلم خواتین میں بیداری پیدا کی اور انہیں متحرک اور منظم کر کے ان میں تحریک پاکستان میں حصہ لینے کا عزم پیدا کیا۔ انکی زندگی کا بڑا حصہ قائداعظمؒ کی رفاقت میں گزرا۔ بانئ پاکستان کی وفات کے بعد بھی وہ ملک وقوم کی خدمت سرانجام دیتی رہیں اور اس ضمن میں انکی خدمات انتہائی گراں قدر اور قابل ستائش ہیں۔ وہ بیباک' معاملہ فہم اور زیرک خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی اصولوں کی سربلندی کیلئے وقف کیے رکھی۔

وطن عزیز پاکستان کی یہ ہر دلعزیز خاتون 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں جناح پونجا کے ہاں پیدا ہوئیں۔ ابھی دو برس کی تھیں کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ قائداعظم ان دنوں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مادرِ ملت نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی بعد میں پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ جب آٹھ برس کی ہوئیں تو والد کا سایہ اٹھ گیا اسکے بعد قائداعظم نے آپکی تعلیم و تربیت کا فرض اپنے ذمے لے لیا۔ اس زمانے میں کسی مسلمان لڑکی کو انگریزی تعلیم دلانا آسان نہ تھا مگر قائداعظم نے بڑی جرأت سے کام لیا اور انہیں انگریزی پڑھانے کا اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لیے انہیں ایک کانونٹ سکول میں داخل کیا گیا۔ بعد میں آپ بمبئی کے مختلف سکولوں میں زیرِ تعلیم رہیں۔ میٹرک کے بعد مادرِ ملت نے

تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ کچھ عرصہ گھر پر مطالعہ کرتی رہیں اور بعد ازاں 1926ء میں دندان سازی کی تربیت حاصل کرنے کلکتہ چلی گئیں۔ دو برس کے بعد تعلیم مکمل کرکے آپ بمبئی واپس آئیں اور دو برس تک پریکٹس کی۔ 1930ء میں جب قائد اعظم راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے تو مادر ملت بھی انکے ہمراہ تھیں۔ آپ نے پانچ برس لندن میں قیام کیا اور اس دوران یورپ کے مختلف ملکوں کا دورہ کیا۔ لندن سے واپسی پر جب قائداعظم نے 1935ء میں مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی تو مادر ملت بھی عملی سیاست میں فعال ہوگئیں۔ انہی دنوں قائداعظم حضرت علامہ اقبالؒ کو ملے اور علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں قیام پاکستان کا ابتدائی خاکہ پیش کیا۔ قائداعظمؒ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مسلم لیگ کو منظم کرنے اور اسکے پلیٹ فارم سے برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کیلئے میدان سیاست میں سرگرم عمل ہوئے تو دیکھتے ہی دیکھتے قیام پاکستان کی جدوجہد فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوگئی۔

اس جدوجہد میں ہر مقام پر مادر ملت اپنے بھائی کے دوش بدوش رہیں اور انکا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ چنانچہ جب مارچ 1940ء میں مسلم لیگ نے اپنے تاریخی اجلاس میں قرار داد لاہور منظور کی تو مادر ملت نے برصغیر بھر کی مسلم خواتین پر پاکستان کا مطلب واضح کرنے اور انہیں متحرک اور منظم کرنے کیلئے جدوجہد شروع کردی۔ اس دوران آپ نے اگست 1942ء کو کوئٹہ میں خواتین کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہم مسلمان بہت چین کی نیند سو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری قوم نے ہمیں کمزور سمجھ کر دبانا شروع کردیا۔ اگر ہم کچھ دن اور نہ جاگتے تو ہمارا نام ونشان مٹ چکا ہوتا۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری بقاء ہماری قوت پر منحصر ہے۔ اسی خیال سے مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ 23 مارچ 1940ء میں قرار داد لاہور منظور کرکے الگ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا ہے پاکستان کا قیام ہی ہندوستان کی سیاسی مشکلات کا حل ہے۔''

قرارداد لاہور کی منظوری کے بعد قائداعظمؒ سیاسی محاذ پر از حد مصروف ہوگئے تھے۔ اس وقت پوری قوم کو ایک نصب العین کے حصول کیلئے صف آراء کرنے کا مسئلہ درپیش

تھا۔ ایسے عالم میں مادرِ ملت نے خواتین کو منظم کرنے کا کام کیا اور نہایت قلیل عرصے میں برصغیر کی تمام مسلم خواتین کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ مادرِ ملت کا کہنا تھا کہ خواتین اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کریں کیونکہ خواتین کے تعاون کے بغیر پاکستان کا قیام ممکن نہیں۔

بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کو شباب میں اپنی اہلیہ کی وفات کا جانکاہ صدمہ سہنا پڑا۔ اس وقت محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی کی گھریلو اور معاشرتی پریشانیوں کا دلسوزی سے احساس کیا اور وہ انکی خدمت پر کمر بستہ ہو گئیں۔ انہوں نے قائداعظمؒ کو گھریلو تفکرات سے بالکل آزاد کر دیا تھا کہ وہ حصول پاکستان کی جدوجہد میں پوری توجہ اور دلچسپی سے حصہ لے سکیں۔

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح ایک فقید المثال خاتونِ خانہ ہی نہیں تھیں بلکہ سیاست کے میدان میں بھی انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ وہ سیاسی معاملات میں اکثر قائداعظمؒ کو مشورے دیا کرتی تھیں۔ انکی صحت کا خیال رکھتیں، پروگرام مرتب کرتیں، وہ قائداعظمؒ کی بہن ہی نہ تھیں، مخلص دوست، دردمند ساتھی، بہترین مشیر حوصلہ بخش رفیق اور عظیم طاقت ثابت ہوئیں۔ اس کا اعتراف خود قائداعظم نے متعدد موقعوں پر کیا۔ انہیں اپنی بہن کی بے لوث خدمت اور محبت کا پورا اعتراف تھا۔ اس کا ثبوت اس سے بڑا کیا ہو سکتا ہے کہ بابائے قوم نے جنہیں خوشامد اور چاپلوسی سے سخت نفرت تھی، اگست 1947ء کو غلام حسین ہدایت اللہ مرحوم کی جانب سے دی گئی دعوت میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تفکرات، پریشانیوں اور سخت محنت کے اس زمانے میں جب بھی گھر آتا تھا تو میری بہن روشنی اور امید کی تیز شعاع بن کر میرا استقبال کرتی، اگر وہ میری نگراں نہ ہوتی تو میرے تفکرات کہیں زیادہ ہوتے۔ میری صحت کہیں زیادہ خراب ہوتی اس نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ کبھی شکایت نہیں کی اسکے حسن سلوک سے میری ساری تکلیفیں دور ہو جاتیں۔

مادرِ ملت کی عظمت کا قائداعظمؒ سے بڑا گواہ کون ہو سکتا ہے!

قیام پاکستان کے بعد مادرِ ملت مہاجرین کے مسائل میں بے حد دلچسپی لیتی رہیں

وہ دیانتداری اور لگن سے محنت کرنے اسراف سے بچنے اور سادہ بامقاصد زندگی بسر کرنے کی تلقین کیا کرتیں' وہ نہایت نرم دل اور خوش اخلاق خاتون تھیں جو قائداعظمؒ کی طرح پابندی وقت کا خیال رکھتیں۔ وہ قومی مسائل پر اکثر بے لاگ تبصرہ اور اظہار خیال کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ حکمرانوں کے آمرانہ عزائم اور طریق کار کی شدید مخالفت کی۔ وہ وطن عزیز پاکستان کو ایک اسلامی جمہوری اور نظریاتی مملکت کے طور پر پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی تھیں۔ اسی طرح انہیں ملک کی خارجہ پالیسی سے شدید اختلاف رہا۔

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں جمہوری اقدار کی بقاء اور فروغ کیلئے پیرانہ سالی کے باوجود جو جدوجہد کی وہ ہماری قومی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے جو آپ نے حزب اختلاف کی جانب سے ایوب خان مرحوم کے خلاف صدارتی امیدوار بننا منظور کرلیا انکے صدارتی امیدوار بننے سے جہاں حزب اختلاف مستحکم ہوئی وہاں صدارتی انتخاب کی اہمیت بڑھ گئی اور قائداعظم کی وفات کے بعد وہ ایک بار پھر قائداعظم کی طرح قوم کی امنگوں اور امیدوں کا محور مرکز بن گئیں۔ مادر ملت نے انتخابی مہم کے سلسلے میں ملک کے دونوں حصوں (مغربی اور مشرقی پاکستان) کے طوفانی دورے کیے آپ جہاں بھی گئیں عوام کی جانب سے فقید المثال استقبال کیا گیا۔ قوم نے جمہوریت کی شمع کو بلند رکھنے کیلئے انکا بھرپور ساتھ دیا۔ اگر انتخابات میں عوام کی خواہش کا احترام کیا جاتا تو مادر ملت یقیناً کامیاب ہوتیں اور انکی کامیابی کی صورت میں جمہوری اقدار کو تحفظ اور فروغ حاصل ہوتا اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی راہ ہموار نہ ہوتی۔

راقم الحروف کو گذشتہ برسوں میں دوبار بنگلہ دیش جانے کا موقع ملا اور یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت اور مسرت ہوئی کہ بنگال کے عوام آج بھی قائداعظمؒ مادر ملت' شیر بنگال اور تحریک پاکستان کے دیگر زعماء کو اپنا قومی رہنماء اور نجات دہندہ مانتے ہیں کیونکہ ان رہنماؤں کی انتھک اور پرخلوص جدوجہد کے باعث برصغیر کے مسلمانوں کو انگریز سامراج اور ہندو بنئے کی غلامی سے نجات حاصل ہوئی ہے۔ ڈھاکہ میں مجھے متعدد تقریبات میں شرکت کا موقع ملا۔ ان تقریبات میں وہاں کے سیاسی کارکنوں اور دانشوروں نے مادر ملت کو خراج

تحسین پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ مادرملت نے ایوب خان کے خلاف صدارتی امیدوار بن کر قوم میں امید کی نئی لہر پیدا کی اور وہ روشنی کا مینار بن کر سامنے آئیں۔ اگر وہ انتخابات میں کامیاب ہوجاتیں تو پاکستان دولخت نہ ہوتا۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کے عوام نے واضح اکثریت سے مادرملت کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ مادرملت کے صدر نہ بننے سے بنگالی عوام میں احساس محرومی کو فروغ ملا۔

بنگالی بھائی آج بھی اشکبار آنکھوں سے ڈھاکہ کے تاریخی پلٹن میدان میں 28 فروری 1964ء کو منعقد ہونے والے تاریخی جلسہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ جس میں مادرملت نے ہرقسم کے استحصال کا خاتمہ کر کے پاکستان کو ایک جمہوری اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔

9 جولائی 1967ء کو حق وصداقت کی یہ آواز ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی۔ وہ رات کو اچھی سوئیں اور صبح بیدار نہ ہوئیں۔ مادرملت کی رحلت سے برصغیر کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا ایک درخشاں باب ختم ہوگیا۔ ہماری یہ قومی ذمہ داری ہے کہ قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات مناتے ہوئے ہم نئی نسل کو مادرملت اور تحریک پاکستان کے دیگر زعماء کے شاندار کردار اور ملی خدمات اور تعلیمات سے روشناس کرائیں ہمیں ان رہنماؤں کی خدمت اور تعلیمات کو نصاب تعلیم کا حصہ بنانا چاہیے تاکہ طالب علم نظریہ پاکستان کی روح سے روشناس ہوں اور اس حساس اپنائیت اور رشتے کو زندہ کیا جاسکے۔ جس نے تحریک پاکستان میں کومیلا سے کراچی تک برصغیر کے مسلمانوں کو یکجا اور یکجان کردیا تھا۔

(تحریر: از شاہد رشید روزنامہ نوائے وقت لاہور 9 جولائی 1997ء)

Another photograph showing the Quaid-e-Azam, Mohtarma Fatima Jinnah, Nawabzada and Begum Liaquat Ali Khan enjoying a horse-ride



قائداعظم محمد علی جناحؒ، محترمہ فاطمہ جناحؒ، نوابزادہ لیاقت علی خان اور بیگم لیاقت علی خاں گھوڑ اسواری کا ایک منظر



مصر میں اونٹ سواری کا منظر محترمہ فاطمہ جناح اور قائداعظم محمد علی جناحؒ

محترمہ فاطمہ جناح کے شب و روز

آٹھ بہن بھائیوں کے خاندان میں محترمہ فاطمہ جناح ساتویں نمبر پر تھیں۔ تاریخ نے قائداعظم کو پاکستان کے خالق اور برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کے لیڈر کی حیثیت سے ایک منفرد مقام سے نوازا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اور یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم کی طویل سیاسی اور نجی زندگی میں جو کردار محترمہ نے ادا کیا وہ بھی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

محترمہ کے ساتھ فلیگ، سٹاف ہاؤس میں میرا قیام نہایت پرلطف تھا وہ دن میری زندگی کا اثاثہ ہیں بہترین اثاثہ جن کی یادیں بڑی ہی دلکش ہیں۔ اس زمانہ میں وہ بہت متحرک تھیں۔ ملک کے سارے نامور سیاست دان، مسلم لیگی لیڈر اور دوسرے اہم لوگ انہیں ملنے صبح وشام آتے تھے۔ سیکرٹری اوقات مقرر کرتا۔ انہیں صبح مطلع کرتا تھا اور اس طرح نشست گاہ لوگوں سے آباد رہتی۔ میں بھی صبح کا زیادہ وقت محترمہ کے ساتھ گزارتی تھی۔ اس طرح مجھے بھی موقع ملا کہ ایسے لوگوں کو قریب سے دیکھوں اور ملوں جن سے ویسے ملنا قطعی ناممکن تھا۔ میرے لئے یہ بڑا انوکھا اور دلچسپ تجربہ تھا اس نوعمری میں بڑے لوگوں کا قرب ایسی عجیب بات تھی کہ میں پہروں سوچتی کہ کیا یہ حقیقت ہے خواب تو نہیں کہ میں محترمہ کے قریب ہوں۔ ان کی باتیں سنتی ہوں۔ ان کے خیالات جانتی ہوں ان کے شب وروز کی مصروفیات دیکھتی ہوں اور پھر ایسے لوگوں سے ملتی ہوں جن کا صرف نام ہی سنا ہوا تھا۔ محترمہ کی عادت تھی کہ رات کے کھانے پر اکثر دوچار اور بعض اوقات زیادہ لوگوں کو

بلالیتیں۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں باتیں ہوتیں ملک کی سیاست پر، تحریک پاکستان پر، مسلم لیگ کے نظریئے پر، قائداعظم کے ارشادات پر، ان کی حکمت عملی پر، اور محترمہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتیں۔ دوسرے لوگ بھی بولتے۔ محترمہ کبھی اختلاف کرتیں، کبھی حامی بھرتیں، لیکن اتنا ہے کہ ان کے دلائل، ان کی رائے، ان کے خیالات کے سامنے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ ان کی سوچ بڑی وزن دار ہوتی، کھل کر رائے کا اظہار کرتیں پھر اس پر قائم رہتیں۔ اگر قائداعظم عام آدمی نہیں تھے تو یقیناً محترمہ بھی ایک عام عورت نہیں تھیں۔ قائداعظم جیسے لوگ صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتے ہیں۔ محترمہ بھی کچھ ایسی ہی خوبیوں کی حامل تھیں۔ اتنی طویل زندگی کے برس انہوں نے قائداعظم کے ساتھ گزارے ملک کو بنتے دیکھا۔ تحریک کے پرخار راستے میں قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا۔ ان لمحات ان واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا قائداعظم کا مکمل خیال رکھا، مہمانداری کے فرائض انجام دیئے، ہر جگہ ان کے ساتھ گئیں۔ قائداعظم کی زندگی اور پاکستان کی تعمیر میں محترمہ نے ایک تاریخ ساز کردار کیا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ وہ سارے لوگ وہ سارے کردار جو تحریک پاکستان میں ان کے ساتھ تھے کسی کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ ان کے حالات زندگی پر بھی کچھ لکھا جائے۔ ان کے اس اہم رول پر قلم اٹھایا جائے۔ جو مادرملت کی حیثیت سے بابائے قوم کے قریب رہ کر انہیں حاصل تھا۔ وہ تحریک پاکستان کی روح رواں تھیں گرل گائیڈ مسلم لیگ اور دوسرے فلاحی کاموں میں انہوں نے ایک بھرپور کردار ادا کیا پاکستان بننے اور قائداعظم کے انتقال کے بعد بھی ان کا کردار ایک افسانوی کردار ہے۔ جس میں رنگ بھرے ہوئے ہیں۔ جس میں کہنے کو لکھنے کو محسوس کرنے کو بہت کچھ ہے۔

مجھے فخر ہے کہ میں نے ان کے ساتھ گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے ایک طویل عرصہ گزارا ہے۔ اور ان کے متعلق بہت کچھ جانتی ہوں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی بھرپور شفقت سے نوازا۔ ان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحے میری زندگی کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ میں اپنی ڈائری کے مندرجات پیش کرنے کی جسارت کررہی ہوں۔ امید ہے اس سے مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی کے بہت سے اہم گوشوں پر

محترمہ فاطمہ جناح کے شب و روز

آٹھ بہن بھائیوں کے خاندان میں محترمہ فاطمہ جناح ساتویں نمبر پر تھیں۔ تاریخ نے قائداعظم کو پاکستان کے خالق اور برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کے لیڈر کی حیثیت سے ایک منفرد مقام سے نوازا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اور یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم کی طویل سیاسی اور نجی زندگی میں جو کردار محترمہ نے ادا کیا وہ بھی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

محترمہ کے ساتھ فلیگ سٹاف ہاؤس میں میرا قیام نہایت پرلطف تھا وہ دن میری زندگی کا اثاثہ ہیں بہترین اثاثہ جن کی یادیں بڑی ہی دلکش ہیں۔ اس زمانہ میں وہ بہت متحرک تھیں۔ ملک کے سارے نامور سیاست دان، مسلم لیگی لیڈر اور دوسرے اہم لوگ انہیں ملنے صبح وشام آتے تھے۔ سیکرٹری اوقات مقرر کرتا۔ انہیں صبح مطلع کرتا تھا اور اس طرح نشست گاہ لوگوں سے آباد رہتی۔ میں بھی صبح کا زیادہ وقت محترمہ کے ساتھ گزارتی تھی۔ اس طرح مجھے بھی موقع ملا کہ ایسے لوگوں کو قریب سے دیکھوں اور ملوں جن سے ویسے ملنا قطعی ناممکن تھا۔ میرے لئے یہ بڑا انوکھا اور دلچسپ تجربہ تھا اس نوعمری میں بڑے لوگوں کا قرب ایسی عجیب بات تھی کہ میں پہروں سوچتی کہ کیا یہ حقیقت ہے خواب تو نہیں کہ میں محترمہ کے قریب ہوں۔ ان کی باتیں سنتی ہوں۔ ان کے خیالات جانتی ہوں ان کے شب وروز کی مصروفیات دیکھتی ہوں اور پھر ایسے لوگوں سے ملتی ہوں جن کا صرف نام ہی سنا ہوا تھا۔ محترمہ کی عادت تھی کہ رات کے کھانے پر اکثر دو چار اور بعض اوقات زیادہ لوگوں کو

بلالیتیں۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں باتیں ہوتیں ملک کی سیاست پر، تحریک پاکستان پر، مسلم لیگ کے نظریئے پر، قائداعظم کے ارشادات پر، ان کی حکمت عملی پر، اور محترمہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتیں۔ دوسرے لوگ بھی بولتے۔ محترمہ کبھی اختلاف کرتیں، کبھی حامی بھرتیں، لیکن اتنا ہے کہ ان کے دلائل، ان کی رائے، ان کے خیالات کے سامنے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ ان کی سوچ بڑی وزن دار ہوتی، کھل کر رائے کا اظہار کرتیں پھر اس پر قائم رہتیں۔ اگر قائداعظم عام آدمی نہیں تھے تو یقیناً محترمہ بھی ایک عام عورت نہیں تھیں۔ قائداعظم جیسے لوگ صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتے ہیں۔ محترمہ بھی کچھ ایسی ہی خوبیوں کی حامل تھیں۔ اتنی طویل زندگی کے برس انہوں نے قائداعظم کے ساتھ گزارے ملک کو بنتے دیکھا۔ تحریک کے پرخار راستے میں قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا۔ ان لمحات ان واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا قائداعظم کا مکمل خیال رکھا، مہمانداری کے فرائض انجام دیئے، ہر جگہ ان کے ساتھ گئیں۔ قائداعظم کی زندگی اور پاکستان کی تعمیر میں محترمہ نے ایک تاریخ ساز کردار کیا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ وہ سارے لوگ وہ سارے کردار جو تحریک پاکستان میں ان کے ساتھ تھے کسی کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ ان کے حالات زندگی پر بھی کچھ لکھا جائے۔ ان کے اس اہم رول پر قلم اٹھایا جائے۔ جو مادر ملت کی حیثیت سے بابائے قوم کے قریب رہ کر انہیں حاصل تھا۔ وہ تحریک پاکستان کی روح رواں تھیں گرل گائیڈ مسلم لیگ اور دوسرے فلاحی کاموں میں انہوں نے ایک بھرپور کردار ادا کیا پاکستان بننے اور قائداعظم کے انتقال کے بعد بھی ان کا کردار ایک افسانوی کردار ہے۔ جس میں رنگ بھرے ہوئے ہیں۔ جس میں کہنے کو لکھنے کو محسوس کرنے کو بہت کچھ ہے۔

مجھے فخر ہے کہ میں نے ان کے ساتھ گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے ایک طویل عرصہ گزارا ہے۔ اور ان کے متعلق بہت کچھ جانتی ہوں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی بھرپور شفقت سے نوازا۔ ان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحے میری زندگی کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ میں اپنی ڈائری کے مندرجات پیش کرنے کی جسارت کررہی ہوں۔ امید ہے اس سے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی کے بہت سے اہم گوشوں پر

روشنی پڑے گی۔

ایک روشن دن طلوع ہوا۔

صبح شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے میں باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں میں کھڑی ہوگئی جہاں عشق پیچاں کی بیلیں چڑھی ہوئی ہیں۔ یہ دریچہ مجھے بہت پسند ہے پہلی نظر میں ہی مجھے اچھا لگا۔ سامنے مس جناح ایک بازو میں بیگ اور ایک میں چند کاغذ تھامے ہوئے اپنے سیکرٹری سے محو گفتگو تھیں۔ میں جھٹ کمرے سے نکل کر باہر کھڑی ہوئی اور انہیں صبح بخیر کہا۔ وہ مجھ پر سرسری سی نظر ڈال کر بولیں۔

''خورشید ہائی کورٹ چلا گیا؟''

''جی'' میں نے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگیں۔

''آج لنچ سے پہلے تم میرے پاس آجانا باتیں کریں گے۔''

میں فرط مسرت سے جھوم اٹھی کہ آج اکیلے میں ان کے ساتھ بیٹھوں گی اور باتیں ہوں گی۔ دوپہر کے کھانے سے پہلے میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ اس وقت وہ کام سے فارغ ہوئی تھیں۔ میرے پہنچتے ہی اپنے سیکرٹری کی شکایت کرنے لگیں کہ:

''اسے ذمہ داری کا بالکل احساس نہیں۔ روز کی ڈاک نہیں دکھاتا کاغذ صحیح جگہ پر نہیں رکھتا اور بے کار کاموں میں کئی کئی دن ضائع کر دیتا ہے۔''

میں نے ڈرتے ڈرتے ہوئے کہا ''یہ کام آپ میرے سپرد کر دیجئے صبح کا سارا وقت فارغ ہی گزرتا ہے اور کوئی کام نہیں ہوتا''

انہوں نے ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولیں: ''تم کر لوگی یہ کام؟ آج کل کی نوجوان نسل ذمہ دار نہیں۔ یہ ان نوجوانوں سے قطعاً مختلف ہے جنہوں نے یہ ملک بنایا وہ دن رات پاکستان کی تحریک کیلئے کام کرتے تھے۔ نہ انہیں وقت کا احساس تھا اور نہ اپنے آرام کا اب جانے وہ دور کہاں گیا۔''

میں نے کہا ''لیڈر اچھا ہو تو قوم کی تقدیر بدل جاتی ہے قائداعظم نے اس مردہ میں قوم میں نئی روح پھونکی اور ان میں محنت کا شعور پیدا کیا۔ آج کی نوجوان نسل شاید اس

چیز کی کمی محسوس کرتی ہے۔"

"تم تاریخ کی طالبہ ہو اس لئے صحیح کہتی ہو۔ لیکن یہ تم کیوں بھول گئیں کہ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا لیڈر ہوتا ہے چند لوگوں کی قربانیوں سے یہ ملک مل گیا اور ان لوگوں کو ملا جن کا تحریک پاکستان اور ان قربانیوں میں کوئی حصہ نہیں اور اب تو دولت کی ہوس اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص راتوں رات میں امیر ہو جانا چاہتا ہے۔ مسلمان برصغیر میں ایک غریب اور پسماندہ قوم تھے۔ سارا پیسہ تو ہندوؤں کے پاس تھا۔ سوائے چند سرمایہ داروں کے جو انگریزوں کی منت خوشامد کر کے دولت مند بن گئے۔ باقی مسلمان قوم غریب تھی اب یہ سب کچھ جو اس وقت پاکستان میں نظر آ رہا ہے۔ ان کا ہے لیکن اسکے باوجود دن رات اسی فکر میں ہیں کہ کسی طرح اور دولت ہاتھ لگے۔"

"دولت کی ہوس اور اقتدار تو قوموں کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔ انسان خود غرض ہو جاتا ہے اور قوم اور ملک کے مفاد کی اسے قطعاً پروا نہیں ہوتی۔ اپنے لئے جیتا ہے اور اپنے لئے سب کچھ کرتا ہے یہ کتنی بڑی زیادتی ہے" میں نے کہا۔

بولیں "بے وقوف یہ نہیں سوچتے کہ اگر ملک نہ رہا تو ان کی دولت کہاں جائے گی۔ دولت ملک کے ساتھ ہی تو آتی ہے۔ ملک ہی مستحکم نہ رہا اور اتحاد پارہ پارہ ہو گیا تو ہماری اس دولت کا کیا فائدہ؟"

پھر موضوع بدل کر کہنے لگیں "تم جب آئیں تو میرا رویہ تم سے سرد تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ میں نوارد لوگوں کے ساتھ یک دم بے تکلف نہیں ہوتی لیکن تمہاری ایک چیز مجھے پہلی ملاقات میں بہت اچھی لگی، وہ یہ تھی کہ **Thanks God she has no nails** مجھے مصنوعی لمبے ناخنوں سے سخت نفرت ہے۔ قائداعظم بھی ان سے نفرت کرتے تھے یوں لگتا ہے گویا مغرب کا کلچر ہم پر بری طرح مسلط ہو رہا ہے۔ اب چند دنوں میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ تم مجھے اچھی لگیں، اسی لئے میں نے لنچ سے پہلے باتیں کرنے کے لئے بلایا"

میں نے خوشی سے سرخ ہوتے ہوئے کہا:

"یہ تو میری عین خوش قسمتی ہے اور سچ پوچھیے تو میرے لئے اس سے بڑا اعزاز

کوئی نہیں کہ مجھے آپ کا قرب حاصل ہے۔ اور ہم ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں"

بیرے نے لنچ کا آکر کہا اور ہم اٹھے۔ میں حسب معمول ان کے پیچھے تھی۔ وہ اچانک میری طرف مڑیں اور بولیں:

ایک تمہاری یہ عادت بھی مجھے پہلے روز ہی اچھی لگی تھی کہ تم میں بڑوں اور بزرگوں کا لحاظ ہے۔

آج لنچ پر میں نے ایک نئی چیز بھی کھائی گوار پھلیاں مجھے کہنے لگیں

"یہ سبزی قائداعظم کو بہت پسند تھی"

کھانے کے روز کے کورسز عام طور پر یہ ہوتے ہیں۔

کسی قسم کا سوپ، خشک گوشت کسی قسم کا اور ساتھ موسم کی کوئی سبزی، پھر دال، ایک سبزی گوشت میں چاول اور چپاتی۔ بعد میں سویٹ ڈش اور پھل۔ میں سویٹ ڈش سے گھبراتی ہوں۔ آج کہنے لگیں: تم کو اچھی نہیں لگیں۔

میں نے کہا "محترمہ! میں روز سویٹ ڈش کھانے کی عادی نہیں کشمیری کھانے میں میٹھا شامل نہیں ہوتا اس لئے مجھے بھی عادت نہیں۔"

اس پر وہ ہنس پڑیں اور بولیں" اسی لئے کشمیری مٹھاس سے خالی ہیں"

میں نے فوراً جواب دیا "انہیں قدرت نے انہیں اتنی مٹھاس بخشی ہے کہ انہیں مصنوعی مٹھاس کی غالباً ضرورت نہیں۔ اتنا حسین ملک اور قدرتی مناظر کیا دنیا کی کسی مٹھاس سے کم ہیں"

انہیں میرا جواب پسند آیا" تم روز لنچ سے پہلے آجایا کرو۔ آج باتیں کرنے کا بہت لطف آیا ہے۔"

میں ان چند دنوں میں محترمہ فاطمہ جناح کے بہت قریب آ گئی ہوں۔ روز ہی مختلف باتیں زیر بحث آجاتی ہیں۔ آج خاندانوں کی مل جل کر رہائش پر باتیں ہونے لگیں۔ میں نے محترمہ سے پوچھا کہ ان کا اس بارے میں کیا خیال ہے کیونکہ ماڈرن لوگ تو کسی کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے چاہے انہیں وہاں کتنا آرام ہی میسر کیوں نہ ہو کہنے لگیں۔

"ماڈرن طبقہ اندھا دھند مغرب کی تقلید کرتا جا رہا ہے۔ مثال پیش کرنا تو بہت آسان ہے لیکن ان حالات کا مشاہدہ کرنا بہت مشکل ہے جو یہاں اور وہاں کی تہذیب میں امتیاز پیدا کرتے ہیں مغرب کی اس بڑھتی ہوئی اقتصادی اور ذہنی آزادی سے وہ لوگ خود بھی تنگ آ چکے ہیں۔ اسی روز یہاں کے ایک اخبار میں تھا کہ انگلستان میں لوگ **Old mans Hose** سے سخت ناخوش ہیں اور یہاں اپنے بچوں اور گھر والوں کی محبت کی شاید زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ جو ان جگہوں میں انہیں نصیب نہیں ہوتی۔ پھر ہم لوگ ایک اور دنیا میں رہتے ہیں۔ کتنی بھی ترقی کیوں نہ کرلیں ہماری باتیں اب بھی وہی ہیں جو آج سے کئی سال پہلے تھیں ان باتوں میں والدین کا رتبہ بہت اہم ہے اور اسے ہم کس صورت بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لیکن عورتیں عام طور پر پسند نہیں کرتیں کہ بوڑھے والدین ان کے پاس رہیں۔ وہ یہ بھی برداشت نہیں کرسکتیں کہ ان کے لئے کچھ کہا جائے"

فلیگ سٹاف ہاؤس کی نیچے کی منزل میں ڈرائنگ روم، سٹڈی روم، ڈائنگ روم، مس جناح کا دفتر، سیکرٹری کا دفتر اور اس سے ملحق ایک طویل برآمدہ ہے جس میں وہ تمام فرنیچر پڑا ہوا ہے جو دہلی میں قائداعظم کی کوٹھی سے یہاں آیا ہے کالی آبنوس کی لکڑی کا یہ گولڈن فرنیچر خوبصورت ہے۔ برآمدے ہی سے سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں جہاں دائیں جانب مس جناح کی خواب گاہ ہے۔ نہایت قرینے اور نفاست سے ان کے پلنگ کے پاس پڑھنے کی ایک میز چند کتابیں اور ضروری کاغذات پڑے رہتے ہیں۔ سامنے ہی نشست گاہ ہے۔ ایک طرف بڑی کھڑکی ہے۔ جو باغ کے عین درمیان میں کھلتی ہے۔ سامنے ایک اور بیڈ روم ہے اور اس کے ساتھ ایک پورا حصہ بند پڑا ہے۔ جہاں قائداعظم کی تمام ذاتی چیزیں کاغذات، کتابیں اور کپڑے وغیرہ ہیں مجھے اس حصے سے والہانہ عقیدت ہے کہ قائداعظم ان تمام چیزوں کو استعمال کرتے ہوں گے۔ لان میں ایک طرف مس جناح نے روز گارڈن بنایا ہوا ہے جہاں آج کل کئی رنگوں میں گلاب اپنی بہار دے رہے ہیں۔ پھولوں کے یہ تختے مس جناح کی خواب گاہ کی کھڑکی سے بہت جاذب نظر لگتے ہیں۔

اردو اخباروں کے تراشے میں اکثر انہیں پڑھ کر سناتی ہوں ملک کے سب اخبار

ان کے یہاں آتے ہیں اور انہیں پڑھنے میں بہت لطف آتا ہے۔ لیکن اکثر اخباروں کے متعلق انہیں شکایت ہے کہ یہ حکومت کے ہیں اور ان کا اپنا کوئی نظریہ یا ذاتی رائے نہیں ہے۔ آج کہنے لگیں کہ:

''قائداعظم آزاد پریس کے زبردست حامی تھے اور کسی قیمت پر بھی وہ پریس کی آزادی سلب کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن ہماری قوم ان کی ہر بات آہستہ آہستہ فرموش کررہی ہے۔ قوم کا کردار، ہمارا نصب العین اور زندگی کے مقاصد اتنے فرسودہ ہوکر رہ گئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کیا نئے ملکوں کے نو آزاد باسی ایسے ہوتے ہیں اور آزاد ملکوں میں یہ سب کچھ ہوتا ہے؟''

محترمہ جناح کو بے ترتیب چیزیں بہت بری لگتی ہیں ان کی سٹڈی کے دوران میں ان کی میزوں پر کاغذوں، خطوں اور اخباروں کا ڈھیر لگا ہوتا ہے اور میں انہیں ہمیشہ ٹھیک کردیتی ہوں وہ یہ ضرور کہتی ہیں کہ:

''کاغذ کو کسی ایسی جگہ نہ رکھنا جہاں سے مل ہی نہ سکے۔''

اس تمام عرصہ کے دوران میں انہیں صرف ایک بار شکایت کا موقع ملا جب ان کا ایک ضروری لفافہ ادھر ادھر ہوگیا بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ بعد میں ردی کے کاغذوں سے مل گیا خدا جانے کس سے گرا شاید مجھ سے گر گیا ہو۔

آج صبح جب میں محترمہ کے پاس گئی تو اس مختصر سی سٹڈی میں جہاں وہ صبح کا زیادہ وقت گزراتی ہیں اور ملاقاتیوں سے بھی ملتی ہیں بہت سے جرنلسٹ بیٹھے تھے میں سلام کرکے واپس آنے لگی تو انہوں نے کہا ''تم بھی آجاوء دور حاضر پر باتیں ہورہی ہیں۔ تمہیں بھی دلچسپی ہوگی'' مارننگ نیوز، ڈان اور اردو اخبارات کے نمائندے تھے اس وقت سینٹو کی وزارتی کونسل کے اعلان پر باتیں ہورہی تھیں۔ انہوں نے ڈیورنڈ لائن (پاک افغان سرحد) کا علاقہ سنٹو کے ممالک کے تحت ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ساتھ ہی کونسل میں 48 وزراء خارجہ نے کشمیر میں اقوام متحدہ کی قرار داروں کے مطابق رائے شماری کرانے کی حمایت کی ہے۔ ایک صاحب بولے:

''محترمہ! کشمیر میں اگر رائے شماری ہو تو فیصلہ ضرور پاکستان میں حق میں ہوگا۔ لیکن بڑی طاقتیں شاید یہ نہیں چاہتیں'' وہ سنجیدہ ہوگئیں اور کہنے لگیں یہ درست ہے لیکن ہمارے ہاں بھی بااثر لوگ یہ نہیں چاہتے کہ کشمیر کا فیصلہ ہو اس لئے جب ان کے پاس کہنے یا قوم کا دھیان کسی طرف لگانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تو وہ کشمیر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔اس کے علاوہ چند لوگوں کو کشمیر سے صرف اس لئے دلچسپی ہے کہ نشاط باغ کے پاس اپنی کوٹھیاں تعمیر کریں اور مہاراجہ کے محل پر۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم سطحی باتوں میں تسکین اور خوشی ڈھونڈتے ہیں اپنے فائدے اور آرام کا پہلے سوچتے ہیں اور قوم یا اس کا مفاد ہمارے سامنے نہیں ہوتا۔

محترمہ کے کوئی عزیز ان دنوں بمبئی سے یہاں آئے ہوئے ہیں آج دوپہر کھانے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں وہ بار بار یہ کہتے تھے کہ وہ ایک ہندوستان ضرور آئیں غیر سرکاری طور پر لیکن محترمہ یہی کہتی رہیں کہ میرا وہاں جانا مناسب نہیں ہندوستان والے یہاں اکثر آجاتے ہیں ان سے وہاں کی خبر معلوم ہوجاتی ہے۔ جن حالات میں ہم نے اس ملک کو چھوڑا ان کے پیش نظر اب وہاں جانے کو دل نہیں چاہتا۔ ایک خاص مقصد تھا ایک عزم تھا جسکی خاطر ہم نے ایک خطہ اپنے لئے چن لیا اب میں ہندوستان جا کر کیا کروں گی۔

صحیح ہو یا غلط لیکن یہ ہماری چوائس تھی لیکن جس جذبے سے یہ ملک بنا اس کی تعبیر وہ نہیں نکلی جو ہم نے سوچی تھی۔ پھر اداس ہوکر بولیں **I am glad Qaid e Azam did not live to see all this.**

(ثریا کے۔ ایچ خورشید نوائے وقت 9 جون 1998ء)



رعنا لیاقت علی خان، نوابزادہ لیاقت علی خان، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح

مادر ملت سے ایک یادگار ملاقات

نومبر 1964ء کے اوائل کا ذکر ہے جب بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح، فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں (سابق) صدر پاکستان کے مقابل صدارتی انتخاب کی مہم کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی قائداعظم کی طرح اپنے قیام کے لئے لارنس روڈ پر "المنظر" کا انتخاب کیا تھا۔ یہ رہائش گاہ مسلم لیگ کونسل کے رکن اور قائداعظم کے معتمد میاں بشیر احمد کی ملکیت تھی جو ماہنامہ "ہمایوں" کے بانی ایڈیٹر تھے اور قائداعظم کی دعوت پر 1938ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے اور قرارداد پاکستان کی منظوری کے جلسے میں استقبالیہ کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ علاوہ ازیں قیام پاکستان کے بعد ترکیہ میں پاکستان کے پہلے سفیر مقرر ہوئے اور برادر ملک ترکیہ سے پہلا معاہد دوستی کیا جس کے اثرات و ثمرات آج بھی ظاہر اور نمایاں ہیں۔ میاں صاحب باغبانپورہ کی ممتاز میاں (ارائیں) فیملی کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد گرامی جسٹس محمد شاہ دین ہمایوں پنجاب ہائی کورٹ کے پہلے مسلمان چیف جسٹس رہے تھے اور ان کے سسر سر میاں محمد شفیع کو کون نہیں جانتا جو وائسرائے ہند کی کابینہ میں سات سال تک وزیر تعلیم رہے۔ اس خاندان نے لاہور کے مسلمانوں کی بالخصوص اور اسلامیان پاکستان و ہند کی بھر پور خدمت کی اور آزادی کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جسٹس محمد شاہ دین ہمایوں حکیم الامت علامہ اقبال کے دوستوں میں سے تھے چنانچہ بانگ درا میں ان سے منسوب نظم بھی شامل ہے۔ میاں خاندان کی انہی خدمات کا نتیجہ تھا کہ قائداعظم جب لاہور تشریف

لاتے تو اکثر و بیشتر اسی کوٹھی میں ٹھہرتے۔ مادرملت محترمہ فاطمہ جناح بھی صدارتی انتخاب کے سلسلہ میں دو یا تین بار لاہور آئیں تو انہوں نے میاں بشیر احمد، بیگم گیتی آرا بشیر اور میاں منظر بشیر کی دعوت پر 32۔لارنس روڈ پر ''المنظر'' ہی میں قیام کیا۔ آج کل یہ کوٹھی کئی چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ چکی ہے۔

خوش قسمتی کہیے کہ مادرملت کے اس کوٹھی میں قیام کے ایام کے دوران میں راقم کو ان سے ملنے، قریب سے دیکھنے اور ان سے بات چیت کرنے کا موقع ملتا رہا۔ ان ایام میں مادرملت سے باتیں ہوئیں، سننے کا موقع ملا لیکن آج میں جس واقعہ کا ذکر کرنے جارہا ہوں وہ اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے بہت بڑا ہے۔ آج کل وطن عزیز میں جمہوریت کا دور دورہ ہے اور بقول شخصے جمہوریت کے نازک پودے کی نشوونما کا عمل جاری ہے لیکن جن دنوں کی بات میں کررہا ہوں ان دنوں اس پودے کا گلا گھونٹ دیا گیا اور اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ ملک میں مارشل لا کی گہری طویل رات تھی جس کا آغاز 7 اکتوبر 1958ء کو جنرل محمد ایوب نے کیا تھا اور ابھی تک یہ ہولناک رات اپنی تمام تر تاریکیوں کے ساتھ پورے ملک پر محیط اور مسلط تھی۔

سخت سردی کا موسم تھا لیکن آسمان پر سورج اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ دھوپ پھیل رہی تھی دس بجے کا عمل تھا کہ مادرملت نے اپنے میزبان سے دھوپ میں بیٹھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ کوٹھی کے عقبی لان کو اس مقصد کے لئے مناسب خیال کیا گیا تا کہ محترمہ آرام و اطمینان کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوسکیں اور کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ لان میں ایک کرسی رکھوادی گئی۔ یہ کرسی وہی کرسی تھی جس پر 1940ء میں قائداعظم تشریف فرما ہوئے تھے اور اس کرسی پر براجمان ان کی تصاویر آج تک موجود ہیں ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز بھی پڑی تھی۔ میاں بشیر احمد نے مجھے کہا کہ ''تم برآمدے میں کرسی لے کر بیٹھ جاؤ اور کسی شخص کو اس طرف نہ آنے دو تا کہ کوئی ان کے آرام میں مخل نہ ہو۔ کسی ملاقاتی کو ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ان اوقات میں پشاور یونیورسٹی کے اس وقت کے وائس چانسلر چودھری محمد علی آئے لیکن انہیں انتظار گاہ میں انتظار کرنے کے لئے کہا گیا۔ متعدد سیاسی زعما آئے جن میں میاں محمد ممتاز دولتانہ بھی شامل تھے۔ لیکن محترمہ نے کسی سے بھی اس وقت ملنا پسند نہ کیا۔

مادر ملت نصف گھنٹہ تک بالکل خاموش اور ساکت بیٹھی رہیں۔ میں ان سے پندرہ بیس گز کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ ان لمحات میں محترمہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہی تھیں اور میں دل ہی دل میں بہت شاداں اور فرحاں تھا کہ میں مادر ملت کو قریب سے دیکھ رہا تھا۔ قائداعظم کو دیکھنا تو نصیب نہ ہوا لیکن ان کی بہن کو اپنے سامنے پا کر اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھ رہا تھا۔

اچانک سکوت ٹوٹا' فضا میں آواز گونجی ''بوائے! کم ھیئر'' میں اس اچانک جملے سے پریشان اور حیران ہو کر ان کی جانب دیکھنے لگا۔ انہوں نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے دوبارہ وہی جملہ دہرایا۔ میں ہمت کر کے ان کے قریب پہنچا تو فرمانے لگیں کہ پانی کا ایک گلاس لاؤ۔ میں بھاگا بھاگا کوٹھی کے اندر گیا اور میاں صاحب کے ملازم صدیق سے پانی لانے کے لئے کہا۔ پانی آ گیا اور صدیق نے گلاس کو میز پر رکھ دیا۔ محترمہ نے اسے بھی اشارہ کیا تھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولیں۔ میں یہ عرض کر دوں کہ محترمہ فاطمہ جناح بہت پر جلال شخصیت تھیں۔ ان کا رعب اور دبدبہ بہت تھا۔ بڑے بڑے جغادری سیاستدان ان کے سامنے دم نہیں مارتے تھے۔ سب لوگ ان کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے تھے۔ وہ بہت کم بولتیں لیکن ان کے الفاظ نپے تلے ہوتے تھے۔ ادب و احترام کے پیش نظر میں ان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ محترمہ نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور فرمایا! ''برنگ یور چیئر ھیئر'' میں نے ڈرتے ڈرتے کرسی اٹھائی' ان کے سامنے رکھی اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ محترمہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں سراپا تسلیم و نیاز کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میری حالت دیدنی تھی۔ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے جذبات نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ اسی اثناء میں محترمہ نے انگریزی زبان میں پوچھا ''کل کے موچی گیٹ کے جلسہ کے متعلق عام لوگوں کی کیا رائے ہے۔ میں لیڈروں کی رائے کی بجائے عام لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بتایا کل کے جلسہ میں آپ نے مشاہدہ فرمایا ہوگا کہ آپ کی تقریر کے دوران اور اس کے بعد میاں محمد علی قصوری کے ترجمہ کے دوران میں بھی پورے جلسہ میں بالکل خاموشی اور سکوت طاری رہا۔

کسی ایک شخص نے اونچی آواز میں بات کرنا تو درکنار' اونچی آواز میں سانس بھی

نہ لیا۔ لوگ ہمہ تن گوش تھے اور آپ کی تقریر توجہ سے سن رہے تھے۔ حالانکہ سامعین کی 98 فیصد تعداد انگریزی زبان سے ناواقف تھی لیکن اس کے باوجود آپ کی انگریزی تقریر کے دوران میں بالکل خاموشی اختیار کئے رکھی اور کسی اضطراب یا پریشانی کا اظہار نہ کیا یہ اس بات کی علامت تھی کہ لوگ دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ سے گہری محبت اور عقیدت رکھتے ہیں" میرے ان الفاظ پر محترمہ نے اثبات میں سرہلایا۔ ان کے چہرے پر خوشی اور انبساط کی لہر دوڑ گئی اور وہ ایک شفیق اور دلنواز ہستی نظر آنے لگیں!

انہوں نے سوال کیا" آپ کے خیال میں میں انتخاب جیت جاؤں گی؟"

میں نے عرض کیا مادرِ ملت! آپ کے جلسوں میں تو عوام آتے ہیں وہ اگرچہ آپ کے ساتھ ہیں لیکن وہ ووٹر نہیں۔ ووٹر تو بنیادی جمہوریت کے گنے چنے ارکان ہیں جو جنرل ایوب خان کی گرفت میں ہیں۔"

اس پر مادرِ ملت نے فرمایا" نہیں نہیں! ہم جیت گئے ہیں عوام میرے ساتھ ہیں۔ میرا مقصد عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنا ہیں مارشل لا کے خلاف متحد کرنا ہے تا کہ ان میں جمہوری شعور پیدا ہو سکے اور وہ مارشل لا کے خلاف وقت آنے پر اٹھ کھڑے ہوں یہ ملک صرف جمہوریت سے زندہ و قائم رہ سکتا ہے اور ان شاء اللہ جمہوریت بحال ہو کر رہے گی" محترمہ پورے جاہ و جلال اور جوش و خروش کے ساتھ بول رہی تھیں کہ اسی اثناء میں میاں بشیر احمد آ گئے اور مجھے ڈانٹنے کے انداز میں فرمانے لگے" آپ یہاں کیوں آ بیٹھے ہیں" آپ محترمہ کو پریشان کر رہے ہیں اس پر محترمہ نے فرمایا، نہیں میاں صاحب اس نو جوان کو میں نے بلایا ہے اس نے مجھے پریشان نہیں کیا! البتہ میں اسے پریشان کر رہی ہوں ۔ میں اس سے عوام کی رائے معلوم کر رہی ہوں ۔ مادرِ ملت پھر خاموش ہو گئیں۔ میں نے اپنے حواس کو مجتمع کیا اور کچھ حوصلہ اور جرأت کر کے ان سے اپنے دل کے اندر ابھرنے والے سوالات کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ محترمہ مجھے جھڑک دیں گی لیکن وہ خاموشی اور توجہ سے سنتی رہیں۔ میں نے عرض کیا" مادرِ ملت سب لوگ جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں۔ آپ نے ابھی آج اسی بات پر زور دیا ہے لیکن مجھے یہ جمہوریت پسند نہیں۔"

مادرِ ملت نے پوچھا" کیوں؟" میں نے کہا" جمہوریت میں ہمیشہ اہل دولت و

ثروت لوگ جیت کر آتے ہیں جو بالعموم ان پڑھ' جاہل ہونے کے علاوہ غنڈے اور بدمعاش ہوتے ہیں۔ وہ یا تو دولت کے بل پر ووٹ خریدتے ہیں یا پھر طاقت کے بل پر چھین لیتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کی اور غریبوں کی کیا خدمت کریں گے" مادرِ ملت نے کہا ابتدا میں ایسا ہوا کرتا ہے' آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا اگلا سوال تھا۔ مادرِ ملت میرا دل نہیں مانتا۔ کیونکہ ان جاگیرداروں اور زمینداروں کی طاقت اور شکنجہ کسی طرح بھی ٹوٹتا نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ غریبوں کو انسان نہیں سمجھتے' اپنے علاقوں میں ظلم و ستم روا رکھتے ہیں۔ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔"

محترمہ کچھ دیر اثبات میں سر ہلاتی رہیں اور پھر اچانک فرمانے لگیں کیا تم نے سمندر کی لہروں کو دیکھا ہے؟ میں نے گھبرا کر نفی میں جواب دیا۔ جس پر انہوں نے فرمایا۔

"اٹ مینز یو ہیو نیور سین دی سی؟"

(It means you have never seen the sea?)

میں نے کہا "جی ہاں! میں نے ابھی تک سمندر نہیں دیکھا" اس پر مادرِ ملت نے فرمایا سمندر بہت وسیع و عریض ہونے کے ساتھ بہت گہرا ہوتا ہے لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے اندر کسی قسم کی غلاظت یا گندگی نہیں رہنے دیتا۔ اس کی منہ زور لہریں تمام گندگی اور غلاظت کناروں پر پھینک دیتی ہیں۔

مادرِ ملت نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا جمہوریت کی مثال سمندر کی سی ہے اور الیکشن اس کی لہریں ہیں۔ اگر الیکشن مقررہ وقت پر ہوتے رہیں تو یہ آہستہ آہستہ تمام خرابیوں کو دور کرنے کا باعث بنتے رہیں گے۔ یہ درست ہے کہ تمام خرابیاں ایک یا دو الیکشنوں میں دور نہیں کی جا سکتیں۔ یہ ایک طول اور صبر آزما پراسیس ہے اور یہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے۔ انگلستان میں جمہوریت ایک ہی دن میں نہیں آئی۔ موجودہ مقام تک پہنچتے پہنچتے اسے صدیاں لگیں۔ انہوں نے مجھے سمجھانے کے لئے مثال دیتے ہوئے کہا "پاکستان کو بنے ہوئے 17 سال بیت گئے ہیں اب تک کم از کم تین الیکشن کرائے جا سکتے تھے اور اگر الیکشن میں عوام 5 فیصد غلط نمائندوں کو منتخب نہ کریں تو آج تک تین الیکشنوں کے نتیجہ

میں نہ صرف عوام میں جمہوری شعور فروغ پاچکا ہوتا بلکہ کم از کم 15 فیصد الیکشن کی خرابیاں دور ہوچکی ہوتیں اور 15 فیصد کی حد تک اچھے لوگ منتخب ہوکر اسمبلیوں میں آچکے ہوتے۔ مزید براں عوام کو اپنی طاقت کا احساس پیدا ہوچکا ہوتا کہ یہ امیر وکبیر لوگ یہ جاگیردار اور زمیندار لوگ' یہ وڈیرے' ان کے مرہون منت ہیں اور پانچ سال بعد ہی سہی ان کے سامنے گداگروں کی طرح ہاتھ پھیلاتے ہیں''

محترمہ نے بات کرتے کرتے قدرے توقف اختیار کیا تو میں نے پھر کہا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے؟ جس پر محترمہ نے زوردار لہجے میں فرمایا۔ یقیناً ایسا ہوکر رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اور شاید تم بھی یہ دور نہ دیکھ سکو' لیکن اگر جمہوری عمل شروع ہوگیا تو پھر ایسا ضرور ہوگا کوئی ایوب کوئی ڈکٹیٹر تاریخ کے پہیئے کو الٹا نہیں گھما سکتا میں نے پھر کہا مادر ملت ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے جمہوریت کو برا کہا ہے

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جب میں نے یہ شعر پڑھا تو وہ مسکرا پڑیں کہ مجھے اس کا مطلب نہیں آتا۔ انگریزی میں مطلب بتاؤ تو میں نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کچھ بتایا تو وہ اور بھی مسکرانے لگیں اور فرمایا۔ ''آپ نے قائداعظم کے نام علامہ اقبال کے خطوط نہیں پڑھے؟ علامہ نے ان خطوط میں جمہوری طریقہ کار ہی کو اپنانے کا مشورہ دیا ہے'' پھر فرمایا'' ان خطوط کو پڑھو تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا'' اس کے بعد محترمہ نے فنشڈ کہا اور کھڑی ہوگئیں' میں انہیں ان کے کمرے تک چھوڑ آیا۔

آج ان لمحات کو یاد کرتا ہوں تو رو دیتا ہوں کہ میرے وطن عزیز میں جمہوری اقدار ابھی تک پنپ نہیں سکیں۔ اسمبلیوں میں لڑائی بھڑائی کے بارے میں پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ افسوس ہم نے اپنے قائدین کی تعلیمات کو ہی یکسر فراموش کردیا ہے اور مفاد پرستی میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

(تحریر: از سعید بدر روزنامہ نوائے وقت جولائی 1996ء)

جبینِ وقت پہ کندہ رہیگا نام تیرا

مادرِملت محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم کی سیاسی زندگی میں ترقی اور قیام پاکستان کی تحریک میں جس عزم و ہمت اور مجاہدانہ ایثار سے کردار ادا کیا پھر خواتین کو جس طرح منظم کر کے بیداری پیدا کی اور آزادی کی تحریک میں شرکت پر آمادہ کیا اس سے ہماری قومی تاریخ لکھنے والا کوئی مورخ صرف نظر نہ کر سکے گا۔ محترمہ فاطمہ جناح ایک دور اندیش مدبر اور سیاست کے نشیب وفراز سے آگاہ معاملہ فہم خاتون تھیں قائداعظم کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو فاطمہ جناح ہمیشہ ان الجھے ہوئے سیاسی مسائل کا حل پیش کرتیں یوں قائداعظم کی مشکلات میں ہاتھ بٹاتیں۔ فاطمہ جناح اس بات سے بخوبی آگاہ تھیں کہ نوجوانوں کی تعمیر اذہان جو حقیقی قومی ضرورت ہے خواتین کی بنیادی ذمہ داری ہے جس قوم میں مائیں بہنیں بیٹیاں قومی مسائل کا شعور رکھتی ہوں وہ قوم کبھی غلامی یا پسماندگی کا شکار نہیں رہتی۔ اس لئے انہوں نے خواتین کی بیداری کا بیڑا اٹھایا اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے مسلم لیگ شعبہ خواتین کو منظم کر کے اہم کامیابیاں حاصل کیں۔ تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار کسی طرح مردوں سے کم نہ تھا جب قوم تحریک پاکستان کی کامیابی سے ہمکنار ہوئی تو فاطمہ جناح کو ان کی شاندار خدمات کے باعث مادرِملت کا خطاب دیا گیا جس کی وہ بجا طور پر مستحق تھیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قائداعظم کی سیاسی زندگی میں فاطمہ جناح کا رول بڑا اہم ہے قائداعظم نے خود اس کا بھرپور اعتراف کیا ہے محترمہ فاطمہ جناح ۳۱ جولائی ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئیں یوں وہ قائداعظم محمد علی جناح سے چھوٹی تھیں مگر فاطمہ جناح

نے جس تدبر سے اپنے عظیم بھائی کی طبیعت پر قابو حاصل کیا اکثر لوگ انہیں بڑی بہن خیال کرتے۔ قائداعظم نے ڈینٹل کالج بمبئی سے تعلیم دلوائی جب وہ تعلیم کے لئے کالج ہوسٹل میں رہائش پذیر تھیں تو قائداعظم رخصت کے دن انہیں باقاعدہ ملتے اور بگھی میں بٹھا کر شہر کی سیر کراتے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قائداعظم کو بھی اپنی چھوٹی بہن سے بڑا پیار تھا فاطمہ جناح نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈینٹل کلینک بنایا مگر جوں ہی قائداعظم کی اہلیہ کا انتقال ہوا تو بھائی کی خدمت کے لئے کلینک چھوڑ دیا اگر چہ اس دوران ان کی بھرپور توجہ بھائی کے آرام کا خیال رکھنے کی طرف تھی اور قومی سیاست سے پوری طرح دور رہیں مگر قومی مسائل میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ قائداعظم ۱۹۳۱ء میں جب گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تو فاطمہ جناح ان کے ہمراہ تھیں اسی گول میز کانفرنس میں بطل حریت مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہوا جس سے اسلامیان برصغیر پر اپنے سیاسی مستقبل کے حوالے سے مایوسی طاری ہوگئی مگر قدرت نے ان کے تخت سیاست کی جانشینی کے لئے ان کے ہم نام محمد علی جناح کو آگے کر دیا اور اس طرح قافلہ آزادی رواں دواں رہا۔

۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سیشن لکھنؤ میں جب لیگ کو عوامی تنظیم بنا کر اس کی قیادت محمد علی جناح کے سپرد کر دی گئی تو آزادی کی تحریک میں شدت آگئی فاطمہ جناح آزادی کے سفر میں اپنے بھائی کی مشیر تھیں اور خواتین کی بیداری و تنظیم کے لئے سرگرمی سے کام کرنے لگیں۔ ان کی اس مساعی سے ہی انہیں مسلم لیگ بمبئی کی جانب سے صوبائی مجلس عاملہ کا ممبر منتخب کیا گیا۔ فاطمہ جناح نے خواتین کو بیدار اور منظم کرنے کے لئے پورے برصغیر کے دورے کئے۔ جب پوری قوم بیدار ہوگئی اور مسلم قوم تک لیگ کا پیغام پہنچ گیا۔ تو ۲۳ مارچ ۴۰ء کو لیگ نے اپنے سیشن لاہور میں وہ معروف قرارداد منظور کی جس کی منظوری کے بعد صرف سات سال کے قلیل عرصے میں قوم نے قائداعظم کی زیر قیادت ۱۴ اگست ۴۷ء کو اپنی منزل پاکستان کو پالیا۔ متحدہ قومیت کا طلسم توڑنا اور آئینی و جمہوری طریق سے بغیر کسی اسلحہ یا فوج کے ایک مملکت کا قیام بلاشبہ قائداعظم کا ایسا لازوال کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قائداعظم کی اس تاریخ ساز جدوجہد میں فاطمہ جناح کی مشاورت کا بڑا حصہ ہے۔ وہ صرف اپنے بھائی کی چہیتی بہن ہی نہ تھیں بلکہ

مشیر خاص بھی تھیں قدرت نے انہیں بڑی صلاحتیں اور خوبیاں عطا کی تھیں ۔ جو انہوں نے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے صرف کردی تھیں۔ ۱۹۳۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک مسلم لیگ کونسل و مجلس عاملہ کی رکنیت کے لئے انتخاب کی سیڑھیں طے کر کے پہنچیں۔ آج کے سیاست دانوں کی طرح ناحردگی سے نہ آئیں تھیں بلکہ جمہوری و سیاسی طریق اختیار کر کے لیگ کو مضبوط و مستحکم کیا۔ جب پاکستان معرض وجود میں آگیا قائداعظم گورنر جنرل قرار پائے تو فاطمہ جناح نے کوئی عہدہ قبول نہ کیا بلکہ بھائی کی خدمت و آرام کے خیال کو ترجیح دی۔ ۱۹۴۶ء میں جب حالات ایسے ہوئے کہ خدشہ پیدا ہوا کہ حکومت آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح کو جیل ڈال کر مسلمانوں کو سیاسی قیادت سے محروم کردے گی۔ تاکہ مسلمان انتشار کا شکار ہوجائیں ان حالات میں فاطمہ نے اپنے بھائی کی ہمت بڑھائی اور اس تاثر کو دور کیا۔ جب قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) کا دورہ کیا تو فاطمہ جناح ہمراہ تھیں قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کونسل کا اجلاس کراچی میں ہوا تو کچھ رہنماؤں کا خیال تھا کہ قائداعظم کے لیگ کی صدارت سے الگ ہونے کے بعد فاطمہ جناح کو صدر منتخب کرلیا جائے۔ جب یہ معاملہ کونسل میں پیش ہوا تو قائداعظم اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ لیگ کی کونسل کے ممبران بغیر کسی دباؤ کے آزادانہ فیصلہ کرسکیں اور فاطمہ جناح اگر صدر منتخب ہوتی ہیں ۔ تو یہ تاثر پیدا نہ ہو کہ اس میں قائداعظم کا کوئی کردار ہے ۔ اگر چہ بعض لیگی رہنماؤں کی وجہ سے فاطمہ جناح صدر نہ بن سکیں بلکہ تنظیم کی آڑ میں کو ئیر بنایا گیا مگر اس سے قائداعظم کی جمہوریت پسندی سامنے آجاتی ہے۔ پھر جب جولائی ۴۸ء میں بیمار ہوکر زیارت (بلوچستان) منتقل ہوگئے تو فاطمہ تیمارداری کے لئے ساتھ ساتھ تھیں۔ فاطمہ نے اپنے بھائی کی بے مثال خدمت کی کرنل الٰہی بخش مرحوم نے جو قائد کے معالج تھے اپنی کتاب قائد کے آخری ایام میں فاطمہ کی خدمت کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ جناح ہمیشہ فاطمہ جناح کی جدوجہد کا اعتراف ہی نہ کرتے تھے بلکہ ان کی کاوشوں کو سراہتے بھی تھے۔ قوم نے بھی ان کی بھرپور قدر افزائی کی اور جب وہ اپنے انتخابی دورے پر نکلتیں تو قوم دیوانہ وار سڑکوں پر آنکھیں بچھائے نکل آتی وہ بلاشبہ اس خطاب کی حقدار تھیں جو قوم نے مادرِ ملت کی صورت انہیں دیا تھا۔

(تحریر: از پروفیسر حکیم راحت نسیم سوہدروی روزنامہ نوائے وقت 9 جولائی 1998ء)

جب میں زیارت کی زیارت کو پہنچا

بابا خرواری کا نام ملا طاہر ہے آپ کے نانا صاحب میاں عبدالحکیم کے فرمانبردار شاگردوں میں سے ایک تھے۔ ایک مرتبہ نانا صاحب زیارت غوسکی تشریف لائے آپ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ رات کو نانا صاحب عبادت میں مصروف رہے تو آپ کو پیاس لگی آپ نے ملا طاہر سے پانی مانگا۔ آپ پانی کا کٹورا لے کر نانا صاحب کے پاس آئے استاد کو عبادت میں مشغول پا کر آپ نے پانی دینا مناسب نہ سمجھا۔ آخر جب نانا صاحب عبادت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ملا طاہر سے پانی لیا۔ سخت سردی کی وجہ سے ملا طاہر کی چمڑی اتر گئی اس پر نانا صاحب نے آپ کو خرواری' بڑے پیمانے یا گنج کا خطاب عطا فرمایا۔ آپ کو بزرگی خروار کے حساب سے دے دی گئی جبکہ زیارت کا پرانا نام غوسکی ہے آپ کے مزار کی وجہ سے زیارت کا نام زیارت پڑ گیا۔ زیارت پشتو میں مزار کو کہتے ہیں۔ تمام پاکستان ان کے عقیدت مندوں سے بھرا پڑا ہے اور گرمیوں کے موسم میں بالخصوص ان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

قائداعظم ریذیڈنسی کوئٹہ سے 133 کلومیٹر اور سطح سمندر سے 7200 فٹ پر واقع ہے اسے انگریزوں نے 1892-1891 میں کثیر رقم خرچ کر کے تعمیر کروایا۔ تقسیم سے پہلے گورنر جنرل کے ایجنٹ بلوچستان چیف کمشنر گرمیوں کے موسم میں قیام پذیر ہوتے لیکن قائداعظم کے آخری دنوں کی رہائش کی وجہ سے اسے قومی ورثہ قرار دے دیا گیا ہے اور 1975ء میں ایک ایکٹ کے تحت اسے تحویل میں لے لیا گیا اور فروری 1978ء میں

قائداعظم ریذیڈنسی قرار دیا گیا۔

ریذیڈنسی کی عمارت 9 فٹ چوڑے برآمدے سے شروع ہوتی ہے تمام عمارت صنوبر اور اخروٹ کی اعلیٰ لکڑی سے تعمیر کی گئی ہے۔ اتنے سالوں کے گزرنے کے بعد بھی اس کی تمکنت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تمام عمارت گھنے پھل دار درختوں سے چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے زیارت کی خنکی اور ٹھنڈی ہوائیں آنے والوں کا استقبال کرتی ہیں۔

جب قائداعظمؒ کا انتقال ہوا میں بری طرح بخار میں پھنک رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا' جیسے تمام پاکستانی قوم یتیم ہو گئی ہے۔ تیز بخار کی وجہ سے عجیب وغریب خیالات نے ذہن کو پراگندہ کر کے رکھ دیا اور میرے ذہن میں قائداعظم کی یونیورسٹی گراؤنڈ میں کی جانے والی تقریر کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ہم تمام دوست راتوں رات اوکاڑہ سے سفر کر کے قائداعظم کی تقریر سننے آئے تھے۔ ایک جم غفیر تھا حد نظر تک لوگوں کا سمندر تھا۔ قائداعظم نے اپنی تقریر کا آغاز گونج دار آواز میں اردو میں کیا اور پھر انگریزی پیرایہ بیان کو اپنایا مجھے تمام عمر اس بات کا غم رہا کہ میں قائد کے جنازے کو کندھا نہ دے سکا۔

1960ء کے آغاز میں ایک ماہ کے لیے میرا کوئٹہ میں قیام رہا لیکن میں زیارت نہ جا سکا۔ اس دفعہ گرمیوں کی تعطیلات میں کوئٹہ زیارت جانے کا ارادہ کیا۔

کوئٹہ سے زیارت جانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں یوں تو سفر کے لیے زیارت اور کوئٹہ کے درمیان بسیں چلتی ہیں لیکن راستے میں سڑک جگہ جگہ ٹوٹی ہوئی ہے اور 25 میل کے سفر میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگ جاتا ہے کیونکہ سڑک زیر تعمیر ہے۔ راستے بھر میں سوچتا رہا کہ قائد کو اتنی شدید علالت کے باوجود اس دشوار راستے سے ایمبولینس میں لایا گیا جبکہ اس راستے پر سفر کرتے ہوئے اچھے بھلے آدمی کا پنجر ہل جاتا ہے' لیکن قائد کے عقیدت منداس جگہ کو دیکھنے کے لیے جہاں انھوں نے آخری ایام قیام کیا یہ صعوبتیں بھی برداشت کرتے ہیں۔ دوپہر سے قبل ہم کوئٹہ سے زیارت پہنچ گئے۔ زیارت پہاڑی طرز کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے لیکن اپنی ہریالی اور خنکی کی وجہ سے صحت افزا مقام ہے۔ سارا دن ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں جب ہم ریذیڈنسی کے دروازے پر پہنچے تو ہماری مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب

مجھے اور دیگر لوگوں کو جو دور افتادہ جگہوں سے آئے تھے بتایا گیا کہ آج ریذیڈنسی عوام کے لیے بند ہے کیونکہ گورنر بلوچستان 9 اگست سے قیام پذیر ہیں میرے قومی احساس کو دھچکا سا لگا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں آج بھی پرائمری سکول کے زمانے میں آ گیا ہوں جب دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں دعا سے پہلے اساتذہ ہمیں یہ گانے پر مجبور کرتے کہ گاؤ "Long Live The King" کیا میں پیدائشی غلام ہوں۔ میں تو اس شخص کی زیارت کے لیے آیا تھا جس نے مسلم قوم کو انگریز کی صدیوں کی غلامی سے نجات دلائی تھی اور پھر جب ریذیڈنسی کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا ہے کوئی شخص اس میں قیام پذیر نہیں ہو سکتا بے شک رتبہ اور عہدہ میں کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' قانون بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ گورنر صاحب کے قیام کے لیے زیارت میں کمشنر ہاؤس' وزیر اعلیٰ ہاؤس موجود ہیں وہ اپنے بچوں کے ہمراہ ان میں قیام فرما سکتے ہیں۔ ارباب بست و کشاد نے اس کے لیے عوام کو کوئی پیشگی اطلاع بھی نہیں دی کہ ریذیڈنسی گورنر صاحب کے قیام کی وجہ سے عوام کے لیے بند رہے گی۔

ریذیڈنسی کے اندر داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف کھانے کا کمرہ ہے اور بائیں طرف مہمانوں کے لیے کمرہ بنا ہوا ہے راہداری کے ذریعہ سیڑھیوں پر جاتے ہوئے بالکونی کی طرف جا نکلتے ہیں۔ یہاں پر کھڑے ہو کر سارا "زیارت" نظر آتا ہے اور آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے پہلی منزل پر قائد کا کمرہ تھا جہاں پر انھوں نے زندگی کے آخری ایام بسر کیے اور بائیں طرف محترمہ فاطمہ جناح کا کمرہ تھا جو قائد کی تیمارداری کے لیے ہمہ تن مصروف رہیں۔ قائد سے ملحقہ کمرہ ان کے معالج ڈاکٹر الٰہی بخش کا کمرہ تھا۔ ان کمروں سے ملحقہ دو اور بھی کمرے ہیں۔ ذرا قائد کے کمرہ کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے۔

"کمرہ کے فرش پر ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ افتادِ زمانہ کے باوجود اس کے نقش و نگار ابھی تک ابھرے ہوئے ہیں۔ کمرہ میں دو سادہ بیڈ اور دائیں طرف ایک میز اور کرسی پڑی ہے۔ سامنے دیوار کے ساتھ بھی ایک میز اور کرسی پڑی ہے" یہ اس قائد کا کمرہ ہے جس نے ہمیشہ قوم کے روپے پیسے کو قوم کی امانت سمجھا اور جھوٹی نمائش و زیبائش کو ناپسند فرمایا۔

آج کل کے لیڈران کرام اور ارباب بست و کشاد کی طرف دیکھیے جو صرف ایک

جلسے کی نمائش پر لاکھوں روپے صرف کرتے ہیں اور پھر قوم کو ٹیکسوں کے بوجھ تلے بے یار و مددگار پھینک دیتے ہیں۔ میری وزیراعظم پاکستان سے درخواست ہے کہ وہ اپنے بیورو کریٹ کو ایک دفعہ ریذیڈنسی لے جائیں اور انھیں دکھائیں کہ اگر قوم کا قائد سادہ زندگی بسر کرسکتا تھا تو انھیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جس سے نہ صرف اخراجات میں خاطر خواہ کمی ہوگی بلکہ ہم قائد کے بتلائے ہوئے راستے پر چل سکیں گے اب ذرا خاکسار کی کیفیت دل کا حال بھی سن لیجیے جونہی میں قائد کے کمرہ میں داخل ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے قائد کرسی پر تشریف فرما ہیں مجھ پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے قائداعظم کہہ رہے ہیں۔

''تمھیں باری تعالیٰ نے اپنی تمام فیاضیوں سے نوازہ ہے۔ تمھیں انگریز کی ذلت آمیز غلامی اور ہندوں کے تعصب سے نجات دلائی۔ تم لوگوں نے ملک کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے۔ یہاں پر رشوت اور سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ مذہب کے نام پر خون روا ہے۔ مظلوم کی کوئی سنتا نہیں۔ ظالم کو حکمران طبقہ کا گھنا سایہ میسر ہے۔ میں ندامت سے سر جھکائے سب کچھ سنتا رہا۔ تم لوگوں نے اپنے مفاد اور سیاست کے لیے ملک کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ جب اس کے خلاف احتجاج کیا گیا تو تم نے ملک کو طویل عرصے کے لیے مارشل لاء کے گہرے سمندر میں دھکیل دیا۔ کیا یہی میرے خواب کی تعبیر تھی جس کے لیے میں نے تم لوگوں کے لیے دن رات محنت کر کے ابدی آرام کے لیے اپنے خداوند حقیقی سے جا ملا۔''

(محمد تقی نوائے وقت میگزین 12 ستمبر 1999ء)

فاطمہ جناحؒ ہو بہو قائداعظمؒ کی تصویر تھیں

محترمہ فاطمہ جناح 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ محمد علی جناح انگلستان میں زیر تعلیم تھے آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ مٹھی بھائی آپ کو 2 سال کی عمر میں چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئیں لیکن آپ کے والد محترم جناح پونجا نے آپ کو مادری شفقت کی محرومی کا احساس نہ ہونے دیا آپ کے والد کو آپ سے بہت پیار تھا۔ محمد علی جناح جب انگلستان سے تعلیم مکمل کر کے 1896ء میں واپس آئے تو آپ نے اپنی پیاری بہن فاطمہ کو پہلی مرتبہ دیکھا' پیار کیا اور ایسا پیار کیا کہ دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے اور زندگی کے کٹھن دن اکٹھے گزارے۔ اللہ نے قائداعظم کی محنتیں رنگ لائیں اور پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرض وجود میں آیا۔

محمد علی جناح نے اپنی پہلی ذمہ داری نہایت اعلیٰ طریقے سے اس طرح نبھائی کہ کم عمری میں ہی بار ایٹ لاء کی ڈگری انگلستان سے حاصل کی۔ جب وطن لوٹے تو چھوٹی بہن کو محسوس نہ ہونے دیا کہ ان کی والدہ نہیں ہے ان کا اعتماد قائم کیا اور اعتماد کی یہ اعلیٰ مثال بن گئی۔ مثلاً قانون کی پریکٹس کے لیے بمبئی 1897ء میں جانے لگے تو بہن نے اداس نگاہوں سے دیکھا مگر انھوں نے بہن کو یقین دلایا کہ وہ تعلیم حاصل کریں جلد ہی آپ کو بمبئی بلا لوں گا۔

لہٰذا 1902ء میں کانونٹ سکول بمبئی میں داخل ہو گئیں۔ 1913ء میں سینئر کیمرج کیا اور 1919ء میں قائد نے خود ان کی مرضی کے مطابق کلکتہ کے احمد ڈینٹل کالج میں داخل کرایا۔ اس زمانے میں دانتوں کی تعلیم کی درسگاہیں نہ تھیں برصغیر ہند کا سب سے بڑا

ادارہ اور قدیم دانتوں کے علم کی درسگاہ ڈی ماؤنٹ مورسی کالج آف ڈینٹسٹری لاہور میں 1934ء میں قائم ہوا تھا۔ لہٰذا محترمہ فاطمہ جناح نے ڈینٹسٹری کی تعلیم میں پہل کی شاید وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے امراض ڈینٹسٹری و علاج معالجہ کی تعلیم 2 سال تک کلکتہ سے حاصل کی۔

دوسرا اہم کارنامہ فاطمہ جناح کا یہ تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنا بہ مشکل تھا۔ خاص کر اس زمانے میں لڑکیوں کا۔ لیکن عزم بلند تھا معاونت کرنے والا عظیم بھائی تھا۔ تعلیم کی خاطر علاقائی رسم و رواج کی کوئی پروا نہ کی۔ لوگ نکتہ چین تھے فاطمہ کا شوق تھا کہ وہ تعلیم میں منفرد ہو اور جہالت کے خلاف جنگ کر کے کانونٹ سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہائش و خوراک کے انتظام کے لیے داخل ہو گئیں۔ آپ نے اس قدر محنت کی کہ بعد میں آپ کے بیان جو اکثر انگریزی زبان میں ہوتے تھے ترجمہ کرنا اور قلم اٹھانا بڑا دشوار تھا وہ زمانہ مجھے یاد آتا ہے کہ جب آپ ایوب خان کی حکومت اور پالیسی پر نقطہ چینی کرتی تھیں تو آپ کے انگریزی زبان کے بیان کا ترجمہ کرنا مشکل ہوتا تھا کیونکہ آپ نے سکول کی سطح پر اپنی انگریزی زبان کو مضبوط کر لیا تھا۔ تعلیم کے ساتھ آپ کے لباس میں خاص جاذبیت تھی۔ اس پر کوئی تنقید نہیں کر سکا۔ لباس سے آپ کے ذہن کی پختگی ٹپکتی تھی۔ بچپن سے سکول تک اور سکول سے احمد ڈینٹل کالج تک اور پھر ہندوستان کی تحریک آزادی میں آپ اپنے بھائی کے ساتھ تھیں مگر لباس نہایت سلجھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہنی طور پر آپ ڈسپلن کی حامی تھیں۔ ڈینٹسٹری کی تعلیم حاصل کر کے آپ کلکتہ سے واپس بمبئی آ گئیں۔ عبدالرحمٰن سٹریٹ میں آپ نے پرائیویٹ ڈینٹل کلینک کھولا۔ آپ جلد ہی مریضوں میں مقبول ہو گئیں۔ ساتھ ہی آپ مفت کلینک بمبئی کمیٹی کی طرف سے تھا اس میں کام کرنا شروع کر دیا۔ 1929ء تک آپ بمبئی کی قابل اعتماد خاتون ڈینٹل سرجن تھیں۔

پیدائش کے دو سال بعد ایک آزمائش والدہ کی فوت ہونے کی تھی۔ دوسری آزمائش کہ اب پریکٹس چلی۔ مشہور ڈینٹل سرجن ہوئیں۔ عوامی خدمات میں چرچا ہونے لگا۔ قابل قدر بھائی محمد علی جناح کی شریک حیات کا انتقال 1929ء میں ہو گیا۔ ان کے ہاں ایک چھوٹی بیٹی تھی۔ رفیق حیات جب وفات پا گئی تو بہن نے بھائی کا احترام کرتے ہوئے کلینک بند کر دیا اور بھائی کے ہاں شفٹ ہو گئی تاکہ بھائی کو اکیلا نہ چھوڑا جائے۔ ان ہی دنوں میں ہندوستان میں سیاست کا بڑا چرچہ ہونے لگا۔ وہ بھائی کی معاونت کرنے لگیں۔

فاطمہ جناح کی تعلیم

محترمہ فاطمہ جناح کو معلوم تھا کہ قائداعظم کی طبیعت روز بروز بگڑ رہی ہے لہٰذا وہ بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ بھائی کی صحت کا خیال رکھتیں۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم اپنی بہن کی عظیم قربانیوں کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے ایک بار کہا کہ۔

''فاطمہ جناح میرے لیے امداد و اعانت اور حوصلہ افزائی کا مستقل سرچشمہ رہی ہیں۔ جن دنوں اندیشہ تھا کہ برطانوی حکومت مجھے گرفتار کر لے گی تو یہ میری بہن ہی تھی جس نے میرے حوصلے کو بلند رکھا اور جب انقلاب میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ کی باتیں میرے لیے حوصلہ انگیز اور اعتماد افروز تھیں۔ فاطمہ کو میری صحت کی ہمیشہ فکر رہی انہی کی توجہ نے مجھے صحت مند رکھا۔''

قائداعظم نے اپنی بہن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ ''پاکستان میرے ٹائپ رائٹر اور فاطمہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے'' یہ محترمہ فاطمہ جناح کی شب و روز کی محنت کا صلہ تھا جو ان کے بھائی نے ان کی خدمات کے عوض انھیں عطا کیا۔

محترمہ فاطمہ جناح اپنے بھائی ہی کی طرح ملک و قوم کے لیے سچے جذبے رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم کی وفات کے بعد انھوں نے عزم و حوصلے سے کام لیا اور قوم کو ہر مرحلے پر ان افکار و اصولوں سے نوازا جو ملک و قوم کی سلامتی اور ترقی کی اساس بن سکتے ہیں۔ انھوں نے ملک کی جمہوریت کی بقا کے لیے جنگ لڑی اور گمراہ حکمرانوں کو ہمیشہ راست بازی کا راستہ دکھلاتی رہیں۔ وہ 1947ء کے بعد عملی طور پر سیاست سے کنارہ

کش ہو گئی تھیں لیکن قوم کو آمریت سے نجات دلانے کے لیے 1964ء میں ایوب خاں کے خلاف میدان عمل میں اتر آئی تھیں۔

قائداعظم کی رحلت کے بعد آنے والی غیر جمہوری حکومتوں اور ان کے اکابرین نے فاطمہ جناح کو نظر انداز کر دیا تھا لیکن انھوں نے اس بات کا کبھی گلہ نہ کیا بلکہ اپنے وقار کو قائم رکھتے ہوئے عوام سے تعلق مضبوط رکھا۔ وہ قائداعظم کے متعلق کسی بھی پلیٹ فارم سے خواہ وہ غیر ملکی ہی کیوں نہ ہوتے' وہ بھرپور اعتراض کرتیں اور اس کا موثر جواب دیتیں۔

حکومت وقت نے جب قائد کی سوانح عمری لکھنے کے لیے ایک غیر ملکی کا انتخاب کیا تو مادرِ ملت نے اس کے ساتھ تعاون کرنے سے یکسر انکار کر دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی۔

''مجھے کہا جاتا ہے کہ میں قائداعظم کی ہر چیز پر قابض ہوں۔ ان کے لباس' ان کی کتابیں' تحریریں' تصاویر اور نجی اشیا پر حق جمائے بیٹھی ہوں اور سوانح نگار کو یہ دینا تو بڑی بات ہے دکھانا تک نہیں چاہتی۔ مجھے یقین ہے کہ غیر مذہب غیر ملکی' قائداعظم کی سوانح کے ساتھ کبھی بھی انصاف نہیں کر سکے گا۔ اس کی تحریر کے نتیجے میں ایسی باتیں سامنے آئیں گی جن سے قوم' قائد اور تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔ اورنگزیب عالمگیر اور واجد علی شاہ کے لیے جو کچھ ان لوگوں نے لکھا ہے کیا وہ زیادتی نہیں ہے۔ میرے پاس ان کی تحریریں' لباس اور وہ کراکری جو ان کو بے حد پسند تھی' وہ جائے نماز اور تسبیح جس پر عبادت کرتے تھے' سب کچھ محفوظ ہے۔ مگر ان سب چیزوں کا استعمال اور ان کے ساتھ ایمانداری سے تاریخ اور سوانح کون لکھے گا''

حکومت نے قائداعظم کا مزار بنانے کے لیے کئی طرح کے ڈیزائن بنائے مگر مادرِ ملت نے ہر ڈیزائن مسترد کر دیا۔ اس پر قمر یحییٰ نے فاطمہ جناح سے رابطہ کیا اور کہا۔

''مادرِ ملت! آپ کو کوئی بھی ڈیزائن پسند نہیں آ رہا۔ اگر حکومت وقت نے خود ہی کوئی نقشہ پسند کر کے مزار تعمیر کرا دیا تو آپ کا اقدام کیا ہوگا''

محترمہ نے سر کو جھٹکا دیا اور فرمایا۔ ''تم نے غلط کہا۔ اس کو یوں کہو کہ اگر میموریل کمیٹی اور سربراہ ملک ایسے ہی یورپین طرز تعمیر اور ہوٹلوں کے ماڈل پسند کرتے رہے تو میر

قائد کی بہن کی حیثیت سے اس امر کی مجاز ہوں کہ میں اپنے بھائی کا مقبرہ اپنی پسند اور پیسے سے تعمیر کروں جو اسلامی طرز تعمیر اور قومی رجحان و کردار کا مظہر ہو۔''

مادرِ ملت پاکستانی قوم کو غیور، باوقار اور خوددار دیکھنا چاہتی تھیں۔ ملکہ انگلستان الزبتھ جب پاکستان کے دورے پر آئیں تو اس پر انھوں نے نہایت افسردگی کا اظہار کیا اور کہا۔

''ہمارے ابلاغ عامہ اور ادارے ملکہ کی آمد کا تذکرہ کچھ اس طرح کر رہے ہیں گویا وہ پاکستان کی حکمران ہوں۔ پاکستان اور اس کی قوم ایک آزاد اسلامی ملک کی قوم ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے ہماری آزادی اور حیثیت پر حرف آئے'' اس طرح جب ساربان بشیر نے امریکہ کا دورہ کیا تو اس موقع پر کہا۔

''دیکھنا کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ ہمارا قومی کردار باہر کی دنیا غلط رنگ میں نہ لے جائے اور ذرا سی بات کو ہمارا قومی مزاج تصور کرے''

مادرِ ملت ہر قومی اور حساس پہلو پر نظر رکھتی تھیں جو اس بات کی غماز ہے کہ وہ قائداعظم کی طرح قوم کی سچی ہمدرد تھیں۔



قائداعظم محمد علی جناح، محترمہ فاطمہ جناحؒ، نوابزادہ لیاقت علی خاں ملیر چھاؤنی کراچی ۱۹۴۸ء

بیرسٹر محمد علی جناحؒ اور فاطمہ جناحؒ کی کشمیر آمد خواجہ غلام محمد نے اپنے تاثرات محمد علی جناحؒ کے بارے میں یوں قلمبند کئے

۱۹۳۶ء میں سری نگر میں پہلی بار ملاقات ہوئی۔ دوسری بار ۱۹۴۶ء میں اس کے درمیان ۱۹۴۲ء میں بمبئی میں قائد سے ملاقات کی اور ۷ اجولائی کو کراچی میں جبکہ وہ گورنر جنرل آف پاکستان تھے۔

کشمیر یعنی سری نگر مئی اور جون میں جوبن پر ہوتا ہے۔ پھول بہتات سے کھلتے ہیں۔ جس طرح ایم۔اے صوفی نے اپنے اشعار میں لیا

۱۔ گلہا گل' گل رخ لالہ گل۔ ۲۔ تخلیق کے ہیں سب کام ان کا رنا ے۔
۳۔ سب ہی رنگ ہیں طرح طرح کے افسانے۔ ۴۔ خالق عظیم کی احسن گلباری

موسم کی رنگینیاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں۔ چاند کی چاندنی بلوری کٹورے میں اپنا عکس یوں چھوڑتی ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیاں' درختوں کے پتے' حسین وجمیل نظارہ پیش کرتے ہیں۔ پھل پیڑوں کے ساتھ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ جھولے لیتے ہیں۔ سیب' خوبانی' ناشپاتی' انگور' طرح طرح کے میوے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ہندوستان سے اور باہر سے سیاح آتے ہیں۔ قائد کو بھی اچھا موسم' خوشنما ماحول پسندیدہ رہا۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء موسم گزارنے کی خاطر سری نگر تشریف لے گئے۔ قائداعظم کو پانی کا نظارہ بھی خیرہ کرتا تھا۔ چنانچہ وہ سری نگر میں ''کشتی گھر'' پسند کرتے تھے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔ مصری لوٹ ہاؤس دیکھ کر جہلم دریا کی طرف رخ کرلیا

مغربی رغبت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ ۲ جون ۱۹۳۶ء کو عید میلادالنبی کی تقریب' مجاہد منزل میں منعقد ہوئی۔ قائد نے شمولیت کی اور اس کا اہتمام آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس نے کیا تھا۔ حیدرآباد کے شہزادہ اعظم جان بھی موسم کی رعنائیاں دیکھنے آئے تھے۔ وہ بھی میلاد میں شامل ہوگئے۔ اس میں ہندوستان کے چیدہ چیدہ مسلمان آئے ہوئے تھے۔ اس میٹنگ کی صدارت دکن حیدرآباد کے نواب خسرو جنگ نے کی۔ جو ہری سنگھ مہاراجہ کشمیر کے ذاتی دوست تھے۔ اور قائد نے تقریر انگریزی میں کی۔

حضور اکرم ﷺ سے محبت کا اظہار نہایت عقیدت سے کیا اور لنکن ان میں داخلہ کی وجہ بتادی۔ کیونکہ قانون سازی کے میدان میں مشاہیر کے نام درج تھے اور حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک بھی تھا۔ لہٰذا میں نے داخلہ یہاں لینا پسند کیا اور بیرسٹر کا امتحان پاس کیا۔

جب قائد اپنی تقریر کی ذریعہ اظہار محبت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کر رہے تھے۔ تو سری نگر کے دانشور منشی سراج الدین نے بے ساختہ اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ قائداعظم کی تقریر نے ایک نیا رنگ بنا دیا۔ لوگ تعجب میں ہوگئے کہ محمد علی جناح کو حضور اکرم ﷺ سے اس قدر انس اور محبت تھے۔ ۳ جون ۱۹۳۶ء چوہدری غلام عباس نے کہا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اقلیت کا بھی خیال کریں۔

بس کیا تھا کشمیر میں ہر طرف قائد کی تقریر کا تذکرہ اور لوگوں کا تانتا بندھ گیا پارٹیاں منعقد ہوتی گئیں۔ اور قائداعظم اپنی قابلیت اور حضور اکرم ﷺ سے عقیدت کی بناء پر مسلمانوں پر ہر دلعزیز ہوگئے۔

قائداعظم کی ایک بہتر عادت یہ تھی کہ طلباء کے ساتھ گفتگو کرتے اور ان کے مستقبل کے بارے میں مشورہ دیتے۔ علی گڑھ سے بھی ان کو بڑی دلچسپی تھی۔

دوسری بار قائداعظم محمد علی جناح ۱۰ مئی ۱۹۴۴ء میں سری نگر تھے۔ کیا شاندار استقبال ہوا۔

قائداعظمؒ اور مسئلہ کشمیر

قائداعظم کو مسئلہ کشمیر سے دلی لگاؤ تھا۔ صرف ایک خیال جوان کے آخری زمانہ علالت میں ان کے خلش جان تھا وہ کشمیر اور اس کی آزادی تھی۔ آج بھی ان کی روح مسلمانان کشمیر کی آزادی کیلئے اسی طرح مضطرب اور بے چین ہے۔ اور پاکستان کو بھی ہرگز چین نہ لینا چاہیے جب تک قائداعظمؒ کی یہ آخری تمنا پوری نہ ہوجائے۔ مسلمانوں کی قومی سربلندی کیلئے قائداعظمؒ کی انتھک کوششوں اور ان کی شخصی قربانیوں میں آپ سب کیلئے اور خصوصاً نوجوان مردوں اور خواتین کیلئے ایک بڑی مثال موجود ہے۔ قائداعظم سے آپ کی دلی عقیدت اور اپنے ملک سے آپ کی محبت کا اقتضا یہ ہونا چاہیے کہ آپ جذبہ خلوص اور ایثار کے ساتھ ان کے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق کام کریں اور ان کی صحیح پیروی کی کوششیں کریں تاکہ خدمت ملک کیلئے بہتر قومی کارکن میسر آسکیں اور پاکستان ترقی کر سکے۔

یاد رکھیے کہ پاکستان ملت کا قیمتی سرمایہ ہے جو لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اسکی آزادی کو ابدالاباد تک قائم رکھیں۔ دنیا کی نگاہیں تم پر ناقدانہ اٹھ رہی ہیں۔ تم کو ایک قوم کی حیثیت سے دنیا کے سامنے یہ دکھانا ہے کہ تم میں اپنے بے بہا گوہر آزادی کی بقاء اور حفاظت کی صلاحیت موجود ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنا حصہ ادا کریں گے۔ یاد رکھیے کہ اسلام ہر شخص سے اپنی ملت کے مفاد کیلئے ادائیگی فرض کی خواہش رکھتا ہے۔

آپ کو کسی لمحہ بھی یہ نہ بھولنا چاہیے کہ قائداعظم نے حصول پاکستان کیلئے سخت

ترین محنت کی اور اس کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں اس سے بھی زیادہ مشقت برداشت کی تاکہ پاکستان سلامت و برقرار رہے۔ انہوں نے دونوں مقاصد حاصل کر لئے مگر اپنی زندگی کی قیمت پر۔ قائداعظم زندہ رہے تاکہ پاکستان وجود میں آئے۔ وہ فوت ہو گئے تاکہ پاکستان زندہ رہے۔ جیسا کہ قائداعظم نے اپنے آخری پیام میں فرمایا۔

"آپ کی مملکت کی بنیادیں رکھ دی گئی ہیں اور اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کی تعمیر کریں اور جلد سے جلد اور بہترین طریقہ پر اس کی تکمیل کریں۔ آگے بڑھیے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

قائداعظم زندہ باد۔ پاکستان پائندہ باد

(11 ستمبر 1949ء، قائداعظم کی پہلی برسی کے موقع پر مادرِ ملت کی نشری تقریر)



''جون ۱۹۴۴ء میں سری نگر کشمیر میں کھینچی گئی قائداعظم کی ایک غیر مطبوعہ تصویر۔''

تصویر میں قائداظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ جو دیگر حضرات نظر آ رہے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ سیف الدین' ایم یوسف' ایچ یو خان' ایم اے عزیز گل محمد' ایچ مرتضی' جی ایم صادق' این این پوتادر' این حسین' ایم عبداللہ ایم اے' بچ' محمود' علی محمد اے صد' جی ایم دین' اے منان' اے ڈی مٹو' ہدایت اللہ' این اسلام' اے این رانا' جی اے لال' جی این چکو' میاں جے دین' ایم جی محمد' خانسی دین دین' ایم اے کاظمی' چوہدری قادر' قاضی سیف الدین ایم ٹی صدیقی' ایس این کانا' چوہدری مہدی' جی ایم میر' جی اے مختار' ایم اے بیگ' ایم اے شیخ' پنڈت مدوسودن کاک' کے جی سیدین' کے بی ایم نذیر احمد' مسز کے اے حکیم' قائداعظم محمد علی جناح' محترمہ فاطمہ جناح' کے اے حکیم' ایس ایم عبداللہ' ایم ایچ گزور' کے ایم اشرف۔' ہمدانی' آغا سید احمد' اے صمد' جی ایم سیولز' ایس این حسین' آغا سید مظفر' جی ایم شاہ' مشتاق ایم امین اور جی ایم شو۔ا۔حوالہ روزنامہ جنگ ۱۱ستمبر۔۱۹۸۲ء

مادرِ ملت اور مسئلہ کشمیر

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی جدوجہد اور قیامِ پاکستان کے بعد فوجی آمریت کے دوران بحالی جمہوریت کے لیے ان کا تابناک کردار ایک عظیم ورثہ ہے جس پر اہلِ وطن ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں محترمہ فاطمہ جناح اپنے عظیم بھائی قائداعظمؒ محمد علی جناح کے ساتھ ہر مرحلہ میں شریک رہیں جس کا اعتراف خود قائد نے بھی کیا اور کہا کہ ''ہر مشکل وقت میں ان کی بہن نے ان کی ہمت بڑھائی انھیں حوصلہ دیا اور یہ ان کی غیر متزلزل حمایت تھی جس سے وہ اس مہم کو کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔''

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے تحریکِ پاکستان کے دوران مسلم خواتین خاص طور پر طالبات کو منظم کرنے میں بھی اہم کام کیا ان کی محنتوں کا ہی ثمر تھا جب قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیا قیامِ پاکستان کے بعد بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کی وفات پوری قوم کے لیے ایک سانحہ تھی تو مادرِ ملت کے لیے اپنے بھائی کی موت کا صدمہ بھی کچھ کم نہ تھا مادرِ ملت نے اپنے عظیم بھائی کی وفات کے بعد اپنی زندگی قائد کے افکار اور وطنِ عزیز کی بہتری اور سلامتی کے لیے وقف کر دی۔ نظریہ پاکستان اور بحالی جمہوریت کے حوالے سے مادرِ ملت کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ان کی خدمات کے اعتراف میں موجودہ سال کو حکومت نے مادرِ ملت کا سال قرار دیا ہے جو خوش آئند اقدام ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ مادرِ ملت کے اس سال ایسا کام ہونا چاہیے جس سے مادرِ ملت کی سوچ اور فکر سے نہ صرف اہلِ وطن بلکہ دنیا کو زیادہ سے زیادہ آگہی ہو ان کی

ساری زندگی حق گوئی جرأت اور استقامت کی آئینہ دار رہی ہے آمریت کے دور میں جو جدوجہد جمہوریت کے لیے کی اس کے علاوہ ملک کے مختلف شہروں میں دوروں کے دوران انھوں نے جو کچھ کہا وہ قوم کا قیمتی اثاثہ ہے مادرِ ملت نے دسمبر **1948**ء میں کراچی میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کشمیر کے حوالے سے کہا تھا اس وقت پاکستان کو مختلف اہم مسائل کا سامنا ہے یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کشمیر ان سب سے زیادہ اہم ہے مدافعتی نقطہ نظر سے کشمیر پاکستان کی زندگی اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے کشمیر ہماری خوشحالی کا منبع ہے پاکستان کے بڑے دریا اسی ریاست کی حدود سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے اور ہماری خوشحالی میں مدد دیتے ہیں۔ ان کے بغیر پاکستان کی خوش حالی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ خدا نہ کرے اگر ہم کشمیر سے محروم ہو جائیں تو قدرت کی عطا کردہ نعمت عظمیٰ کا ایک بڑا حصہ ہم سے چھن جائے گا۔ کشمیر ہماری مدافعت کا کلیدی نقطہ ہے اگر دشمن کی قوت کو کشمیر کی خوبصورت وادی کے اندر پہاڑوں میں مورچہ بندی کا موقع مل جائے تو پھر یہ اٹل ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں مداخلت اور اپنی مرضی چلانے کی کوشش کرے گا پس اپنے آپ کو ایک مضبوط اور حقیقتاً طاقتور قوم بنانے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ پاکستان کو دشمن کی ایسی سرگرمیوں کی زد میں نہ آنے دیا جائے اس لحاظ سے کشمیر کی مدد ہمارا اولین فرض ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مادرِ ملت نے پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا وہ کتنا درست تھا یہ ان کی بصیرت کا واضح ثبوت ہے۔ **30** اپریل **1949**ء کو پشاور میں تقریر کرتے ہوئے کہا کشمیر کے مسئلہ میں آپ نے جس سرفروشی اور جانبازی سے مجاہدانہ خدمات دی ہیں اور وہاں کے مصیبت زدوں کو امداد پہنچانے میں جو جدوجہد کی ہے وہ ناقابل فراموش ہے اس لیے اس کو تاریخی حیثیت حاصل ہے پاکستان کے ہر فرد کے دل و دماغ پر کشمیر کا مسئلہ موضوع بحث ہے ہر شخص اس کے مستقبل کے بارے میں دلچسپی لیتا اور تجسس کرتا ہے اس سلسلہ میں ہمارے بے قرار دلوں کو اس وقت تک آرام نہیں مل سکتا جب تک کہ مسئلہ کشمیر پورے طور پر حل نہ ہو جائے۔

مادرِ ملت اہلِ وطن بلکہ اہلِ اقتدار کو قیامِ پاکستان کے مقصد اور نصب العین یاد دلاتی دلاتی لحد میں اتر گئیں ان کی باتیں آج بھی تاریخ کے صفحات پر روشن ہیں ضرورت صرف ان پر عمل پیرا ہونے کی ہے سال، مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح میں ان کی ذات تخلیق پاکستان سے تعمیر پاکستان کے سلسلے میں ان کی خدمات سے اہلِ وطن کو زیادہ سے زیادہ آگاہ کرنے کے لیے حکومتی سطح پر مناسب اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سال مادرِ ملت کا صحیح حق ادا کیا جا سکے اس سلسلہ میں الیکٹرانک میڈیا پر بھی زیادہ سے زیادہ خصوصی پروگرام پیش کیے جائیں تاکہ عظیم بھائی کی عظیم بہن کی زندگی بھر کی جدوجہد کی جھلک نئی نسل تک بھی پہنچ سکے۔

(میاں شفیع الرحمن نوائے وقت 19 مئی 2003ء)

پرعزم رہو۔ دشمن پاش پاش ہوگا

میں آج سرزمین کشمیر کے ان بہادروں کو مخاطب کررہی ہوں' جنہوں نے اپنی آزادی حاصل کرنے میں بیش بہا قربانیاں دی ہیں اور انقلاب کے طوفانوں سے زبردست مقابلہ کیا ہے اور کررہے ہیں۔ آپ لوگ مصائب و آلام کی جن منزلوں سے گزر رہے ہیں وہ اس قدر دردناک ہیں کہ کوئی انسانی محبت اور جذبہ رکھنے والا دل اس پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں آپ کے محبوب قائداعظم مرحوم کو مسئلہ کشمیر سے دلی لگاؤ تھا اپنے بستر مرگ کے آخیر لمحے جبکہ ان کی روح دنیاوی تعلقات سے منقطع ہو رہی تھی۔ صرف ایک خیال جو ان خلش جاں تھا، وہ کشمیر اور اس کی آزادی تھی، ان کے آخری نکتہ خیال میں آج بھی روحانی کشش موجود ہے۔ آج سارے پاکستان کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ پاکستان کا ہر فرد آپ کی آزادی کی خاطر اپنے زر و مال سے آپ کی مدد کیلئے تیار ہے۔ اس سلسلہ میں خواتین کشمیر نے جس حسن وخوبی' جوش اور ہمت سے اپنا حق ادا کیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اپنے جگر گوشوں کو خون کی ندیوں سے کھیلنے اور ایمان کے راستے میں جان دینے کیلئے بھیجنا اور تیار کرنا ان کو ہر دو جہاں کی دائمی نعمت سے مالا مال کردے گا۔

خواتین کشمیر سے میری یہ درخواست ہے کہ اگر اپنی مکمل آزادی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ تو اب بالکل تھوڑی سی دیر باقی ہے جبکہ فتح اور کامیابی آپ کے قدموں پر نثار ہوگی۔ ان شاء اللہ! میں نے حتیٰ الامکان کشمیر کے معاملہ میں دلچسپی لی اور خدمت کی ہے اور آزادی کشمیر حاصل ہونے تک اپنی خدمات جاری رکھوں گی لیکن ارباب متعلقہ کو میرا یہ پیام ہے کہ

تقسیم مال و دولت میں یہ خیال رکھا جائے کہ حقدار کو اس کا حق برابر پہنچے۔ اپنے گھروں میں بیٹھنے والی شریف اور بیوہ عورتیں اور یتیم بچے اور بچیاں اپنے حق سے محروم نہ رہ جائیں۔ ان کی غذا' ان کا لباس' انکی تربیت' ان کا آرام' ان کی تعلیم اور ان کی دلداری ہر پاکستانی کا فرض ہے تاکہ وہ زخمی دل جو اپنے عزیزوں کی قربانیوں سے چور چور اور بے سہارا ہو گئے ہیں یہ فراخی اور آسائش ان کیلئے کسی قدر مرہم کا کام کر سکے۔ ایک عرصہ سے میں بذات خود سرزمین کشمیر پر آنے کا ارادہ رکھتی تھی آج خدا کا شکر ہے کہ میں آپ تک پہنچی ہوں لیکن میری دلی تمنا اس وقت پوری ہوگی جب میں سرزمین سری نگر میں آپ کو فاتح کی حیثیت سے مبارکباد دینے کیلئے قدم رکھوں گی۔ قائداعظم کی یہ آخری دلی تمنا تھی اور میری تمنا اس کا عکس ہے۔ کشمیر کے سرفروش بہادرو! تمہاری قوت ایمانی نے دنیا کو حیران کر رکھا ہے تمہارے نعرہ ہائے تکبیر نے دلوں کو ہلا دیا ہے آج سارے عالم کی نگاہیں تمہارے فیصلہ پر لگی ہوئی ہیں۔ تم کو اپنے ایمان کی روحانی قوت کا واسطہ اپنے عزائم کو بلند سے بلند کرتے چلے جاؤ۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے ٹکرا ٹکرا کر بھی پاش نہ ہونے والی یہ قوت تم کو تمہارا حق دلا کر رہے گی۔ کشمیر ہمارا ہے اور اس کو قدرت نے ہر طرح پاکستان کا جز بنایا ہے اور وہ پاکستان کا ہو کر رہے گا۔ اب وقت اور موقع کی نزاکت کو سمجھنا چاہیے۔ وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنے احساس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرے۔ اسلام نے آپ کو اخوت کا سبق دیا ہے۔ اس برادرانہ تعلق کے فرمان نے ہماری آپس کی تفریق اور رنگ و نسل کو مٹا دیا اور ہم کو وحدت خیال کے مرکز پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ اس کے بعد صداقت' شجاعت' محبت اور انصاف ہے۔ اسی میں ہماری قوت ہے اور یہی ہمارے عروج اور ارتقا کا خزانہ ہے۔ آج بھی مسئلہ کشمیر پر گفتگو جاری ہے۔ پاکستان کے سرفروش جاں باز بہادرو! یہ تمہاری آزمائش کا وقت ہے۔ تمہارے پیروں میں لغزش نہ آنے پائے۔ تم کو طوفانوں کا مقابلہ کرنا ہے اپنے حصول مقصد تک ہرگز چین نہ لینا۔

یقین محکم' عمل پیہم' محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(9 مئی 49ء مظفر آباد میں مادر ملت کا خطاب)

مسلم لیگ کی کامیابی اور خواتین سرحد

اگرچہ آج پہلی دفعہ خواتین ایبٹ آباد سے مخاطب ہو رہی ہوں۔ لیکن میں آپ کو اجنبی نہیں سمجھتی اس لئے کہ تمام صوبہ سرحد کی خواتین کے گزشتہ اور موجودہ کارناموں سے واقف ہوں اور آپ کی درخشاں خدمات سے مانوس ہوں۔ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے حق بجانب ہوں کہ مسلم لیگ کی کامیابی میں صوبہ سرحد کی عورتوں کا حیرت انگیز حصہ ضرور رہا ہے۔ انہوں نے مردوں کے تخیل میں انقلاب پیدا کیا۔ اپنے دوست احباب اور حلقہ اثر میں اس کی اشاعت کی اور اس کی خدمت پر انہیں مجبور کیا۔ اپنے نوعمر نونہالوں کے ننھے دماغوں میں مسلم لیگ کی عظمت کا بیج بویا اور اس کی اہمیت ذہن نشین کرائی۔ جس سے ان کے کردار کی تشکیل میں ایسی قوت پیدا ہوئی کہ آج وہ نونہال پاکستان کے دل وجان سے شیدائی اور حقیقی معنوں میں خادم ملت بن رہے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کی قائداعظم اور پاکستان سے والہانہ محبت صوبہ سرحد کی ان ماؤں کا نخل تمنا ہے جس کی مسلم لیگ کے ابتدائی دور میں انہوں نے تخم ریزی کی تھی۔ آج بھی ہماری بہت سی امیدیں ان سے وابستہ ہیں۔

پاکستان جس قدر ترقی کرے گا اور جتنا زیادہ استوار ہوگا اسی قدر اسکی بنیاد اولین یعنی مسلم لیگ میں عورتوں کی سرگرمیوں کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اور ان کی خدمات فراموش نہ کی جائیں گی۔ کوئی عظیم الشان عمارت چاہے کسی قدر بلند، مضبوط اور خوبصورت ہو اس کی بقا کا انحصار اس کی بنیادوں کے استحکام پر ہوتا ہے۔ آج جبکہ پاکستان ہم کو مل چکا ہے ہم کو صدیوں کی غلامی سے آزادی حاصل ہو چکی ہے اور ہم ایک طاقتور آزاد

اسلامی حکومت کے مالک ہیں ۔ میں آپ کو دلی مبارکباد دیتی ہوں اور اس راہ میں آپ کو جن قربانیوں سے گزرنا پڑا اور جو ایثار آپ نے کیا ہے اس کیلئے میری دلی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ بغیر قربانی کے ہم کبھی اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن ابھی ایک کڑی منزل ہمارے سامنے ہے اور بہت سی دشوار گزار گھاٹیاں ہماری راہ میں حائل ہیں ابھی آپ کو اپنا حق اسی غیر معمولی ہمت اور استقلال سے ادا کرنا ہے۔

میں نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا ہے اور جن مشاہدات سے گزری ہوں ان کے تحت آپ کی ذمہ داریوں کو آپ کے سامنے پیش کرنا ضروری سمجھتی ہوں تا کہ اپنی ترقی اور قومی خدمات میں آپ اپنا پورا فرض ادا کر سکیں۔ سب سے پہلے یہ کہ ہمیں اپنی کمزوریوں کو دور کر کے اپنے کردار کو بہت بلند کرنا چاہیے تا کہ آپ کی آئندہ نسلیں آپ کے نقش قدم پر چل کر صحیح راستہ اختیار کر سکیں۔ سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ ان کے دل و دماغ سے اس غلامانہ ذہنیت کے زہریلے اثرات کو دور کیا جائے جو صدیوں کی غلامی کے باعث ان میں وراثتاً پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ یہاں قابل لیڈی ڈاکٹر، مستعد نرسوں اور اعلیٰ پیمانہ پر ایک ہسپتال کی بہت شدید ضرورت ہے اس سلسلہ میں آپ کو ہر گونہ امداد کیلئے اقدام کرنا چاہیے۔ اس معاملہ میں اب تک عورتوں کی طرف سے توجہ نہیں کی گئی حالانکہ یہ نہ صرف ایک معزز و شریفانہ پیشہ ہے بلکہ گھر سے میدان جنگ تک عورت اس باوقار فن کے ذریعہ قوم اور انسانیت کی خدمت کر سکتی ہے۔

ایک اور مسئلہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں وہ مرکز بہبود اطفال ہے۔ اس کو ہر چھوٹے سے چھوٹے دیہات میں بھی بہترین اصولوں پر قائم کر دینا چاہیے۔ بچے قوم کی قیمتی امانت ہیں اور اس امانت کی نہ صرف حفاظت کرنا بلکہ بہترین طریقہ پر قوم کیلئے تیار کرنا ماؤں کا اولین فرض ہے۔ میں ایبٹ آباد میں ایک دارالفنون کی ضرورت محسوس کرتی ہوں۔ اس کے قیام کے ساتھ ہی اشیاء کی نکاسی کیلئے صنعتی فروخت گاہ بھی ہونی چاہیے۔ ہم کو حقیقی مسرت اس وقت ہو گی جبکہ ہم اپنے فنون اور صنعتوں کو خالص پاکستانی بنا لیں گے۔

(21 مئی 1949ء کو ایبٹ آباد میں خواتین کے اجتماع سے مادر ملت کا خطاب)

ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے

مختلف اسلامی مملکتوں میں اتحاد کا تخیل ہمیشہ قائداعظمؒ کے پیش نظر رہا اور وہ ان ممالک کے درمیان ایسا باہمی ربط چاہتے تھے۔جس میں وہ اپنے مشترک مسائل کے حل میں متحد ہوجائیں مجھے مسرت ہے کہ قیام پاکستان کے بہت جلد بعد ہی ہم اس تصور کو عملی صورت دینے کے قابل ہوگئے۔

اسلام جو ہمارا مشترکہ عقیدہ ہے یہ تمام حد بندیوں سے گزر جاتا ہے۔خواہ ان کی نوعیت جغرافیائی ہو یا کوئی اور ۔ یہ لازماً عالمی برادری اور اخوت کا مذہب ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جس نے کرۂ ارض کے مسلمانوں کو کراچی تا انقرہ، مراکش تاملایا اور انقرہ تا اراکان باہم متحد کردیا ہے۔آج جب کہ دنیا ایک عالم انتشار میں ہے اور جبکہ انسانیت کے سمندر میں متضاد تخیلات اور نظریات کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ اسلام کی صدا میں اب بھی وہ قوت ہے جو اس طوفان کو تھام سکتی اور انسانیت کو دائمی امن اور عافیت بخش سکتی ہے۔

میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ اب اس بات کا وقت آگیا ہے کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوجائیں۔اور اپنا اصلی مقام پہچان لیں اور وہ کارنامے انجام دیں جن کی صرف ہم تکمیل کرسکتے ہیں۔ہمیں اپنی متحدہ مساعی کو اپنے اقتصادی حالات کی ترقی کیلئے وقف کردینا چاہیے۔کوئی اقتصادی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ ساتھ ہی ساتھ مردوں اور عورتوں کی صحیح تربیت نہ کی جائے۔ وہ متعدد ممالک جن کی ہمارے معزز مہمان یہاں نمائندگی فرما رہے ہیں ان میں اور ہم میں یہ مسائل مشترک ہیں، بالخصوص

اقتصادی اور تعلیمی پستی کے مسائل۔

ایک متوازن اقتصادی ترقی اور اپنے وسائل سے استفادہ کسی مملکت کی ترقی' خوشحالی اور استقلال میں بڑا معاون ہوتا ہے۔ اقتصادی ترقی کے بغیر کسی مملکت کا سیاسی اقتدار ایک ایسا سایہ بن جاتا ہے جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ یعنی ایک بے معنی چیز۔ علی ہذا تعلیم کی کمی غربت اور جہالت کا پیش خیمہ ہے۔ تعلیم کی روشنی کے بغیر عوام اندھیرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ پس میں متوقع ہوں کہ کانفرنس کے مندوبین اسلامی ممالک کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کیلئے ایک مشترکہ پروگرام مرتب کریں گے۔

چونکہ آج کی تقریب طلبا کی جانب سے منعقد کی گئی ہے اس لئے میں اس موقع پر انہیں بھی چند الفاظ سے مخاطب کروں گی۔ اسلامی مملکت کے نوجوانوں کے کندھوں پر بھاری ذمہ داریاں ہیں۔ وہ مستقبل کی امید اور قوموں کی بنیادی طاقت ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ سارے اسلامی مملکت کے نوجوانوں اس کانفرنس کی روداد کا مطالعہ پورے انہماک اور جوش کے ساتھ کر رہے ہوں گے۔ مجھے امید اور بھروسہ ہے کہ جو مقاصد یہاں متعین ہو رہے ہیں انہیں عملی جامہ پہنانے کیلئے وہ اپنی پوری امداد و تعاون پیش کریں گے۔ ہمارے ممالک کے نوجوان رفتہ رفتہ اپنے فرائض سے آگاہ ہوتے جارہے ہیں اور امید بندھتی جارہی ہے کہ وہ ایک نشاۃ ثانیہ کے علمبردار ہوں گے۔ لہٰذا موقع دیجیے کہ وہ ان ممالک کی اقتصادی' تعلیمی اور سماجی ترقی کی جدوجہد میں پورا حصہ لے سکیں۔

خواتین سے بھی مجھے چند الفاظ کہنے ہیں۔ یہ ایک قدیم کہاوت ہے کہ'' جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے وہ دنیا پر حکومت بھی کرتا ہے۔'' اس کی صداقت غیر متزلزل اور دوامی ہے اسلام کی تاریخ خواتین کے متعدد کارناموں سے پر ہے۔ جنہوں نے اپنی ملت کی سربلندی کیلئے اور صداقت کی راہ میں غیر معمولی جانبازی اور ایثار کے معیار قائم کیے ہیں۔ مسلم خواتین کو پھر ایک مرتبہ ان کے نقش قدم پر چلنا ہوگا تاکہ اسلام کی روایات زندہ رہیں۔ میں اس سے باخبر ہوں کہ اسلامی مملکت میں سے بعض میں خواتین نے قومی تعمیر کے کام میں نمایاں حصہ لینا شروع کردیا ہے۔ حصول پاکستان کی مہم میں مسلم خواتین نے جو حصہ لیا ہے

وہ تاریخ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے تاہم ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور مجھے یقین ہے کہ سارے عالم اسلام کی خواتین اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گی اور تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر اپنا حصہ ادا کریں گی۔

آیئے ! ہم اس صدا پر توجہ دیں۔ اے مسلمانان عالم! متحد ہو جاؤ۔ تم کو کچھ نہیں چھوڑنا ہے سوائے محکومی کے۔ اسلام زندہ باد۔

(3 دسمبر 1949ء کو اسلامی اقتصادی کانفرنس سے مادر ملت کا خطاب)

وزیر مینشن

کراچی کو یوں تو کئی اعزازات حاصل ہیں' یہ عروس البلاد ہے' ملک کا سب سے بڑا شہر اور صنعتی مرکز ہے' پاکستان کا اولین دارالحکومت اور روشنیوں کا شہر ہے لیکن اسے سب سے بڑا جو اعزاز حاصل ہے وہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کا آبائی شہر ہونے کا ہے۔ یہ خوش نصیبی صرف جینا پونجا بھائی اور میٹھی بائی کا مقدر ہی نہیں بنی کہ ان کا عظیم بیٹا برصغیر کے مسلمانوں کا نجات دہندہ بنا' یہ خوش نصیبی کراچی کا بھی مقدر بنی کہ یہ اس کا عظیم سپوت ہے اور اس عظیم ہستی کا بچپن' لڑکپن اور نوجوانی اس کی گلیوں میں گزری اور اس کی آغوش میں یہ ہونہار طفل جوان ہوا اور وہ عام سی عمارت جو بظاہر دوسری عمارتوں ہی جیسی ہے' آج صرف اس لیے دنیا میں مشہور ہے اور سینکڑوں لوگ یہاں روزانہ اسے دیکھنے اس لیے آتے ہیں کہ یہ عمارت ان کے عظیم قائد کی جائے پیدائش ہے یہاں وہ عظیم شخص پیدا ہوا جس نے برصغیر میں اپنے علم و دانش' تدبر' فہم و فراست اور سیاسی بصیرت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ مختلف قوموں' طبقوں اور دیگر مخالفین سے چومکھی لڑائی لڑتا ہوا آخر کار اپنی قوم کو معاشرتی' مذہبی اور علاقائی منجدھار سے نکال لایا اور دنیا کے نقشہ پر خطہ خداداد مملکت اسلامیہ پاکستان کے قیام کو ممکن بنا دیا۔

قائداعظم کی جائے پیدائش وزیر مینشن کراچی کے مغرب میں مشہور و معروف اور مصروف تجارتی علاقے کھارادر میں میری ویدر ٹاور سے کچھ فاصلے پر ایم اے جناح روڈ (سابقہ بندر روڈ) پر کیماڑی سے آتے ہوئے بائیں جانب نیو نہام روڈ اور چھاگلہ اسٹریٹ

کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ تین منزلہ خوبصورت عمارت تقریباً ڈیڑھ صدی (70-1860) قبل تعمیر کی گئی اور آج بھی اپنی مضبوطی اور شان و شکوہ کے اعتبار سے علاقے کی خوبصورت عمارتوں میں شامل ہے۔ عمارت کی تعمیر میں پہاڑی پتھروں کے بلاک، چونے پٹ سن کے ریشے اور گارے کے آمیزے سے چنے گئے ہیں۔ عمارت کا رقبہ تقریباً 125 مربع گز ہے۔

قائداعظم کے والد جینا بھائی کاٹھیاواڑ کی ریاست گوندل سے نقل مکانی کر کے 1872ء میں کراچی تشریف لائے اور کھارادر کے علاقے میں یہ عمارت خریدی۔ انھوں نے یہ عمارت کس سے خریدی یا یہ عمارت کس کی تھی اور کس نے تعمیر کرائی تھی، اس بارے میں کوئی شہادت نہیں ملتی۔ قائداعظم کے والد اس عمارت میں تقریباً 20 سال رہائش پذیر رہے اور یہیں پر ان کی تمام اولادیں پیدا ہوئیں جن میں قائداعظم، محترمہ فاطمہ جناح، محترمہ شیریں بائی اور دیگر اولادیں شامل ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح دسمبر 1876ء میں پیدا ہوئے اور 1892ء تک یہاں مقیم رہے، گویا آپ نے تقریباً 16 سال اس عمارت میں گزارے۔ بعد ازاں جب قائداعظم اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن چلے گئے تو ان کے والد نے یہ عمارت 1893ء میں ایک شخص گوردن داس نوتن داس کو فروخت کر دی۔ قیام پاکستان کے بعد وزیر محمد پونا والے نے یہ عمارت گوردن داس نوتن داس سے خرید لی اور اسے اپنے نام سے موسوم کر دیا جس کے بعد سے یہ "وزیر مینشن" کے نام سے مشہور ہے۔

نومبر 1952ء میں کراچی کے اس وقت کے میئر حاتم علی علوی کی زیر صدارت میونسپل کارپوریشن کے کونسلروں کے اجلاس میں طے پایا کہ قائداعظم کی جائے پیدائش کو قومی یادگار کے طور پر حاصل کر لیا جائے۔ حکومت پاکستان نے ایک معاہدہ کے تحت 1953ء میں اس عمارت کو وزیر محمد پونا والے سے خرید کر اپنی تحویل میں لے لیا اور پی ڈبلیو ڈی کو اس کی تعمیر نو و تزئین و آرائش کی ذمہ داری سونپی۔ 13 اگست 1953ء کو یہ عمارت ڈپارٹمنٹ آف آرکیالوجی کے حوالے کر دی گئی، اپارٹمنٹ نے عمارت میں ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کیں اور عمارت کو قائداعظم کی استعمال کی اشیاء کے حوالہ سے میوزیم میں تبدیل کر دیا۔

عمارت کا مرکزی دروازہ چھاگلہ اسٹریٹ کی طرف لمبائی والے حصے میں ہے۔ چھاگلہ اسٹریٹ اور نیو نہام روڈ دونوں جانب چھ سات فٹ کے فاصلے پر لوہے کا جنگلہ بنا ہے۔ پہلے عمارت کی سیڑھیاں باہر کی طرف تھیں' بعد میں یہ سیڑھیاں اندر دائیں جانب دیوار کے ساتھ بنائی گئیں اور اس طرح دوسری منزل پر کمروں کی ترتیب ذرا تبدیل ہو گئی۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی پہلی منزل پر کتب خانہ وریڈنگ روم ہے۔ ہو سکتا ہے پہلے یہاں کمرے ہوں مگر اب یہ ایک وسیع ہال ہے جو پوری عمارت کی لمبائی چوڑائی پر محیط ہے۔ یہ حصہ اخبار بینی اور لائبریری کے لیے مخصوص ہے اور روزانہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد یہاں مطالعہ کے لیے آتی ہے۔ یہاں ملک بھر کے چیدہ چیدہ اخبارات آتے ہیں ہال میں چار بڑی میزیں ملا کر رکھی گئی ہیں جن کے گرد کرسیاں موجود ہیں۔ کرسیوں کے پیچھے الماریاں رکھی گئی ہیں جن میں قائداعظم مسلم لیگ کانگریس' تحریک آزادی اور مشاہیر سے متعلق کتب کا ذخیرہ ہے جسے نہایت قرینے سے سنبھال کر رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اخبارات ڈان' پاکستان آبزرور' پاکستان ٹائمز' جنگ اور مارننگ نیوز کے (1955-70) کے اخبارات کو چمڑے (چرمی) جلدوں میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہے۔

دوسری منزل: سیڑھیاں چڑھتے ہی دائیں جانب دوسری منزل کا دروازہ ہے۔ یہ منزل برآمد کے ساتھ لائن میں بنے تین کمروں پر مشتمل ہے۔ کمروں کا رخ چھاگلہ اسٹریٹ کی جانب ہے۔ پہلے کمرے میں ایک صوفہ سیٹ' ایک سائیڈ ٹیبل اور ایک قالین رکھا ہے۔ یہ چیزیں آپ نے گورنر جنرل کی حیثیت سے استعمال کیں۔ دوسرے کمرے میں ایک مسہری ہے جس پر قائداعظم نے آخری سانسیں لیں' یہاں پر بھی ایک صوفہ سیٹ رکھا ہوا ہے جو پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے آپ کے زیرِ استعمال رہا۔ تیسرا اور آخری کمرہ جو عمارت کے نیو نہام روڈ اور چھاگلہ اسٹریٹ کے سنگم پر کونے میں ہے' یہاں قائداعظم محمد علی جناح پیدا ہوئے۔ کمرے میں قائداعظم کی پیدائش کی تاریخ 25 دسمبر 1876ء کندہ ہے۔ اس کمرے میں قائداعظم کی ذاتی استعمال و مطالعہ کی کتب الماری میں رکھی ہوئی ہیں یہ کتب آپ کے دوران وکالت زیرِ مطالعہ رہیں اور زیادہ تر قانون سے متعلق ہیں۔ ان کتب میں بعض پر

قائداعظم کے دستخط بھی ہیں۔ کمرے میں وہ میز اور کرسی بھی رکھی ہوئی ہے جو آپ نے گورنر جنرل کی حیثیت سے استعمال کی۔ ان تمام کمروں کو شیشے کے فریم لگا کر محفوظ کر دیا گیا ہے شائقین صرف ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں' چھو نہیں سکتے۔

تیسری منزل: اس منزل پر کمروں کو ختم کر کے وسیع ہال بنا دیا گیا ہے۔ یہاں پر مجموعی طور پر 9 شوکیس ہیں جن میں تین بڑے شوکیس ہال کے درمیان میں رکھے ہوئے ہیں اور چھ چھوٹے شوکیس تین دیواروں پر نصب ہیں۔ ایک شوکیس میں قرآن پاک کا ایک قلمی نسخہ رکھا ہے جو مطلاّ ہے' سونے کے پانی سے آیات کو تحریر کیا گیا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ جلد بندی کی گئی ہے۔ دوسرے شوکیس میں پتھر کا ایک تراشا ہوا تین منزلہ ٹاور رکھا ہے جس سے قائداعظم کے تین زریں اصولوں ایمان' اتحاد' یقین کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ماڈل مسلم مارواڑی سلوات جماعت نے قائداعظم کو تحفتاً پیش کیا تھا۔ ایک شوکیس میں قائداعظم کے یورپی طرز کے وہ لباس سجے ہیں جو آپ نے استعمال کیے۔ قائداعظم خوب سیرت اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ خوش لباس بھی تھے۔ آپ کرتے پائجامے کے علاوہ تھری پیس سوٹ اور اس سے میچ کرتے ہوئے جوتے بھی استعمال کرتے تھے' یہ لباس بھی شوکیس میں سجا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے زیرِ استعمال کرتے' قمیص' چوڑی دار پائجامہ' شیروانی' کلف لگے کچھ کالر بھی یہاں شوکیس میں رکھے ہیں۔ ان اشیاء کے علاوہ ہال میں ایک طرف ڈرائنگ روم کا فرنیچر بھی رکھا ہے جسے قائداعظم نے ذاتی طور پر آرڈر دے کر بمبئی آرٹ فرنیچر کمپنی سے تیار کروایا تھا۔ یہ فرنیچر اعلیٰ قسم کی لکڑی ''ٹیک وڈ'' کا بنا ہوا ہے اور بڑا ہی نازک و نفیس ہے۔ روایت کے مطابق 1919ء میں یہ فرنیچر آپ نے اپنی بیٹی کی پیدائش کی خوشی میں مریم جناح کو تحفہ میں دیا تھا۔ ہال کے درمیان میں رکھے ہوئے شو کیسوں میں قائداعظم کے زیرِ استعمال نوادرات اور وہ تحفے رکھے ہیں جو مختلف مواقع پر آپ کو پیش کیے گئے۔ ان شوکیسوں میں ایک عدد چمڑے کا بٹوا' آپ کا معروف ایک آنکھ والا چشمہ' کچھوے کی ہڈی کا بنا ہوا چشمے کا فریم' ایمرسن ریڈیو' سگریٹ پائپ' مسلم لیگ کے تحفے وغیرہ' علاوہ ازیں چاندی کا ایک عدد تالا بمعہ چابی' یہ تالا بنگال آئل ملز کے افتتاح کے

موقع پر آپ کو پیش کیا گیا تھا۔ ایک گلدان' ایک جگ' مسلم لیگ کا مونوگرام' قائداعظم کے زیر استعمال رہنے والا ایک لیٹر پیڈ' ایک پین ہولڈر بھی آپ کو کسی نے تحفہ میں پیش کیا تھا۔ دیوار پر نصب ایک شوکیس میں سنگ مرمر پر ابھرا ہوا پاکستان کا نقشہ بھی سجا ہے۔ اس نقشہ میں مغربی پاکستان' بھارت اور مشرقی پاکستان دکھایا گیا (افسوس اب مشرقی بازو پاکستان کا حصہ نہیں رہا) دہلی کے معروف آرٹسٹ تجمل حسین دہلوی کے ہاتھ سے بنائی ہوئی قائداعظم کی ایک تصویر بھی دیوار پر آویزاں ہے۔ ایک شوکیس میں قائداعظم کا عدالتی لباس بھی سجا ہوا ہے جسے آپ دوران وکالت زیب تن فرماتے۔ اس لباس میں عدالتی گون' سبز رنگ کا ریشمی پھندنے والا پٹکہ اور تتلی نما سفید عدالتی نشان بھی سجا ہوا ہے۔ یہاں ایک ایرانی قالین بھی رکھا ہوا ہے جس پر پھول پتیاں بنی ہیں دیوار کے ساتھ نصب ایک شوکیس میں قائداعظم کی ایک کریم رنگ کی شیروانی اور ایک کالی شیروانی بھی رکھی ہے' ایک واسکٹ بھی ہے جو چائنا سلک کی بنی ہوئی ہے۔ ایک چھڑی' سوئیڈن کے بنے بوٹوں کے جوڑے بھی رکھے ہیں ان تمام اشیاء پر تعارفی تختیاں لگی ہیں جس سے شائقین کو معلومات حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ تیسری منزل کے اوپر بعد میں تین کمرے بنائے گئے جن میں کسٹوڈین آفس' دیگر کلریکل اسٹاف اور ریکارڈ ہے۔

قائداعظم کی جائے پیدائش وزیر مینشن اور یہاں قائم میوزیم میں داخلہ کا کوئی ٹکٹ نہیں۔ عملہ نہایت خوش اخلاق اور ملنسار ہے۔ اس وقت اس میوزیم کے کسٹوڈین طاہر سعید ہیں جبکہ ٹیکنیکل اسسٹنٹ عبدالرحمٰن ہیں۔ طاہر سعید اپنے عملہ کے ساتھ شبانہ روز میوزیم کی بہتری اور اسے خوبصورت بنانے میں سرگرم ہیں انھوں نے اپنے ذاتی خرچ سے میوزیم سے متعلق ایک معلومات افزاء خوبصورت رنگین بروشر بھی شائع کیا ہے جو ان کی قائداعظمؒ سے محبت اور عقیدت کا ثبوت ہے۔

(اقبال صدف نوائے وقت میگزین 14 اگست 1994ء)

قصر فاطمہ

بانی پاکستان کی دست راست اور ان کی بہن محترمہ فاطمہ جناح 1964ء میں فلیگ شاف ہاؤس سے قائداعظم کے تمام سامان سمیت اپنے اس محل میں منتقل ہوئیں اور اپنی زندگی کے آخری چار سال انھوں نے قصر فاطمہ میں ہی بسر کیے اور اسی وسیع وعریض محل میں اپنی خواب گاہ میں جاں جان آفریں کے سپرد کی۔

قصر فاطمہ کا سابق نام موہاٹا پیلس تھا یہ ہندوستان کے ارب پتی تاجر سیٹھ شیورتن موہاٹا نے اپنی گرمیاں کراچی میں گزارنے کے لیے 1920ء میں سمندر کے سامنے تعمیر کرایا تھا یہ ایک ہزار 500 مربع گز پر محیط ہے اور اسے اپنے دور کے مشہور آرکیٹکٹ آغا احمد حسین نے ڈیزائن کیا تھا آغا نے اس دور میں جب عمارتوں کے ڈیزائن ہی فنی تعمیر سے متاثر ہو کر تیار کیے جا رہے تھے۔ مغل فن تعمیر پر اسے ڈیزائن کیا اس میں برجیوں اور گیلریوں کی تعمیر میں جودھ پور کا مشہور گلابی پتھر استعمال کیا گیا سیٹھ شیورتن موہاٹا گرمیاں اپنے اس محل میں گزارتا تھا مگر قیام پاکستان کے بعد سیٹھ شیورتن موہاٹا سے محترمہ فاطمہ جناح نے بمبئی میں اپنی املاک کے بدلے اسے حاصل کر لیا اور اس کا نام تبدیل کر کے قصر فاطمہ رکھا بعد میں وہ اپنے محبوب بھائی کا تمام سامان لے کر اس میں منتقل ہو گئیں۔ اس وسیع وعریض محل کی پہلی منزل پر انھوں نے قائداعظم کا سامان رکھا جبکہ خود انھوں نے نچلی منزل پر رہائش اختیار کی۔ ان کے انتقال کے بعد حکومت نے قائد کے تبرکات کے حصول کے لیے اوپر کی منزل کو سیل کر دیا محترمہ فاطمہ جناح کے انتقال کے بعد ان کی چھوٹی بہن شیریں بائی اس میں منتقل

ہوئیں تو عدالت کے حکم پر اوپر کی منزل کو کھولا گیا شیریں بائی کے انتقال کے بعد قائد کا بہت سا سامان یہاں سے غائب ہو گیا اور بہت سا برباد کر دیا گیا بعد میں حکومت نے قائد کا بچا کھچا سامان 1990ء میں قائداعظم میوزیم میں منتقل کیا۔ اس عمارت میں کچھ عرصہ وزارت خارجہ کے دفتر بھی قائم رہے اور آخر میں حکومت اسے قومی یادگار کے طور پر قائداعظم کی املاک کے ایڈمنسٹریٹر سے خرید لیا۔

کراچی کے خوبصورت ساحلی علاقے کلفٹن میں واقع موہٹہ پیلس جسے قصر فاطمہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے کا شمار کراچی کی ان تاریخی عمارتوں میں ہوتا ہے کہ جو اپنے دلکش فن تعمیر کے حوالے سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔ موہٹہ پیلس وکٹورین فن تعمیر کا بہترین شاہکار ہے اسے پاکستان کی سیاسی و ثقافتی تاریخ میں اس لیے بھی اہمیت حاصل ہے کہ یہاں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی عزیز ترین بہن مادرِ ملت فاطمہ جناح بھی مقیم رہیں فاطمہ جناح نے تو اپنی زندگی کی آخری سانسیں بھی اسی عمارت میں لیں۔ اب موہٹہ پیلس کو قومی ورثہ کا حصہ قرار دیا جا چکا ہے اور اس عمارت کی دیکھ بھال اور تحفظ کی ذمہ داری حکومت نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد موہٹہ پیلس کو متروکہ املاک میں شامل کیا گیا تھا پھر یہاں وزارت خارجہ کا دفتر قائم کیا گیا جو 1960ء کی دہائی تک یہاں قائم رہا بعد ازاں مادرِ ملت فاطمہ جناح نے بھارت کے شہر بمبئی میں واقع جناح ہاؤس (مالا بار ہلز) کے بدلے میں موہٹہ پیلس حاصل کر لیا۔ مادرِ ملت فاطمہ جناح 1964ء میں موہٹہ پیلس منتقل ہو گئیں اور پھر اس عمارت کا نام قصر فاطمہ رکھا گیا۔ فاطمہ جناح زندگی کی آخری سانس تک یہاں رہائش پذیر رہیں اور 9 جولائی 1967ء کو یہاں پر ہی ان کا انتقال ہوا۔

یہ عمارت مادرِ ملت فاطمہ جناح کے انتقال کے بعد ملکیتی حوالے سے متنازعہ بن گئی اور معاملہ عدالت میں جا پہنچا جہاں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک بنچ نے فاطمہ جناح کی ملکیت اس عمارت کا وارث ان کی بہن محترمہ شیریں بائی کو قرار دیا۔

محترمہ شیریں بائی قصر فاطمہ میں رہائش پذیر ہو گئیں اور 9 جولائی 1967ء کو ان

کا انتقال ہوا تو اس عمارت کی ملکیت کا معاملہ ایک بار پھر عدالت میں چلا گیا جہاں شیریں جناح چیریٹیبل ٹرسٹ کے ٹرسٹیز اور چند رشتہ دار فریقین تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کے قانونی معاونین اور محترمہ شیریں جناح ٹرسٹ کے ٹرسٹیز اور موہٹہ پیلس کے کسٹوڈین نے سندھ ہائی کورٹ میں درخواست کی کہ عمارت کو فروخت کرنے سے متعلق اجازت دی جائے۔ اس موقع پر سندھ کی حکومت نے ایک تاریخی عمارت کو بچانے کے لیے سندھ ہائی کورٹ سے عمارت فروخت کرنے کے لیے خود بھی رجوع کیا۔ سندھ ہائی کورٹ کی ہدایت پر اس عمارت کی قیمت کا اندازہ 61 ملین روپے لگایا گیا۔ حکومت سندھ نے ہائی کورٹ کو یقین دہانی کرائی کہ حکومت موہٹہ پیلس کو خریدنے کے بعد یہاں کلچرل کمپلیکس بنائے گی جس میں کانفرنس ہال، اسلامی میوزیم، تحریک پاکستان سے متعلقہ معلومات، سندھ کی ثقافت، تھیٹر اور لائبریری وغیرہ بنائی جائے گی۔ تاہم حکومت مالی مشکلات کے سبب 93-1992ء اور پھر 94-1993ء کے مالی سال میں مقررہ رقم کی فراہمی میں ناکام رہی جس کے بعد گورنر سندھ نے وزیراعظم پاکستان سے درخواست کی کہ وہ فنڈز فراہم کر کے قصرِ فاطمہ کو وفاقی حکومت کی تحویل میں لے لیں تاکہ میوزیم کو پروگرام کے مطابق عملی شکل دی جا سکے۔

اس وقت کی وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو نے موہٹہ پیلس کی تاریخی و تعمیری اہمیت کو برقرار رکھنے اور میوزیم کو انفرادی اہمیت دلانے میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اس ضمن میں بھرپور سرکاری تعاون کی یقین دہانی کرائی اور متعلقہ حکام کو ضروری ہدایات بھی جاری کیں۔

سابق وزیراعظم نے موہٹہ پیلس کو خریدنے اور یہاں بہترین میوزیم تعمیر کرنے کے مقصد سے 7 کروڑ روپے کی وفاقی گرانٹ جاری کرنے کا حکم دیا جس کے بعد حکومت سندھ نے وفاقی وزارت ثقافت سے صلاح مشورے کے بعد سابق گورنر سندھ محمود اے ہارون کی سربراہی میں ایک خصوصی ٹرسٹ قائم کر دیا جس میں ممتاز شہریوں کو بھی شریک کیا گیا اس ٹرسٹ کی بنیادی ذمہ داری یہ مقرر ہوئی کہ ایک کلچرل سنٹر قائم کرنے کا جامع پلان تیار کرے اور یہ سفارشات مرتب کرے کہ اس میوزیم کو اسلامی رنگ دینے کے لیے کیا

اقدامات اٹھائے جائیں۔ پروگرام کے مطابق اس میوزیم میں ایک حصہ فوک آرٹس میوزیم کے لیے مخصوص کیا جانا تھا اور ایک نیشنل آرٹ گیلری بھی قائم کی جانی تھی۔ جس میں ملک کے تمام نامور مصوروں کے فن پارے رکھے جائیں اس سلسلے میں نامور آرٹسٹ علی امام کو ایڈوائزر بھی مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت کی وزیراعظم نے کراچی پیکج کا اعلان کرتے ہوئے 1994ء میں واضح طور پر کہا تھا کہ موہٹہ پیلس خریدنے کے لیے وفاقی حکومت سیور فنڈز سے رقم فراہم کرے گی۔

31 اگست 1994ء کو سندھ ہائی کورٹ کے مقرر کردہ نگران نے وزیراعظم کی ہدایات پر سیور فنڈ سے 61 ملین روپے کی فراہمی پر موہٹہ پیلس کا قبضہ مشترکہ طور پر ڈائریکٹر جنرل آف آرکیالوجی اینڈ میوزیم اور سیکرٹری کلچر ڈیپارٹمنٹ حکومت سندھ کے سپرد کر دیا گیا۔

موہٹہ پیلس کی دیکھ بھال تعمیر اور تزئین آرائش سے متعلق گیلری ٹرسٹ کے متعدد اجلاس منعقد ہو چکے ہیں اور مذکورہ کام کا ٹھیکہ میسرز حبیب فدا علی آرکیٹیکٹ کے سپرد کیا جا چکا ہے۔ موہٹہ پیلس کو کلچر ڈویژن کے نوٹیفکیشن کے ذریعہ 10 دسمبر 96ء کو قومی ورثہ بھی قرار دیا جا چکا ہے۔ سابق گورنر سندھ حمید ہارون تین سال کے لیے منتخب کیے گئے۔ موہٹہ پیلس گیلری ٹرسٹ کا مینجنگ ٹرسٹی مارچ 1997ء میں منتخب کیا گیا تھا۔

اس وقت موہٹہ پیلس کی صورت حال یہ ہے کہ اسے فوری توجہ کی ضرورت ہے اور اگر اس اہم قومی ورثہ اور تعمیری فن کے بہترین شاہکار کو اصل حالت میں برقرار رکھنا مقصود ہے تو پھر حکومت اور متعلقہ محکموں کو پوری سنجیدگی سے اس کی دیکھ بھال اور تعمیر نو پر کام کرنا ہوگا اس ضمن میں حکومت کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ مالی مشکلات پر قابو پانے کے لیے فنڈز فراہم کرے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اس اہم قومی ورثہ کو بچایا جا سکے۔

اسی میوزیم میں ایک پیکارڈ ماڈل 1938 نمبر 1327KAM جو قائداعظم کی سرکاری گاڑی تھی اور میوزیم کو سرکاری طور پر دی گئی اس کے علاوہ ایک کیڈلک گاڑی ماڈل 1947ء بھی محفوظ کر دی گئی ہے۔ اس میوزیم میں پاکستان کی کرنسی، پہلا نوٹ، پہلا کوائن وغیرہ بھی رکھے گئے ہیں۔ قائد کے مزار کے قریب ہی ان کی یادگاروں کو محفوظ رکھنے کی یہ

ایک اچھی کاوش ہے۔ مزار پر فاتحہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ لوگ اس مختصر سے میوزیم کے ذریعے قائد کی زندگی کے نجی گوشوں سے بھی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ قائد اعظم سے متعلقہ مزید یادگار اشیاء قومی عجائب گھر وزیر مینشن اور گورنر ہاؤس میں بھی رکھی گئی ہیں۔

مزار قائد کی دیکھ بھال اور انتظام و انصرام کے حوالے سے ہم نے وہاں متعلقہ لوگوں سے گفتگو کی۔ ریذیڈنٹ انجینئر محمد عارف نے اس ضمن میں معلومات فراہم کیں۔ انھوں نے بتایا مزار قائد کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے مزار قائداعظم مینجمنٹ بورڈ تشکیل دیا گیا ہے جو 12 ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔ بورڈ کے موجودہ ممبران میں الٰہی بخش سومرو' مخدوم سید احمد محمود (وزیر ماحولیات بورڈ کے چیئرمین ہیں) پارلیمنٹرین جمیل الدین عالی' سینٹر حسین شاہ راشدی' ایم این اے میاں محمد منیر احمد' سینٹر صوبیدار خان مندوخیل' سینٹر نثار محمد خاں ایڈمنسٹریٹر کے ایم سی' ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے چیف سیکرٹری سندھ سیکرٹری ہاؤسنگ' سیکرٹری انوائرمنٹ اور آڈیٹر جنرل پاکستان جو بورڈ کے آنریری ٹریژر ہیں شامل ہیں بورڈ 1971ء میں تشکیل دیے گئے پروٹیکشن اینڈ مینٹیننس ایکٹ کے تحت مزار کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ عمارت کی دیکھ بھال کے لیے مستقل طور پر ریذیڈنٹ انجینئر کا تقرر کیا گیا ہے۔

مزار کے اردگرد پارکس بنے ہوئے ہیں جبکہ مزار کی طرف آنے والے مرکزی راستے کے دونوں اطراف چھوٹے چھوٹے تالاب بنے ہیں جن میں فوارے نصب ہیں' کچھ عرصہ پہلے تک شام میں فوارے چلا دیے جاتے تھے' سرسبز پارکس کے بیچوں بیچ چلتے ہوئے فوارے اور تالابوں میں شفاف پانی خوبصورت نظارہ پیش کرتا تھا مگر اب مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے پارکس ویران اور تالابوں میں پانی ندارد ہے ہم نے اس ضمن میں جب انتظامیہ سے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس علاقے میں پانی کی شدید قلت ہے اور تالابوں میں ری سائیکلنگ نظام میسر نہیں' جس کی وجہ سے فی الحال تالاب خشک ہیں' عارف صاحب نے مزید بتایا کہ دراصل مزار کے اردگرد باغ قائداعظم کی تعمیر کا منصوبہ ہے جس کے تحت موجودہ ڈیزائن ختم کر دیا جائے گا 30 کروڑ روپے لاگت کے اس منصوبے کے متعلق تمام پیپر ورک

مکمل کر لیا گیا ہے۔ اس منصوبے پر 86ء سے جونیجو دور سے کام ہو رہا تھا وزیراعظم نواز شریف نے اس میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے اس کی فوری تکمیل کے احکامات دیے تھے' باغ قائداعظم شالا مار باغ کی طرز پر تین تختوں پر مشتمل ہوگا' جس میں واٹر فائر وغیرہ بھی لگائی جائیں گی' پانی کی ری سائیکلنگ کے لیے مکمل نظام اپنایا جائے گا' اس کے علاوہ یہاں ایک فوٹو گراف گیلری کا بھی اضافہ کیا جائے گا جس میں قائداعظمؒ کے بچپن سے لے کر ان کے آخری ایام تک کی تصاویر اور دیگر اکابرین تحریک پاکستان کی تصاویر بھی جمع کی جائیں گی۔

مزار کی دیکھ بھال کے حوالے سے اس کی تعمیر کے وقت فارن ایکسپرٹس سے بھی تجاویز لی گئی تھیں۔ انھوں نے بھی اس ڈیزائن کو سراہا تھا تاہم عمارت کی تعمیر کے حوالے سے اس وقت کچھ تشویش پیدا ہوئی جب کچھ عرصہ پہلے یہ معلوم ہوا کہ ماربل کے آپس میں جوڑے گئے مختلف ٹکڑوں کے جوڑ کھل رہے ہیں' اس کی وجہ سے پانی اندر رسنے لگا' اور ماربل کا رنگ خراب ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا چنانچہ مقامی تعمیراتی ماہرین سے مشورے کے علاوہ فارن ایکسپرٹ بھی بلوائے گئے' چنانچہ برطانوی ماہر تعمیرات رونالڈ ہینکی اور فرانس سے آندرے پیل ڈیپلارڈ یہاں آئے' اور انھوں نے عمارت کا معائنہ کرنے کے بعد تجاویز دیں جن کی روشنی میں اقدامات کرتے ہوئے بروقت نقائص پر قابو پا لیا گیا۔

مزار قائد شہر کی مصروف ترین شاہراہ ایم اے جناح روڈ پر واقع ہے اس مرکزی راہ گزر پر ٹریفک کے بے پناہ رش کی وجہ سے آلودگی سے تمام فضا گھری ہوئی ہے اردگرد کی عمارات اور درخت دھوئیں سے سیاہ ہو چکے ہیں اس فضائی آلودگی سے مزار قائد کو نقصان پہنچنے سے بچانے کے لیے مزار کے اطراف فضائی آلودگی چیک کرنے کے لیے پی سی ایس آئی آر سے ایک اسٹڈی کروائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ یہاں آلودگی کا ریٹ 388 پی۔ ایم ہے' مزار کے سفید پتھر کو اس سے شدید نقصان کا احتمال ہے' چنانچہ تجویز پیش کی گئی کہ اطراف کی روڈ پر پبلک ٹریفک ممنوع قرار دی جائے' لیکن ایم اے جناح جیسے مرکزی روڈ کے لیے یہ تجویز قابل عمل نہیں چنانچہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہاں زیادہ سے زیادہ درخت اگائے جائیں' درخت لگاؤ مہم کے تحت کراچی کے شہریوں کے تعاون سے ملحقہ علاقے میں 1000

پودے لگا چکے ہیں اسٹیل ملز نے بھی عطیے کے طور پر ایک ہزار پودے لگائے۔

مزار قائد پر سیکورٹی اور احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند دیگر اقدامات بھی کیے گئے ہیں۔ قائداعظم مزار ایکٹ کے تحت مزار کے چبوترے سے لے کر 6 فرلانگ کے فاصلے تک مزار کے اطراف میں کوئی رہائشی یا کمرشل عمارت تعمیر نہیں کی جا سکتی اس کے احاطے میں سیاسی جلسہ و جلوس اور احتجاجی مظاہروں کی ممانعت ہے' تاہم مزار کی حدود سے 10 فٹ باہر ان سرگرمیوں کی اجازت ہے چوکیداری نظام میں بیک وقت 10 چوکیدار مزار پر موجود رہتے ہیں جبکہ آٹھ گارڈز بیک وقت مزار کے اطراف متعین رہتے ہیں' تین شفٹوں میں روزانہ 24 گارڈز یہاں فرائض سرانجام دیتے ہیں سال میں 1 مرتبہ نیوی اور چار ماہ کے لیے ایئر فورس اور پاکستان آرمی کے گارڈز بالترتیب یہاں فرائض انجام دیتے ہیں' مزار کے قیام سے لے کر اب تک یہاں امن و امان کے حوالے سے کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ استقبالیے پر رکھے حاضری رجسٹر کے مطابق یہاں روزانہ آنے والوں کی تعداد 700 سے لے کر 3000 تک چھٹی کے روز 15 سے 20 ہزار تک اور اہم قومی تہواروں کے موقعہ پر لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ ہر آنے والے کا آئی ڈی کارڈ نمبر رجسٹر پر نوٹ کیا جاتا ہے۔ قائد کے مرقد پر ہر دم نظر آنے والی رونق اس حقیقت کی عکاس ہے کہ پاکستان کے ساتھ ساتھ قائداعظمؒ کا نام بھی ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا۔

(عبدالقدوس فائق، سالک مجید نوائے وقت 12 ستمبر 1999ء)

مادر ملت فاطمہ جناح میڈیکل یونیورسٹی

لفظ ''ماں'' کا مفہوم محنت ، تکالیف کا برداشت کرنا، محبت اور تربیت دینا عام اطلاع میں ہے۔سورہ الاحقاف آیات 14، 15 میں ہے:''ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، کیونکہ اس کی ماں نے اسے نو ماہ پیٹ میں رکھا، تکالیف کے اوپر تکالیف برداشت کیں اور دودھ دو اڑھائی سال پلایا۔'' لہٰذا ماں قربانی ، ایثار اور حالات سے مقابلہ کا نام ہے۔

مادر ملت نے بھی ان ہی خطوط پر قوم بنانے، سنوارنے میں بھائی کا ساتھ دیا۔ تکالیف کے اوپر تکالیف برداشت کیں اور پھر جابر حاکم کا مقابلہ اپنی قوم اور بچوں کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے کیا اور گلشن پاکستان کو سنوارا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا:''اگر میری بہن فاطمہ جناح میرے ساتھ نہ ہوتیں تو شاید حصول پاکستان کی منزل اتنی جلد قریب نہ آسکتی۔''

فاطمہ جناح نے شروع سے تعلیم کے فروغ کے لئے کوشش کی اور قائداعظم نے اپنی ساری جائیداد تعلیمی درسگاہوں کے نام فاطمہ جناح کے مشورہ سے کی۔ ان کو اور خان لیاقت علی خان کو اپنی وصیت کا نگران مقرر کیا۔فاطمہ جناح قائداعظم کے عزم کی تصویر تھیں مادر ملت قائداعظم کی وفات کے بعد ان کے مشن کے فروغ کے لئے مسلسل آواز بلند کرتی رہیں، ان کے بیانات اخبارات کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔

1948ء کی بات ہے میں میٹرک کا طالب علم گورنمنٹ ہائی سکول ہری پور ہزارہ

میں تھا۔ ہمارے ہاں تین ہائی سکول برائے بوائز تھے ، سناتن دھرم ہائی سکول، خالصہ ہائی سکول ، گورنمنٹ ہائی سکول، لیکن گرلز ہائی سکول نہ تھا۔ صرف پرائمری درجہ تک لڑکیوں کی تعلیم تھی۔ یہی حال سارے صوبہ سرحد کا تھا ۔ فاطمہ جناح 1948 ء میں ہری پور تشریف لائیں اور گرلز ہائی سکول کا افتتاح کیا، چونکہ میں سٹی مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا سالار تھا، میری ڈیوٹی محترمہ کی کار کے ساتھ تھی۔اس وقت کار کے ساتھ کھڑا ہونے کا سلسلہ تھا۔ مادر ملت نے شروع ہی سے تربیت نسواں، بہبودنسواں کے لئے کوششیں کیں۔ وہ عورتوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے بڑی مصروف رہتیں، سیاسی پلیٹ فارم عورتوں کے لیے ایک مسئلہ ہے۔ یونیورسٹی بھی ایک ادارہ ماں جیسا ہوتا ہے،اس کی خواہش فروغ تعلیم ہوتی ہے،سنوارنا ہوتا ہے۔

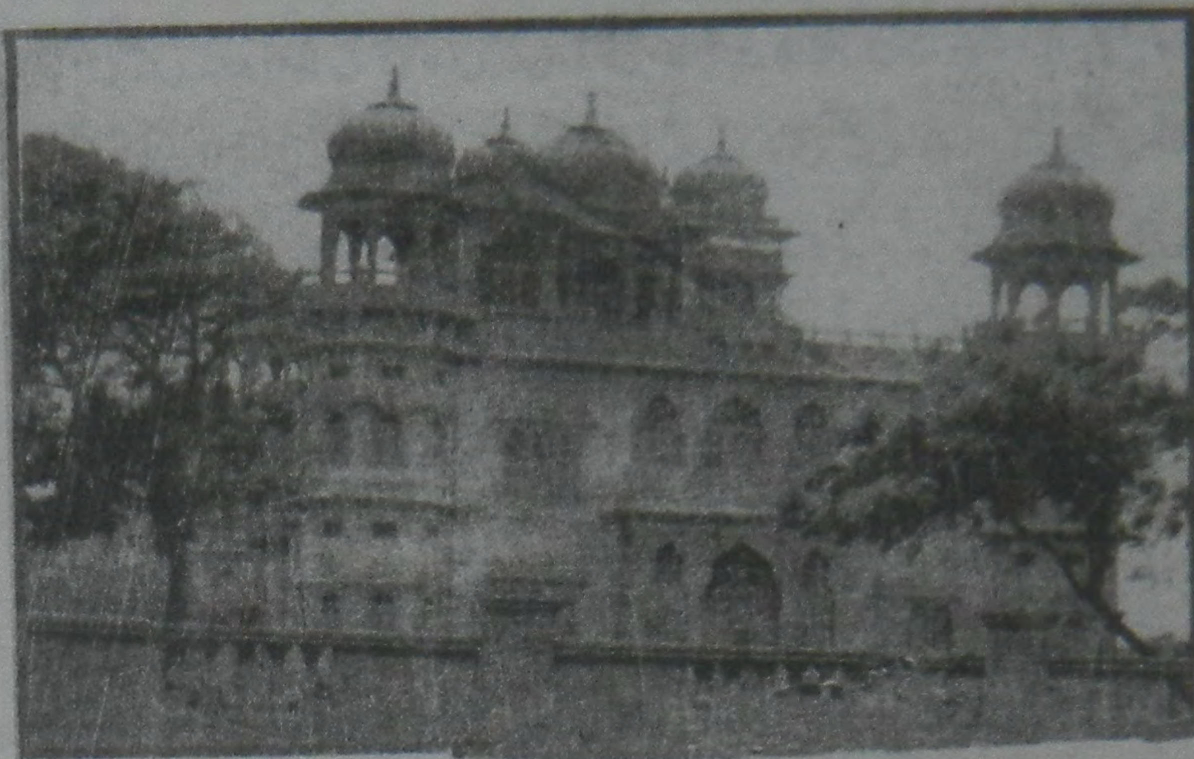
میڈیکل یونیورسٹی کا قیام ایک بڑا مثبت قدم ہے ، اس سے عام لوگ مرد وزن میڈیکل کے مختلف اداروں کی ہنرمندی حاصل کر کے اپنے مستقبل کو نہ صرف خوشگوار بنائیں گے، بلکہ پاکستان کی خوشحالی کا بھی سبب بنیں گے۔ میڈیکل تعلیم میں لڑکیاں ڈاکٹر، نرسیں، ادویات ٹیچنگ میں مہارت حاصل کریں گی اور اپنی پسند کی سپیشلٹی اختیار کریں گی۔ اس یونیورسٹی سے نہ صرف بیداری طب کا شعور مردوں میں پیدا ہوگا ، بلکہ بیداری نسواں کوفروغ میسر آئے گا اور ملت کی بے شمار ذہین بچیاں اپنا مستقبل سنواریں گی، مختلف علاقوں سے تمدن طب کوفروغ میسر ہوگا۔

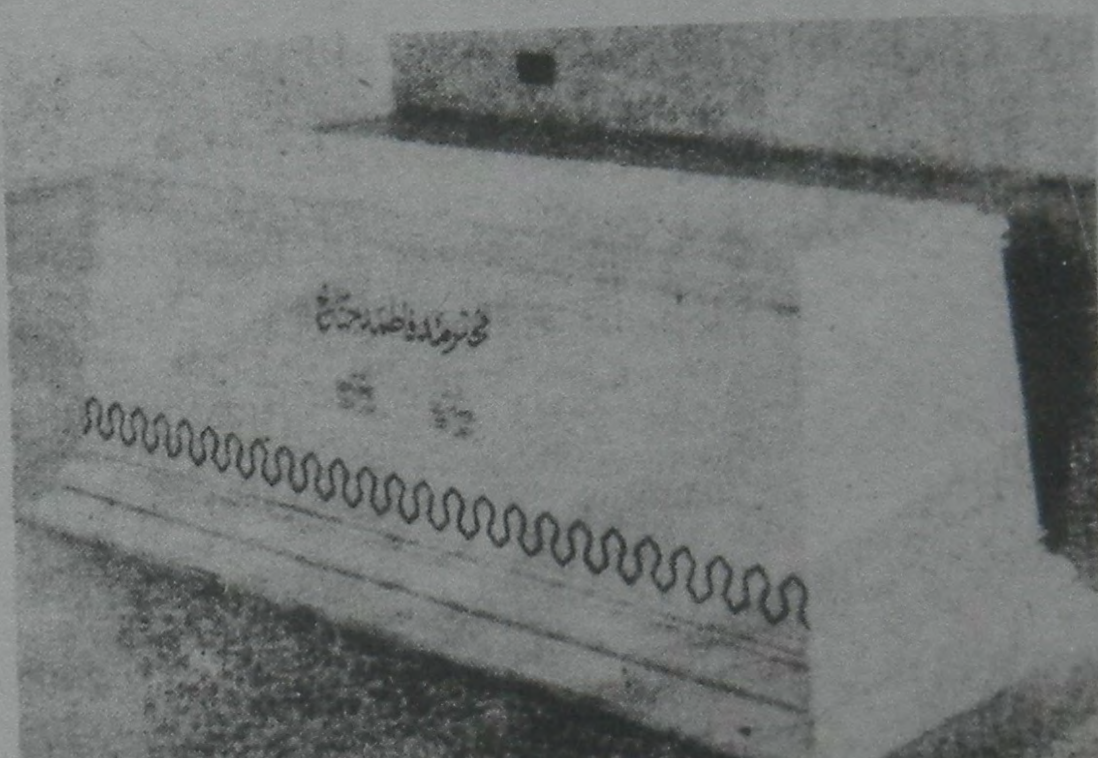
مادر ملت سے محبت،عقیدت کے اظہار کے لئے ہمیں اپنی میڈیکل یونیورسٹی کو "مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح یونیورسٹی" کا نام دینا چاہیے، کیونکہ مادرملت کردار میں لاثانی تھیں،قومیں کیسے ابھرتی ہیں، نئی نسل جب اسلاف کی زندگیوں پر نگاہ ڈالے تو کردار کی جھلک صاف شفاف موتی کی طرح نظر آئے ۔ مادر ملت جہالت کو دور کرنا چاہتی تھیں اور نسواں کی نگاہ کو بلند کرنے کے لئے میدان عمل اور سیاست میں آئیں۔ وہ ہمیشہ حصول تعلیم پر زور دیتی تھیں۔مادرملت نے اعلیٰ درجہ کے سکولوں میں تعلیم حاصل کی وہ بہت اچھی انسان تھیں،لباس اجلا، اخلاص اعلیٰ، وقت کی پابند ، وعدہ کی سچی،قول وفعل برابر اسلامی شعار کی

پاسدار، نظم و ضبط میں لاثانی، ہر قدم مثبت، ایثار میں بے مثل، بھائی کا ساتھ دیا۔ مسلمان عورتوں میں سیاسی شعور اور بیداری پیدا کی، وہ مسلمانوں کی معاشی حالت بدلنا، ذہنی تبدیلی لانا چاہتی تھیں۔ وہ اصلاح کی قائل تھیں، ذاتی مفادات کا چکر نہ تھا، وہ مسلمان قوم کو مقابلہ کے لئے آگے لانا چاہتی تھیں اور ساتھ اسلامی کلچر کی حامی تھیں، وہ احساس رکھتی تھیں، وہ پروفیشنل تھیں۔ تاہم اعلیٰ اقدار کی خاطر انہوں نے اپنے پیشہ کو خیر باد کیا۔ اگر اس تعلیمی دارالے کو انکے نام کے ساتھ منسوب کیا جائے تو مستقبل میں قوم اس یونیورسٹی سے وہ علم اور ذہن لے کر آگے بڑھے گی جو قومی ترقی میں اہم کردار ادا کرے گا۔ مادرِ ملت چونکہ خواتین کی تعلیمی ترقی کی خواہش مند تھیں اور ایسی شخصیت تھیں جنھوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان کے نام پر کھیل کے میدان، تعلیمی ادرارے اور سڑکیں رکھیں، تاکہ نئی نسل کو بردباری، جمہوریت اور آزادی جیسی چیزوں سے آشنائی حاصل ہو سکے۔

نئی یونیورسٹی پر خاصی محنت کی گئی ہے اور وسائل کی کمی کے باوجود یہ ایک معیاری کاوش ہے۔ جس کے لیے پروفیسر ڈاکٹر محمود چودھری مبارکباد کے مستحق ہیں، کیونکہ اس یونیورسٹی کا افتتاح جناب جنرل پرویز مشرف نے کیا اور اس کو معیاری بنانے میں وزیر اعلیٰ پنجاب جناب پرویز الٰہی نے گرانٹ کا اعلان کیا۔ اب وزیر اعلیٰ سے درخواست ہے کہ مادرِ ملت کے سال کے حوالے سے نئی یونیورسٹی کا نام ''مادرِ ملت فاطمہ جناح میڈیکل یونیورسٹی'' رکھا جائے۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ اے صوفی)





مادر ملت کا مزار

محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ارشادات

☆ عورت کائنات میں ایک بے حد اہم مقام رکھتی ہے اگر وہ اپنی ذمہ داریوں سے سچائی کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہوسکتی تو وہ نا صرف اپنی ذات کو بلکہ مجموعی زندگی کا بھی نقصان کرتی ہے۔

☆ آدھا حصہ خواتین پر مشتمل ہے جو قوم کی قسمت کو بدل سکتا ہے، اسلامی تعلیمات کا اتباع ہی قوم کو وہ مقام دلا سکتا ہے جو خدا نے اسے تفویض کیا ہے۔

☆ آج کل مسلمان معاشی، معاشرتی اور تعلیمی لحاظ سے بیحد پسماندہ ہیں۔ تعلیم ہی اس کا مداوا ہے۔ معاشی حالات کا سدھار ہی ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتا ہے۔ صاحب استطاعت خواتین آگے بڑھیں اور ان عورتوں کی مدد کریں جو ہر لحاظ سے پسماندہ ہیں۔

☆ اسلام میں عورت کا درجہ بیحد قابل عزت اور بلند ہے۔ سب سے پہلا انسان جو مسلمان بنا وہ عورت تھی یعنی حضرت خدیجہؓ۔ انہوں نے اس روشنی کو اجاگر کیا جو کروڑوں انسانوں سے پوشیدہ رکھی گئی۔ عورت کے حقوق کا تعین ہوا۔ اسلام نے عورت کو ایک قابل عزت اور اہم منصب پر متعین کیا۔

☆ اسلام میں یتیموں کی پرورش کرنا۔ ان کا خیال رکھنا اور نگہداشت کرنا ہمارے رسول مقبول ﷺ کے قول کے مطابق بہترین اور پسندیدہ عمل ہے۔

☆ خواتین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تہذیب کو اپنے بچوں کی زندگی میں ابتدائی دور میں ہی راسخ کر دیں۔

☆ میں آپ کو ایک بات سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ مشکوک کردار کے لیڈر صاحبان سے متاثر نہ ہوں۔

☆ مسلمان عورت کی معاشی حالت دگرگوں ہے اور وہ تمام تر مرد کی دست نگر ہے۔ اگر مرد نہ رہے تو اس کے قدموں تلے سے زمین اور سر سے آسمان غائب ہو جاتا ہے۔

☆ انڈسٹریل ہومز میں عورت کو مختلف فن سکھا کر اسے سوسائٹی اور معاشرے کا ایک مددگار فرد بنایا جا سکتا ہے۔

☆ پاکستانیوں کو صنعتی ترقی کے لیے اپنی مصنوعات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ اس طرح عورتوں کی مدد بھی ہو گی اور پاکستانی مصنوعات بھی ترقی کریں گی۔

☆ گھر خوشیوں کا مسکن ہوتا ہے۔ ایک باقاعدگی اور تربیت سے چلایا گیا گھر اور باہمی رواداری کی وجہ سے گھر ایسا مسکن ہوتا ہے جو تمام ترقی اور معاشی طور پر ملک کو اور انسانوں کو مستحکم کرتا ہے۔

خطبات و پیغامات

تاریخ کا نیا باب

''ہم اپنی مملکت کی تاریخ کے ایک اہم دور سے گزر رہے ہیں۔ ہم نے ایک آزاد اور خودمختار مملکت قائم کر کے تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کیا ہے۔ اس مملکت کی بقاء و تحفظ میں ہم ہرگز کوتاہی نہیں کریں گے۔ پاکستان کے استحکام کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی۔ اپنی قوم کے لیے میرا یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے ملک کی بے لوث خدمت کرے اور اپنی تمام تر قوتیں اور صلاحیتیں ملک کو مستحکم اور طاقتور بنانے میں صرف کر دے۔ پاکستان کی پیاری خواتین سے میں خاص طور پر کہوں گی کہ آپ نے جدوجہد آزادی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو چکے ہیں۔ آپ بڑی حد تک مملکت کی ترقی اور مستقبل کی تعمیر میں مزید کارہائے نمایاں انجام دے سکتی ہیں۔ اس کی ذمہ داری صرف آپ پر عائد ہوتی ہے کہ آپ اپنی آئندہ نسلوں کو بہترین سانچوں میں ڈھالیں۔''

کشمیر زندگی اور روح کا مسئلہ

''اس وقت پاکستان کو مختلف اہم مسائل کا سامنا ہے اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ان میں مسئلہ کشمیر سب سے زیادہ اہم ہے۔ مدافعتی نقطہ نگاہ سے مسئلہ کشمیر سب سے زیادہ اہم ہے۔ مدافعتی نقطہ نگاہ سے کشمیر پاکستان کی زندگی اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے کشمیر ہماری مرفع الحالی کا منبع ہے۔ پاکستان کے بڑے دریا اسی ریاست کی حدود سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے اور ہماری خوشحالی میں مدد دیتے ہیں۔ اس کے بغیر پاکستان کی مرفع الحالی خطرے میں پڑ جائے گی اگر خدا نہ کرے ہم کشمیر سے محروم ہو جائیں تو قدرت کی عطا کردہ نعمت عظمیٰ کا بڑا حصہ ہم سے چھن جائے گا کشمیر ہماری مدافعت کا کلیدی نکتہ ہے اگر دشمن کو کشمیر کی خوبصورت وادی اور پہاڑیوں میں مورچہ بندی کا موقع مل جائے تو پھر یہ اٹل امر ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں مداخلت اور اپنی مرضی چلانے کی کوشش کرے گا۔ پس اپنے آپ کو مضبوط اور حقیقتاً طاقتور قوم بنانے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ پاکستان کو دشمن کی ایسی سرگرمیوں کی زد میں نہ آنے دیا جائے۔ اس لحاظ سے کشمیر کی مدد ہمارا اولین فرض ہو جاتا ہے۔''

(انجمن تاجران کراچی سے خطاب دسمبر **1948**ء)

اسلامی تعلیمات پر عمل کی تلقین

''اس وقت دنیا عجیب دور سے گزر رہی ہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کشمکش کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا، اس وقت سب سے بڑا مسئلہ جو ساری دنیا کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں کس طرح یگانگت اور مساوات قائم کی جائے کیونکہ نصب العین کے

اختلاف نے مختلف طبقوں میں بھاری اختلافات پیدا کر دیئے ہیں زندگی کے مادی مفادات اس بری طرح حاوی ہو گئی ہیں کہ اخلاقی قدریں بالکل ختم ہو گئی ہیں۔ ملوکیت و اشتراکیت کے چنگل ہر طرف کھلم کھلا بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ دنیا کے اس سب سے بڑے طوفان سے بچ نکلنا اب ممکن ہے بشرطیکہ سب لوگ اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کا سچے دل سے تہیہ کر لیں۔ اسلام دنیا بھر کے لیے ایک بلند مطمع نظر پیش کرتا ہے جس سے بلاشبہ ہر مرض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔"

(عید میلاد النبی ﷺ کی ایک تقریب سے خطاب 14 جنوری 1950ء)

قومی زندگی اور کردار

جب میں اپنی قوم کی حالت پر نظر ڈالتی ہوں تو مجھے صدمہ ہوتا ہے کہ غلامی کے دور نے ہم کو اپنے صحیح مقام سے کس قدر پیچھے چھوڑ دیا ہے لیکن ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب حالات ہمارے موافق ہیں اگر ہم ہمت کریں اور اپنی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا چاہیں تو ہماری منزل دور نہیں ہے یعنی ایک عظیم پاکستانی مملکت کی تعمیر جو صحیح معنوں میں اسلامی ہو۔ اب یہ دیکھیں کہ صحیح اسلام سے ہماری کیا مراد ہونی چاہیے۔ دراصل صحیح اسلام عبارت ہے جمہوریت اور آزادی، صداقت اور راست بازی، انصاف اور بھلائی سے کاش کہ پاکستان کا قیام ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کر دے کہ ہمارے عوام ان سارے غلط طور طریقوں کو یکسر بدل دیں۔ جو انھوں نے محض رواجاً اختیار کر لیے ہیں اور ان کی بجائے اپنی روزمرہ زندگی کو اس سچی اسلامی تعلیمات کے نقش پر ڈھال لیں جو سادہ بھی ہے اور قابل عمل بھی اور جس سے بہتر ضابطہ حیات دنیا آج تک پیش نہ کر سکی۔ ہماری ہر گونہ ترقی کا یہی واحد اور صاف، سیدھا اور بے خطر راستہ ہے۔

غلامانہ ذہنیت اور خوشامد یا خوف و خطر کو اسلام کبھی پسند نہیں کرتا کیونکہ سوائے خدا کے کسی اور کو ملجا و ماویٰ سمجھنا اور اس کے آگے جھکنا اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسلام تو انسان کو اشرف المخلوقات کی عظمت بخشتے ہوئے اس کا طالب ہے کہ ہم ہر حال میں

اپنی عزتِ نفس کو برقرار رکھیں۔

آج بھی پاکستان میں لاکھوں اشخاص افلاس اور نکبت کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں جن میں بیوہ اور یتیم بچوں کی بھی ایک کثیر تعداد شامل ہے اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہے۔ پیغمبر ﷺ نے ایسے بے سہاروں کی دیکھ بھال پر بھی بڑا زور دیا تھا۔ یہ ہمارا قومی فرض ہے کہ ان کی ضروری امداد کریں اور نونہالوں کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ سچے مجاہد بن کر قوم کی خدمت کرسکیں۔ آج کی نوخیز نسل ہی کل قوم ہو گی۔ ان کے قلوب کو نورِ ایمان سے روشن کیجئے اور انہیں صاحبِ سیف و قلم بنائیے۔ یہیں سے اسلامی مملکت کی تعمیر کی صحیح داغ بیل پڑے گی۔

قومی کردار ہی مملکت کی بقا و ترقی کا اصل سرچشمہ ہے اور ایک کامیاب زندگی کا راز بھی کردار ہی میں پوشیدہ ہے۔ جس قوم میں کردار نہ ہو وہ نہ تو اپنی آزادی کی قدر کرسکتی ہے نہ ہی اس کی حفاظت اور مدافعت۔ ہمارے قومی جسد پاکستان کی اصل روح اسلامی ہی ہے جس کے بغیر اس کی ترقی ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اعلیٰ اخلاقی ضابطہ رکھنے والی اسلامی جمہوریت ہی ہمارے عوام کے درد کا مداوا بن سکتی ہے۔ یہ نوجوانوں کا کام ہے کہ اپنے اعلیٰ کردار کے ذریعہ ایک ایسی صالح سوسائٹی کی نشو ونما کریں۔ جو قوم کی معاشرتی زندگی اور اس کے اعمال کی تہذیب اور اصلاح کر سکے۔ اسی کی بدولت درخشاں تاریخ اسلام میں وہ اپنے سنہرے باب کا اضافہ کرسکیں گے۔

اسلام ہر شخص سے اپنے قومی فرائض کے تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔ صداقت کے راستے میں لغزش نہ آنے پائے۔ آپ کے پیروں میں استقامت آپ کے عزائم میں رفعت اور آپ کے قلوب میں ایمان کی جھلک ہو۔ اب آپ ایک آزاد مملکت کے مالک ہیں اور آپ کو یہ دکھانا ہے کہ اقوامِ عالم میں آپ بھی ایک بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ عزمِ صمیم کے ساتھ اٹھو اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد رکھ دو!

اسلام زندہ باد

(22 دسمبر 1950ء میلاد النبی کے موقع پر مادرِ ملت کا خطاب)

قومی وقار کو ٹھیس نہ لگنے دیں

''پاکستان کی آزادی اور بقا کے نعرے لگانے والو! اپنی مملکت کی اس عظمت کو قائم رکھو۔ جس کی خاطر تم نے دنیا سے اپنے حقوق منوائے۔ اپنے ملک کی بقاء کے لیے اندرونی اور بیرونی کسی ایسے اثر کو قبول نہ کرو جس سے تمہارے قومی وقار کو ٹھیس پہنچے، قوم کی قسمت کی امید تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانو! اور اپنی بے پناہ قوت سے پاکستان کو ہر تباہی سے محفوظ رکھو دنیا تمہیں آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتی ہے اسے تمہاری طاقت کا امتحان مقصود ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے عزائم کو ٹھیس لگ جائے۔''

(مادر ملت کا قوم سے نشری خطاب 25 ستمبر 1951ء)

وعدے بھلا دیئے گئے

''ہماری موجودہ مشکلات کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے وعدے اور عہد بھول گئے ہم میں حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں رہی اور ہم ملکی مفاد کے لیے بھی سچی بات کہتے ڈرتے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے قومی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کریں۔''

(قوم کے نام پیغام، 11 ستمبر 1952ء روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم جون 2003ء)

پہلے گھر کو درست کرنا چاہیے

''آج صورتحال کیا ہے؟ داخلی طور پر ہم مقصد عمل کے اتحاد سے محروم ہیں، بیرونی طور پر ہمیں وہ وقار اور عزت حاصل نہیں جس کے ہم مستحق ہیں۔ آپ احتساب نفس کریں اور سوچیں کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ یقیناً آپ کو اب وہ دشواریاں پیش نہیں جو آزادی سے قبل دو عظیم طاقتوں کے مقابلے میں درپیش تھیں۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ

آپ اب تک ایسی قیادت پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں جو آپ کے نظریات اور مساوات کی صدق دل سے حامی ہو؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے آزادی کا مطلب محنت اور جدوجہد کی بجائے آرام اور تن آسانی سمجھ لیا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو موقع دیا جائے کہ وہ دوستوں کے بھیس میں آپ کی صفوں میں انتشار پیدا کریں اور ان نظریات سے آپکو بہکائیں جن کی خاطر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب خود آپ کو دینا چاہیے۔ آج کل خارجہ پالیسی اور خارجہ معاملات پر یہاں بڑی باتیں ہو رہی ہیں لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان باتوں میں حقیقت شناسی کو بہت کم دخل ہے۔ سب سے مقدم یہ ہے کہ ہم اپنے اندرونی حالات کو سدھاریں، اگر حکومت کو سیاسی اور اقتصادی استحکام حاصل ہو جائے تو اسے بیرون ملک بھی عزت نصیب ہوتی ہے۔ اس کی خارجہ پالیسی تو شاید کسی کو پسند آئے یا نہ آئے لیکن اسے احترام سے دیکھا جاتا ہے۔''

(قائداعظمؒ یوم ولادت پر مادرِ ملت کی نشری تقریر 25 دسمبر 1956ء)

جمہوریت کیلئے ڈٹ جانے کی تلقین

''ہمارے راستے میں داخلی اور بیرونی مشکلات حائل ہوئی ہیں۔ ہم مختلف آزمائشوں سے گزرے ہیں۔ ہم پر پریشان کن لمحے آئے ہیں لیکن ہمارا یقین متزلزل نہیں ہوا اور ہم مایوس نہیں ہوئے۔ آج دس سال بعد ہمیں اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ قومی امنگوں کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ پاکستان چند جاہ پسند افراد کی شکار گاہ بننے کیلئے قائم نہیں ہوا تھا جہاں وہ لاکھوں افراد کے آنسوؤں، پسینے اور خون پر پل کر موٹے ہوتے رہیں۔ پاکستان سماجی انصاف،

مساوات' اخوت' اجتماعی بھلائی' امن اور مسرت کے حصول کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ آج ہمیں اس نصب العین سے دور پھینک دیا گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ چھپا ہوا ہاتھ کس کا ہے جس نے پبلک کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ ذاتی مفادات اور اقتدار کیلئے سازشیں اور مول تول کے رجحانات بڑھ رہے ہیں۔ لوگوں کو جمہوری حقوق کے استعمال سے محروم رکھنے کیلئے پیہم کوششیں ہو رہی ہیں۔ آپ کو دستور کی حفاظت اور غیر جمہوری رجحانات کو روکنے کیلئے متحدہ ہو جانا چاہیے' جلد از جلد انتخابات کا مطالبہ ہی اس صورتحال کا واحد حل ہے۔ جمہورت عوام کے رگ و پے میں جاری ہے' پاکستانی اپنے لئے جمہوریت کا راستہ منتخب کر چکے ہیں۔ میں پاکستانیوں سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ ملک میں پراگندگی پھیلانے والوں کے خلاف ڈٹ جائیں اور جمہوریت کی طرف گامزن رہیں۔''

(پاکستان کی دسویں سالگرہ کے موقع پر قوم کے نام پیغام' 14 اگست 1957ء)

چند افراد کی خوشنودی

''سوال یہ ہے کہ جب آئین میں صاف طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کے توسط سے اپنی خود مختاری قائم کریں گے تو اس کیلئے چند افراد کی خوشنودی کا انتظار کیوں؟ میری خواہش ہے کہ عوام اپنے آپ کو انتخابات کیلئے تیار کریں۔ قیام پاکستان کا مقصد ایک مکمل آزاد جمہوریہ کا قیام تھا خواہ اسے اسلامی نصب العین کے اعتبار سے دیکھا جائے یا جدید نظریات کے لحاظ سے۔ جمہوریت صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے کہ قانون کی حکمرانی سب کیلئے ہو۔ اگر قانون ختم ہوا تو پھر لاقانونیت اور انتشار ہی باقی رہ جائے گا۔ مجلسی اور سیاسی زندگی کی بھی کچھ قیود ہیں۔ جن کا بہرحال

احترام کرنا چاہیے۔ یہ پاکستان کی خدمت نہیں کہ رائے عامہ کے اظہار کے ذرائع کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جائے۔ گذشتہ چند ماہ کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے ملک دہل اٹھا ہے۔"

(قائداعظمؒ کی نویں برسی پر مادرِ ملت کی نشری تقریر' 11 ستمبر 1957ء)

مخالفوں کے ہتھکنڈے

" جو لوگ قیام پاکستان کے مخالف تھے انہوں نے اپنے ہتھکنڈے ترک نہیں کئے۔ پاکستان کے خاتمے کی لڑائی لڑنے کیلئے غیر محسوس اور خفیہ طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو پھر کسمپرسی کی حالت میں پہنچا دیا جائے۔ ہم ان طاقتوں کا کشمیر، مشرقی پاکستان کے پٹ سن کے کھیتوں، تجارتی اور مالی حلقوں اور سرحدی علاقوں میں مقابلہ کرر ہے ہیں ۔ پچھلے چند سالوں سے پاکستان کو ایسی صورتحال کا سامنا رہا ہے۔ کہ دشمن طاقتیں آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر ان کا گلا گھونٹ رہی ہیں۔ اگر چہ حال ہی میں اس معرکے کے بارے میں احساس کرلیا گیا ہے۔ تاہم ملک کو اس خطرے سے بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ ہمارے سامنے فوری مسئلہ اس صورتحال کا مقابلہ کر کے ملک کو بچانے کا ہے۔ یاد رکھیے کہ بزدل موت سے قبل کئی بار مرتے ہیں۔ لیکن بہادر صرف ایک بار مرتا ہے یہی وہ راستہ ہے جو ایک خوددار قوم کیلئے موزوں ہے۔"

(قائداعظمؒ کی برسی پر مادرِ ملت کی نشری تقریر 11 ستمبر 1958ء)

اظہار رائے پر مہریں

" مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ ملک میں آج بھی جمہوری اداروں کو معمول کے مطابق کام کرنے کی اجازت نہیں اور

اظہار رائے پر مہریں لگی ہیں۔ امیدوں کی سرزمین میں ایسے حالات پیدا کیے گئے جنہوں نے ہمیں صدمے پہنچائے اور غیر یقینی فضا پیدا کر کے قومی وقار کو زبردست ٹھیس پہنچائی تاہم مجھے کامل یقین ہے کہ کوئی بھی خفیہ حربہ اور غیر ملکی چالیں قوم کو تقسیم نہیں کر سکیں گی اور ہم جہاں بھی ہونگے بحیثیت پاکستانی ایک رہیں گے۔"

(عید الاضحیٰ کے موقع پر پیغام 5 مئی 1963ء)

افسوسناک رجحان

"میں نے ملک میں ایک افسوسناک رجحان دیکھا ہے یعنی چند لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ برسر اقتدار لوگوں کی تو تعریف و حمایت کرتے ہیں مگر اقتدار سے محروم لوگوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ اگر اس رجحان کو ختم نہ کیا گیا تو کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے گا۔ جس کے ذریعہ ہم کسی پروگرام یا پالیسی کی اچھائی برائی کو پرکھ سکیں۔ ایک دوسرا قابل افسوس رجحان یہ ہے کہ ہر اس شخص کو انتہا پسند اور ملک دشمن قرار دے دیا جاتا ہے جو مختلف رائے رکھتا ہو۔ حکومت پر نکتہ چینی یا اختلاف رائے کو ملکی استحکام کے خلاف اور ملک سے غداری خیال کیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ آمرانہ فلسفہ تو ہوسکتا ہے مگر جمہوری تصورات کے خلاف ہے۔ کیونکہ حب الوطنی کسی کی اجارہ داری نہیں"۔

(پشاور میں انتخابی جلسہ سے مادرِ ملت کا خطاب، 2 اکتوبر 1964ء)

پاکستان آپ نے بنایا......

"آج ہماری آزادی پر پابندیاں لگادی گئی ہیں اور کہا جارہا ہے کہ ہم ووٹ دینے کے قابل نہیں ہیں، ہم اپنی پارلیمنٹ کا انتخاب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ پاکستان کس نے بنایا ہے؟ آپ نے یا صدر ایوب نے؟ اگر پاکستان آپ لوگوں نے

بنایا ہے اور صدر ایوب نے نہیں بنایا تو لوگوں سے حق حکمرانی کس بنا پر چھینا جا رہا ہے؟ لوگوں سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان نے بڑی ترقی کی ہے لیکن کیا یہ ترقی ملک کے کروڑوں باشندوں کی خوشحالی پر مبنی ہے؟ کیا ہم یہ سمجھیں کہ چند خاندانوں کے پاس دولت جمع ہو جانے سے پاکستان دولت مند بن گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عوام اور حکومت کے درمیان خلیج حائل ہے۔ عوام آزادی اور جمہوریت چاہتے ہیں وہ ان جماعتوں سے بیزار ہیں جو آزادی کے نام پر ملک میں جبر و استبداد لانا چاہتی ہیں۔"

(موچی دروازہ لاہور میں انتخابی جلسہ سے خطاب، 15 اکتوبر 1964ء)

پارلیمانی دستور کی حمایت

"اس قسم کا دستور جس میں عوام کا کوئی دخل نہیں ہمیں منظور نہیں۔ ہم ایسا دستور نہیں چاہتے ہمارا دستور پارلیمانی ہوگا جس میں صدر، وزیر اعظم اور اسمبلیاں ہوں گی، یہ سب کچھ قوم کے فائدے کے لیے ہوگا ہم جو کچھ کریں گے قوم کے مشورے سے کریں گے۔ یہ کیا دستور ہوا جس کے تحت عوام ووٹ بھی نہ دے سکیں، پیسہ قوم دیتی ہے، اسے حساب کتاب اور خرچ کا پتہ ہونا چاہیے اسی لیے ہمارے دستور کے تحت پارلیمنٹ ہوگی، اس میں بجٹ پیش کیا جائے گا اور پارلیمنٹ ہی اسے منظور کرے گی۔ پارلیمانی نظام میں ہر شخص کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ سوال پوچھے، اسمبلیاں ان کے سامنے جوابدہ ہوں گی۔ یہ کس طرح کے لیڈر ہیں عوام کے سامنے جانے سے گھبراتے ہیں۔ عوام کے تعاون کے بغیر کام کرتے ہیں۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ عوام کو حکومت میں شامل نہ کیا جائے اور محض چند لوگوں کی مدد سے کام چلایا جائے ان لوگوں نے اپنے دور اقتدار میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ

یہ کہ نو ارب روپے میں تین دریاؤں کا پانی فروخت کر دیا ہے، اس میں سے بھارت صرف پچاس کروڑ روپے ادا کرے گا باقی ساڑھے آٹھ ارب عالمی بینک اور دوسرے ادارے ادا کریں گے، جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے دریاؤں کو اس طرح کیوں فروخت کیا تو کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑی رقم ہے میں کہتی ہوں کہ کیا دنیا کا کوئی ملک اپنے دریاؤں کو اس طرح بھی فروخت کرتا ہے؟ جب دلیل دیتے ہیں کہ نو ارب سے منگلا اور تربیلا ڈیم تعمیر کریں گے لیکن ماہرین کی رائے یہ ہے کہ ڈیم آئندہ پچاس سال میں خشک ہو جائیں گے، اگر یہ خشک ہو گئے تو ہم کیا کریں گے؟ کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ دریا کس کی مرضی سے فروخت کیے ہیں یہاں تو ایک شخص کی حکومت ہے اور ایک شخص کا قانون ہے اسی کی وجہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ ہم کشمیر کو بھارت سے نجات دلانے کی جدوجہد کر رہے ہیں اور بھارت اس سمجھوتے کی بدولت پاکستانی دریاؤں کا پانی مقبوضہ کشمیر میں استعمال کرے گا، یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ دریاؤں کا فیصلہ ایک فرد کی حکومت نے کیا ہے۔"

(17 اکتوبر 1964ء چٹاگانگ میں انتخابی جلسے سے خطاب)

عوام چوکس رہیں

اس ملک کی آزادی کی جدوجہد میں وکیل قسم کے سیاست دانوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ میں سنہری حروف میں درج ہے۔ پاکستان کی آزادی زیادہ تر قائداعظم کی مرہون منت ہے اور قائداعظم بھی وکیل سیاست دان تھے۔ اس کے برعکس جب مسٹر ایوب خاں ایسے لوگوں کو پسند کریں گے جو ملکی قانون کو بالائے طاق رکھ کر قوت کے بل پر عوام پر حکمرانی کرنا چاہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا قانون سے تصادم ہوگا اور وہ اسی سے لوگوں کے خلاف ہوں گے جو ان کو وکلاء کی تنظیموں اور عوام کے سامنے ان کی قانون شکنی بناء پر ننگا

کرتے ہیں۔ وکلاء کا طبقہ ہی عوام کو موجودہ حالات کی پیچیدگیاں بہتر طور پر سمجھانے کی پوزیشن میں ہے۔ اس لئے وہ رائے عامہ کو اس انداز میں تربیت دیتے ہیں جو ڈکٹیٹر حکومتوں اور خودسر حکمرانوں کو لازمی طور پر برامحسوس ہوتا ہے۔

پاکستان کی عدلیہ نے پاکستان کے وقار اور عزت کو بلند کرنے اور عوام کے حقوق کی حفاظت کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ بہت سی مشکلات کے باوجود عدلیہ متزلزل نہیں ہوئی اور اُس نے اپنے فیصلے بڑی بے باکی سے دیئے ہیں۔ موجودہ حکومت کی طرف سے پاکستان کے نظام عدلیہ میں تبدیلی کرنے کی جو بھی کوشش ہو۔ اس کی سختی سے مزاحمت ہونی چاہیے۔ مسٹر محمد ایوب خاں نے اگلے روز کہا ہے کہ وہ پاکستان کے نظام عدلیہ کو بدلنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور پرانے جرگہ سسٹم کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ایسا کرنے سے ایوب خاں کا مقصد یہ ہے کہ عدلیہ لوگوں کے حقوق کے تحفظ اور حکومت کی غلط کاریوں کے تدارک کے سلسلے میں کچھ نہ کر سکے۔ ایک وفاقی نظام حکومت میں عدلیہ کا مضبوط ہونا ضروری ہے تاکہ وہ انتظامیہ یا مقننہ کی زیادتیوں کا سدباب کر سکے۔ اس کام میں وکلاء اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور وہ اس مقصد کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے چوکس اور مستعد رہیں۔ آپ، جمہوریت کو تباہ ہونے سے بچانے کیلئے لوگوں کو آواز دیں۔ عوام اب بیدار ہیں یہاں تک کہ پاکستانی خواتین نے بھی بیداری کا مظاہرہ کیا ہے اب یہ عوام کے لیڈروں اور آپ کا فرض ہے کہ موجودہ تحریک کو کامیابی کی منزل تک لے جائیں۔

(16 نومبر 1964ء انتخابی جلسہ سے خطاب)

فردِ واحد کا راستہ

''اس وقت آپ کے سامنے ایک ایسا دستور ہے جسے فرد واحد نے تیار اور نافذ کیا ہے۔ وہ شخص خود ہی اپنا تقرر کر سکتا ہے، خود ہی اپنے آپ کو برخواست کر سکتا ہے، جب چاہے پنشن پر جا سکتا ہے۔ یہ

تمام اختیارات اس نے اس طرح اپنے پاس رکھے ہیں گویا پاکستان میں بادشاہت قائم ہے۔ اس نے پاکستانی دریاؤں کو نو ارب میں بیچ کر پاکستان کے عوام کو ہمیشہ کے لیے اس پانی سے محروم کر دیا ہے جو ان کی زندگی تھی ایسے شواہد موجود ہیں جن سے یقین ہوتا ہے کہ امریکی امداد کو اس شخص کی انتخابی مہم پر خرچ کیا جا رہا ہے آپ کو چاہیے کہ جمہوریت کو دیس نکالے سے بچانے کے لیے ملک گیر مہم چلائیں۔"

(مغربی پاکستان ایسوسی ایشن کے استقبالیئے سے خطاب، 17 نومبر 1964ء)

ریڑھ کی ہڈی

"عوام ہی ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، ان کی تائید و حمایت کے بغیر کوئی بھی قیادت یہاں بر سر اقتدار نہیں رہ سکتی، اس ملک کو عوام نے عظیم قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور وہ ضرورت کے وقت اپنے ملک کے تحفظ اور دفاع کے لیے بھی عظیم قربانیوں کے لیے تیار ہیں۔ میری جدوجہد کسی ذاتی مقصد کے لیے نہیں بلکہ میرا جہاد جمہوریت کے لیے ہے۔"

(ڈیرہ اسماعیل خان میں خطاب 23 نومبر 1964ء)

صدر جواب دہ نہ رہا

"آزادی کے بعد میں سیاست سے کنارہ کش ہو گئی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ لوگ اپنے ملک کے معاملات خود چلائیں۔ میں سولہ سال سے اس امید پر سیاست میں حصہ لینے سے گریز کرتی رہی کہ حکومت خود ہی راہ راست پر آ جائے گی۔ ملک ترقی کرے گا' لوگ خوشحال ہوں گے اور ملک کا وقار اندرونی و بیرونی طور پر بڑھ جائے گا لیکن سب جانتے ہیں کہ اس کے برعکس یہاں کیا کچھ ہوتا رہا اور گزشتہ چھ سالوں میں کیا ہوا۔ مارشل لا سے قبل اسمبلیوں کے ان اراکین کا

انتخاب ہوا کرتا تھا جن کے سامنے حکومت جواب دہ ہوتی تھی۔ وزیر اعظم عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا تھا اور اسے اپنی پالیسوں کے لئے عوام کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرنی پڑتی تھی۔ مارشل لا کے بعد ایک فرد کا بنایا ہوا دستور نافذ کیا گیا جس کے تحت اسمبلیاں کے بے اختیار بنادی گئیں اور صدر کسی کے سامنے جوابدہ نہ چھوڑا گیا۔ یہ جمہوریت ہرگز نہیں ہے۔ یہ آمریت ہے۔ مسٹر ایوب خان کہتے ہیں کہ اگر ان کی حکومت اقتدار سے ہٹ گئی تو پاکستان کا استحکام ختم ہوجائے گا۔ اگر واقعی استحکام کا انحصار ایک شخص پر ہے تو پھر پاکستان اس وقت سب سے زیادہ خطرے میں ہے۔ کوئی شخص غیر فانی نہیں ہے' اگر خدانخواستہ آج صدر ایوب کچھ ہوجائے تو پھر اس ملک کا کیا بنے گا اس لیے ہمیں ایسا نظام اپنانا چاہئے جس میں ملکی استحکام کا انحصار فرد واحد پر نہ ہو۔ استحکام پاکستان تو اس وقت بھی ختم نہ ہوا جب اس کے بانی کا انتقال ہوگیا اور جب دفتروں میں فرنیچر تھا نہ کاغذ اور قلم۔ میں سوال کرتی ہوں کہ جو شخص اپنے ہی اصولوں پر مستحکم نہ ہو وہ ملک میں کیا استحکام پیدا کرے گا۔''

(ملتان کے تعارفی جلسے سے خطاب' دسمبر 1964ء)

امریکی امداد اور جمہوری معاشرہ

جناب صدر! خواتین و حضرات میں انتہائی مشکور ہوں کہ مغربی پاکستان کی زیادہ تر انجمن ہائے وکلاء نے مجھے اس استقبالیے میں مدعو کیا اور مجھے منتخب دانش وروں سے ملنے کا شرف بخشا۔ پچھلی بار جب میں لاہور آئی تھی تو میرے پاس اتنا کم وقت تھا کہ میں آپ کا دعوت نامہ قبول نہ کرسکی لیکن آپ میرے پاس آئے ہیں اور سپاسنامہ پیش کیا۔ اس وقت میں آپ کے تعاون' معاملہ فہمی کی معترف ہوگئی تھی۔ مجھے مسرت ہے کہ آج مجھے آپ سے تفصیلی ملاقات کا موقع ملا۔ میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ اس لیے میں نے آپ کے دعوت

نامے پر لبیک کہا۔ اکتوبر میں میں نے مغربی و مشرقی پاکستان کا ایک طوفانی دورہ کیا تھا۔ اسی دورے کے نتائج کے طور پر مجھے یقین ہے کہ عوام کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ اگر عوام کو براہ راست اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق ہوتا تو ان کا فیصلہ کیا ہوتا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہمہ اقسام کی بدعنوانیوں اور جانبداریوں کے باوجود ہم ایک فیصلہ کن اکثریت سے کامیاب ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کے سامنے ایک دستور ہے جسے ایک فردِ واحد نے تیار اور نافذ کیا ہے وہ شخص خود ہی اپنی تقرری کر سکتا ہے خود ہی اپنے آپ کو برخاست کر سکتا ہے۔ جب چاہے پنشن پر جا سکتا ہے۔ یہ تمام اختیارات نے اس طرح اپنے پاس رکھے ہیں۔ گویا پاکستان میں بادشاہت قائم ہے۔

یہ شخص پاکستانی وسائل کو اپنی رضا سے فروخت اور منتقل کرتا ہے اس نے پنجاب کے دریاؤں کو اپنی رضا سے فروخت اور منتقل کر دیا ہے۔ اس نے پنجاب کے دریاؤں کو محض نوسو کروڑ میں بیچ کر پاکستان کے عوام کو ہمیشہ کے لیے اس پانی سے محروم کر دیا جو ان کی زندگی تھی۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے یقین ہوتا ہے کہ امریکی امداد کو اس شخص کی انتخابی مہم پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہمیں کہاں لے جاتا ہے اور اس کا منتہائے مقصود کیا ہے۔ اگر اس کا حقیقت پسندانہ نقطہ نگاہ سے جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اعلان تاشقند ان لوگوں کی سوجھ بوجھ اور بصیرت کے فقدان کی غمازی کرتا ہے جنھوں نے پاکستان کی جانب سے اسے منظور کیا اور اس پر دستخط ثبت کیے۔ اس اعلان کی محض وضاحت کر کے بات کو ٹال دینے کی کوشش زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔ اس اعلان سے جموں و کشمیر اور پاکستان کے عوام کے مفاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ پاکستانی عوام نے تیز و تند اور مخالفانہ ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ ردعمل کی حقیقت کو سطحی بنانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن یہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ ہمیں اپنے مقاصد کے حصول اور اقوام عالم میں باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے صحیح معنوں میں ایک جمہوری معاشرہ کی تشکیل کرنا ہوگی اور اپنے آپ کو پاکستان کے مقاصد اور قائداعظمؒ کے اقوال و اعمال کے اتباع کے لیے وقف کرنا ہوگا۔

(جنوری 1966ء عیدالفطر کے موقع پر قوم کے نام مادرِ ملت کا پیغام)

اب قوم قیدی نہیں رہے گی

اس ملک کے جن عوام نے ایک تاریخی جدوجہد کر کے آزاد مملکت قائم کر لی تھی۔ انہی کو وہ لوگ اب جمہوریت کیلئے غیر موزوں کہتے پھرتے ہیں۔ جنہوں نے اس جدوجہد میں ذرا سا بھی حصہ نہیں لیا۔ ایوب خان انگریز سامراج کے ملازم رہے ہیں اس لئے ان میں حب الوطنی کا وہ جذبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا' جو ملکی نظم و نسق چلانے والے کیلئے لازم ہے۔ ملک کا استحکام آرڈی نینسوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ صدر ایوب نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ اس لئے انہیں کیسے ڈکٹیٹر نہیں کہا جاسکتا۔ اگر استحکام ملک کا انحصار انہی کی ایک ذات پر ہے تو اگر وہ خدانخواستہ اس دنیا سے چل بسے تو پھر اس ملک کا کیا ہوگا۔ مسٹر ایوب خان فرد واحد کی حکومت قائم رکھنے کے حق میں آئے دن یہ دلیل دیا کرتے ہیں۔ کہ اس ملک کے لوگ جمہوریت کو نہیں سمجھتے اس لئے ساری طاقت ایک ہی شخص کے ہاتھ میں رہنی چاہیے۔ یہ امر کتنا تکلیف دہ ہے کہ جن عوام نے ان تھک اور کامیاب جدوجہد کر کے ایک آزاد مملکت پاکستان قائم کر لی انہیں اب وہ لوگ جمہوریت کیلئے غیر موزوں قرار دے رہے ہیں جن کا تحریک پاکستان سے کسی طرح کا ذرہ بھر تعلق نہ تھا۔ مسٹر ایوب انگریز سامراجیوں کے ملازم رہے ہیں اس لئے ان کے اندر حب الوطنی کا وہ جذبہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ جو دس سالہ شدید مصائب اور جدوجہد کے بعد حاصل کئے ہوئے ایک آزاد ملک کا نظم و نسق چلانے کیلئے ضروری ہے۔ میں مسٹر ایوب خان کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو فوجی معاملات تک محدود رکھیں کیونکہ میرے خیال سے وہ پاکستان جیسے ملک کے لئے اسی حیثیت سے زیادہ مفید ثابت ہوسکیں گے۔

اسمبلیوں کو ملک کی دو تہائی بجٹ تجاویز پر کوئی اعتراض نہیں پھر بھی انہیں عوامی نمائندہ کہا جاتا ہے' کیا یہی جمہوریت ہے؟ صدر ایوب اپنے آپ کو ڈکٹیٹر کہلانے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ سارے اختیارات انہی کے ہاتھ میں ہیں اور بجٹ کے دو تہائی پر ووٹ دینے کے اختیارات اسمبلیوں سے چھینے ہوئے ہیں پھر ڈکٹیٹر اور کسے کہا جاتا ہے؟ میں کہتی ہوں کہ وہ بالکل ڈکٹیٹر اور خالص ڈکٹیٹر ہیں؟ مسٹر ایوب نے مجھے ووٹروں کی نگاہوں میں

فروتر ثابت کرنے کیلئے بڑے بچگانہ انداز میں کچھ نہ کچھ کہانیاں شروع کردی ہیں' انہیں میں سے ایک کہانی یہ بھی ہے کہ قائداعظمؒ مجھے تالے میں بند کردیا کرتے تھے۔ ایک سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر قائداعظمؒ مجھے سیاسیات سے باز رکھنا چاہتے تو مجھے ہر کہیں اپنے ساتھ کیوں لے جاتے۔

آئین کی دستاویزات ایک ایسا عجوبہ ہے جسے اس ملک میں وراثتی ملوکیت قائم کرنے کے متعلق ایک شخص کے غلط ارادوں کی تکمیل کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ پھر یہ دستاویز بھی ان مقاصد کی پوری تکمیل نہیں کرتی تھی۔ اس لئے آئے دن اس ایک شخص کے ذہن میں جو خیالات ابھرتے رہے انہیں آرڈیننس جاری کرکے پورا کیا گیا۔ کتنی اندوہناک بات ہے کہ مسٹر ایوب خاں نے چھ سال کے طویل عرصہ تک بدانتظامی اور جبروتشدد کے ذریعے ملک کے استحکام کو تباہ کردیا ہے اور اب وہ عوام کو یہ انتباہ کرنے لگے ہیں کہ اگر اپوزیشن برسراقتدار آگئی تو ملک کا استحکام ختم ہوجائے گا۔ غالباً استحکام سے مسٹر ایوب خاں کی مراد ذاتی اور اپنے خاندان کا استحکام ہے۔ مجھے ان کی حکومت میں کہیں استحکام دکھائی نہیں دیا۔ ساری قوم بدانتظامی' رشوت اور بداعمالیوں کی چکی میں پس رہی ہے میں رائے دہندگان سے پوچھتی ہوں کہ اگر خدانخواستہ صدر ایوب خان کسی روز اس دنیا سے چل بسے تو پھر استحکام کا کیا بنے گا؟ اس وقت پورے ملک میں عدم تحفظ افرتفری اور ناامیدی کا دوردورہ ہوگا۔ عدم استحکام کا یہ ایسا شوشہ ہے جو ہر اس ملک میں آموجود ہوتا ہے جن میں صدارتی نظام حکومت قائم ہو لیکن جس کسی ملک میں پارلیمانی نظام حکومت قائم ہو اس میں حکومتوں کی تبدیلیوں کے باوجود داخلی استحکام لازماً قائم رہتا ہے۔

مغربی پاکستان کے عوام پوری طرح میرے ساتھ ہیں' صرف سرکاری اہتمام سے چھپنے والے اخبار میری اس پرجوش عوامی تائید کو کم کرکے پیش کرتے ہیں۔ میں قیام پاکستان کے بعد سیاسیات میں اس لئے حصہ نہیں لیتی رہی کیونکہ میں سمجھتی تھی۔ کہ میرے عظیم بھائی جس جدوجہد میں مصروف رہے وہ قیام پاکستان کے ساتھ پورا ہوگیا تھا لیکن اب سے چھ سال قبل سارا ملک آمریت کے پنجے میں آگیا۔ ساری قوم محکوم ہوکر رہ گئی اور

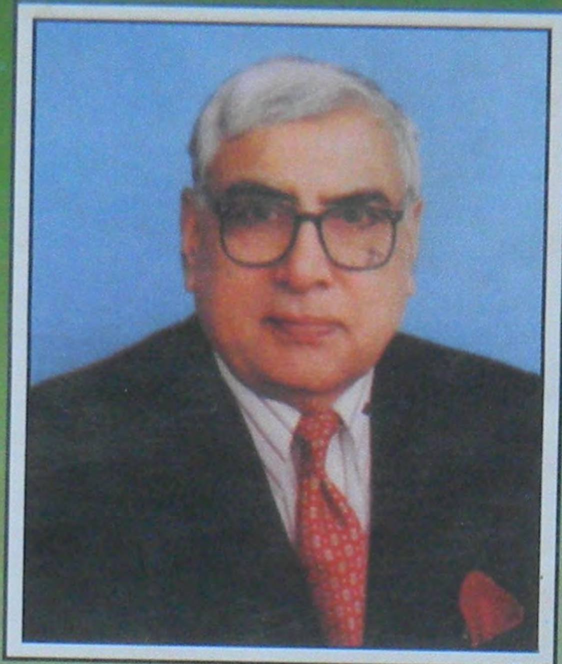
پاکستان میں ایک شخص کی بالادستی قائم کرنے کیلئے آزادی چھین لی گئی۔ یہی صورتحال تھی جس کے تحت مجبور ہو کر میں دوبارہ سیاسیات میں آگئی۔ 1958ء میں مارشل لاء کا نفاذ اس سازش کا نتیجہ تھا جو 1954ء میں شروع ہوئی تھی ورنہ اس وقت امن وقانون کی صورتحال ایسی نہ تھی کہ مارشل لاء لگانا ضروری ہوتا صدر ایوب چار سال تک مارشل لاء کے تحت راج کرنے کے بعد ملک کو ایک ایسا نظام دے رہے ہیں جو قوم کیلئے بہتر نہیں۔

(مادر ملت کا ڈھاکہ میں خطاب)

حوالہ جات

☆ قائداعظم تقاریر و بیانات ترجمہ از اقبال احمد صدیقی بزم اقبال جلد چہارم 1998ء
☆ جناح آف پاکستان (انگریزی) سٹینلے والپرٹ
☆ دی قائد جناح اینڈ سٹوری آف پاکستان (انگریزی) از اکبر ایس احمد آکسفورڈ پریس
☆ قائد کی قیادت آزادی کا سفر (اردو) پروفیسر ایم اے صوفی 2000ء
☆ قائد کی قیادت بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت 2003ء
☆ جناح دی فاؤنڈر آف پاکستان (انگریزی) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1998ء
☆ پاکستان ریزولیشن نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹریکل کلچرل ریسرچ اسلام آباد
☆ گلہائے رنگا رنگ ممتاز احمد خان 1994ء
☆ میرا بھائی فاطمہ جناح 1991ء
☆ مادرِ ملت کا جمہوری سفر از منیر احمد منیر، 1993ء
☆ گفتار و کردار قائداعظم از سید راشد 1982ء
☆ بیاد قائداعظم محمد علی جناح ماتمی مشاعرہ مردان از اکرام اللہ خان شاہد
☆ قائداعظم پر قاتلانہ حملہ منیر احمد منیر 1985ء
☆ مسلم انڈیا 1947-1957ء احمد سعید 1957ء
☆ قائداعظم۔ چند یادیں، چند ملاقاتیں از آفتاب احمد 1976ء
☆ قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو ملک حبیب اللہ 1998ء

☆	قائدِ اعظم کی یادیں	کے ایچ خورشید	1991ء
☆	جناح اینڈ پاکستان (انگریزی)	قطب الدین	2001ء
☆	قائد اعظم کے خاندانی تنازع	خالد احمد	2000ء
☆	مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح سوال و جواب	شاہد رشید	2003ء
☆	مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح حیات و اقوال	نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن	2003ء
☆	قائد اعظم	جی آلانہ نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن	
☆	جناح سے قائد......معمارِ قوم	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی ڈان	1998ء
☆	قائد کی گرتی ہوئی صحت	ڈاکٹر عبداللہ خان پٹھان	1997ء
☆	اخبارات و رسائل		



پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی ایک منجھے ہوئے سکالر ہیں، آپ متعدد معیاری علمی کتب تحریر کر چکے ہیں، تاریخ پاکستان آپ کا محبوب موضوع ہے، آپ قائداعظم محمد علی جناح، فاطمہ جناح اور علامہ اقبال کے بڑے مداح ہیں، قائداعظم کے تو شیدائی ہیں اور نظریہ پاکستان پر بڑا پختہ ایمان رکھتے ہیں۔

ہری پور سکول میں طالب علمی کے زمانہ میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ سے منسلک رہے جب محترمہ فاطمہ جناح گرلز ہائی سکول ہری پور کا افتتاح کرنے 1948ء میں ہری پور تشریف لائی تھیں، اس وقت ایم۔اے صوفی' محترمہ فاطمہ جناح کی گاڑی کے باڈی گارڈ تھے۔ دسمبر 1952ء میں جب محترمہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کی سالانہ کھیلوں کی تقریب تقسیم انعامات میں تشریف لائیں تو ایم۔اے صوفی فرسٹ ایئر سٹوڈنٹ ڈی ماؤنٹ مورنسی کالج آف ڈینٹسٹری و کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور نے اپنے محبت کے اظہار میں نامور پرنسپل ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی اجازت سے انگریزی زبان میں ایک نظم تخلیق کی۔ اسے پرنٹ کرایا اور بڑے جوش اور جرأت سے جھوم جھوم کر اشعار سے خوش آمدید کہا، مادر ملت کے اوصاف بیان کیے۔ 1954ء میں ڈینٹل ہیلتھ ویک کے موقع پر محترمہ نے ایک بیان دیا کہ کوئی صحت کا منصوبہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس میں ڈینٹل ہیلتھ اور حفاظتی امور شامل نہ ہوں محمد اسلم صوفی اس وقت کالج یونین کا جنرل سیکرٹری تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ایم اے صوفی کی پہلی تصنیف ''جناح سے قائد'' معمار قوم تھی۔ پھر ''آزادی کا سفر'' قائد کی قیادت اور قائد کے آخری لمحات ان کی تحریر ہے۔ ہم ڈاکٹر صوفی کو اس نئی کاوش پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نسیم حسن شاہ

چیف جسٹس (ر) سپریم کورٹ آف پاکستان، لاہور

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352332

E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com